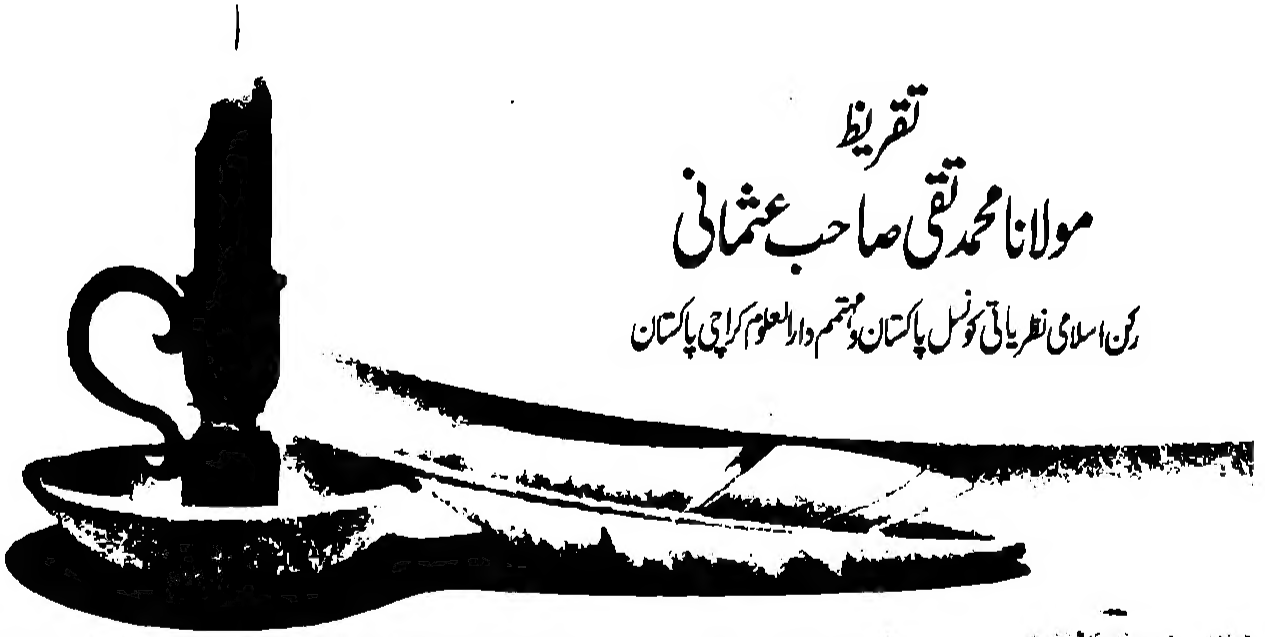


اُصُولُ الْفِقْهِ

تالیف
محمد عبید اللہ الاسعدی
استاذ حدیث جامعہ عربیہ تھورا، باندہ، یوپی

تقریظ
مولانا محمد تقی صاحب عثمانی
رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان و مہتمم دارالعلوم کراچی پاکستان



مکتبہ احسان لکھنؤ

أصول الفقه

تالیف

محمد عبید اللہ الاسعدی

استاذ حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی

تقریظ

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی

رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان و مہتمم دارالعلوم کراچی پاکستان

مکتبہ احسان لکھنؤ
MAKTABA AHSAN

Lucknow-20

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

أصول الفقه

تالیف

محمد عبید اللہ الاسعدی

تقریظ

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی

باہتمام

محمد طاہر احسان و مولانا عرفان نصر ندوی

Usool-ul-Fiqh

Author:

Muhammad Ubaidullah Al-As'adi

Edition : 2015

Pages : 296

Price : 200/-

ناشر

مکتبہ احسان لکھنؤ

MAKTABA AHSAN

Head Office: 504/38-1, Tagore Marg, Daliganj, Lucknow-20 (U.P.)

Ph. : 0522-3206907 M. : 9793118234, 9335982413

E-mail : maktabaahsan1@gmail.com

Branch Office: Bagh Wali Masjid, Lal Bagh, Muradabad

Ph. : +91-9359103393, +91-8057917341, +91-8791355187

Ph : 31 12 17
 Res : 31 12 18

Muhammad Taji Usmani

Member : Council of Islamic Ideology,
 Ash Mubtata : Darul Uloom, Karachi-14

مجلد بیستم و چہارم

گزشتہ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان
 دفتر مہتمم دارالعلوم کراچی ۱۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مورخہ

برادہ محترم دہم !

السلام علیکم وعلیٰ آئینہ اشرف البراءۃ

بھائی زادہ مرحوم حوا آپ کا ارسال فرمایا۔ سورہ اہل نفعہ کے لیے کیا قارئین مجھے دلائل

میں کبھی اسلم آباد آئی کراچی میں مقیم رہا اسے اسکو دیکھنے کی سہولت نہ مل سکی اور نہ آپ کو اسکی دعویٰ کا اطلاع
 دیا گیا۔ حضرت فواد علی - برہان مسعودی اور شیخ ابی یوسف نے اسکو جبہ مقامات سے دیکھ لیا

ماتا اور شرفیہ نے افریقی رائے میں آپ کی یہ تالیف دینی مدارس میں طلباء کے لیے اہم ترین یادداشت
 کا نام دیا ہے کہیں اس کا اصل فائدہ یہ ہوگا کہ کابل میں وہ یونیورسٹیوں میں جہاں اہل نفعہ کی تعلیم

مہربانی سے دیوں اس کو لکھ لیا۔ داخل کرنا میں مناسب ہوگا۔ آپ نے یہ کتابت اچھا کیا کہ اس کتابت
 کو اس وقت تک رکھ لیا کہ کابل فرمایا۔ چونکہ اس کا اصل فائدہ ان حضرات کے لیے تھا جو

زمانہ میں جاننے یا اس میں عبارت ہیں دیکھتے اسے افریقی نظریں آپ اس بات کو بھی دیکھ لیں کہ

تقریبات دینویں الفاظ ہیں تو سہیل آگے ہی ہے۔ اور جہاں الفاظ کو سہیل کرنا ممکن نہ ہو جہاں

ایسی توضیحی عبارتیں آجائیں جن سے بات پوری طرح روشن ہو جائے اور مثالوں سے مطابقت بھی ہو جائے

پھر حال آپ کی یہ کامیابیوں میں حسین جہاں سے علیہ کو اسکا فائدہ اس کو خان احمد عینو نے اپنے بارگاہ

سیرت قبولیت سے فرستادہ السلام

فریقہ عثمانی

فہرست مضامین

صفحات	مضامین
۱۹	مقدمہ مؤلف
۲۲	مقدمہ مباحث - باب اول - مبادیات فن اصول فقہ، اصول فقہ کی تعریف، موضوع، تشریح موضوع،
۲۳	انحصار دلائل در اصول اربعہ
۲۶	غرض و فائدہ، ضرورت، تاریخ
۲۷	حنفی اصول فقہ کی قدیم و اہم کتب
۲۸	باب دوم - احکام
۲۸	مقدمہ
۲۹	تعریف حکم، ارکان حکم، حاکم، محکوم علیہ، محکوم فیہ، محکوم علیہ
۳۰	اقسام حکم
۳۱	فصل اول - احکام تکلیفیہ
	مبحث اول - تکلیف
۳۲	تعریف، ارکان تکلیف، غرض تکلیف، شرائط تکلیف شرائط برائے مکلف، اہلیت وجوب، تعریف، اقسام، ناقص، کامل،
۳۳	اہلیت اداء، تعریف، اقسام، ناقص، کامل

- ۳۵ شرائط برائے مکلف بہ، موانع تکلیف، تعریف، اقسام، اختیاری موانع
- ۳۶ غیر اختیاری موانع، تاثیر موانع کے مواقع
- بحث دوم۔ احکام تکلیفیہ
- ۳۷ تعریف، تقسیمات
- ۳۸ تقسیم اول، فرض، تعریف
- ۳۹ حکم، اقسام فرض، فرض میں
- ۴۰ فرض کفایہ، واجب، تعریف، حکم، امثلہ
- مصدق فرض و واجب، مقدمات فرض و واجب،
- ۴۱ فرضیت و وجوب کے ثبوت کے ذرائع
- ۴۲ سنت، تعریف، حکم، مصداق سنت
- ۴۳ اقسام سنت، سنت ہدیٰ، سنت زائدہ
- مراتب ہر دو اقسام، اقسام سنت مؤکدہ،
- ۴۴ سنت مؤکدہ علی العین، سنت مؤکدہ علی الکفایہ
- ۴۵ ثبوت سنت کے ذرائع، قولی، فعلی، مستحب، تعریف، دیگر عناوین
- ۴۶ ذرائع ثبوت و بیان، حکم، وجوب سنت و مستحب، انکار سنت و مستحب
- ۴۷ حرام، تعریف، حکم، امثلہ، اقسام، حرام لعینہ، حرام لغیرہ
- ۴۸ مواقع حرمت، مکروہ تحریمی، تعریف، حکم، مثال
- مواقع کراہت تحریمی، مصداق کراہت مطلقہ، مقدمات حرام و مکروہ تحریمی،
- ۴۹ حرمت و کراہت تحریمہ کے ثبوت کے ذرائع
- ۵۰ مکروہ تنزیہی، تعریف، حکم، مثال، کراہت تنزیہیہ کے مواقع، مصداق کراہت
- ۵۱ دیگر تعبیر، ذرائع ثبوت، خلاف اولیٰ، تعریف، حکم، مثال
- ۵۲ مصداق عدم اولویت، مباح، تعریف، حکم، مثال، ذرائع ثبوت

- ۵۳ مباح کا استحباب اور وجوب و حرمت، انکار مباح
احکام تکلیفیہ کی تقسیم دوم باعتبار مکلفین
- ۵۴ عزیمت، تعریف
- ۵۵ رخصت، تعریف، اقسام، رخصت حقیقی اولیٰ، تعریف، حکم، مثال
- ۵۶ رخصت حقیقی غیر اولیٰ، تعریف، حکم، مثال، رخصت مجازی اتم، تعریف
- ۵۷ حکم، مثال، رخصت مجازی غیر اتم، تعریف، حکم، مثال
- فصل دوم - احکام وضعیہ
- ۵۸ تعریف حکم وضعی، اقسام
- ۵۸ احکام تکلیفیہ اور احکام وضعیہ کے درمیان فرق (در حاشیہ)
- ۵۹ علت، تعریف، حکم، مثال، اقسام و دیگر تفصیلات
- ۶۰ سبب، تعریف، حکم، مثال، اقسام
- ۶۱ اقسام باعتبار ذات، سبب وقتی، سبب معنوی، اقسام باعتبار اوصاف
- ۶۲ شرط، تعریف، حکم، مثال، اقسام
تقسیم اول باعتبار ذات، شرط حقیقی، شرط جعلی، جعلی شرعی، جعلی غیر شرعی،
- ۶۳ تقسیم دوم باعتبار متعلق
- ۶۴ شرط مکمل سبب، شرط مکمل مسبب، تقسیم سوم باعتبار اوصاف
- ۶۵ علامت، تعریف، حکم، مثال
- ۶۶ مانع، تعریف، حکم، اقسام، مانع از حکم وضعی، تعریف، صورتیں
انعقاد علت سے مانع، تمام علت سے مانع، تحقیق سبب سے مانع،
- ۶۷ تمام سبب سے مانع، مانع از حکم تکلیفی، تعریف، اقسام
- ۶۸ مانع از ابتداء حکم، مانع از تمام حکم، مانع از لزوم و دوام حکم

اصل اول - قرآن مجید

۶۹

مقدمہ

۷۰

تعریف قرآن، قرآن کا مصداق

۷۱

الفاظ قرآن باعتبار نقل، متواتر، مشہور، شاذ و آحاد

۷۲

آیات احکام، اصولیین کا موضوع بحث، الفاظ قرآن کی تقسیمات و اقسام

۷۳

باب اول در تقسیم اول باعتبار معنی موضوع لہ

فصل اول - خاص

۷۴

تعریف، توضیح، خاص جنسی، خاص نوعی

۷۵

خاص فردی، خاص وصفی، خاص عددی، احکام

۷۶

امثلہ برائے توضیح احکام

۷۷

اقسام

بحث اول - امر

۷۸

تعریف، احکام

۷۹

امر کے صیغے، فعل امر کے معانی

۸۰

فعل امر سے استحباب و اباحت کا ثبوت، تقسیمات، امر کی تقسیم اول

۸۱

حسن لعینہ، تعریف، صورتیں، حسن لغیرہ

۸۲

احکام، امر کی تقسیم دوم، مطلق، تعریف

۸۳

حکم، مثال، موقت، تعریف، حکم، اقسام

۸۴

قسم اول، تعریف، حکم، مثال

۸۵

قسم دوم، تعریف، حکم، مثال

۸۶

قسم سوم، تعریف، حکم، مثال، قسم چہارم، تعریف، حکم، مثال

- ۸۷ امر کی تقسیم سوم، مامور بہ معین، تعریف
- ۸۸ حکم، مثال، تشبیہ، مامور بہ مخیر، تعریف، حکم، مثال
- ۸۹ امر کی تقسیم چہارم، محدود، تعریف، حکم، مثال
- ۹۰ غیر محدود، تعریف، حکم، مثال
- ۹۱ اقسام وجوب، نفس وجوب، تعریف، ذریعہ ثبوت، حکم، مثال
- ۹۲ وجوب اداء، تعریف، ذریعہ ثبوت، شرط، قدرت قاصرہ، تعریف، حکم
- ۹۳ مثال مع توضیح، قدرت کاملہ، تعریف، حکم
- ۹۴ مثال مع توضیح
- ۹۵ اداء، تعریف، اقسام، اداء محض، تعریف، اقسام
- ۹۶ اداء کامل، تعریف، حکم، مثال، اداء قاصر، تعریف، حکم، امثلہ
- ۹۷ اداء مشابہ قضاء، تعریف، حکم، مثال مع توضیح
- ۹۸ اداء کی تعریف و تفصیلات معاملات کے حق میں
- ۹۹ تعریف اداء باعتبار معاملات، امثلہ
- ۱۰۰ قضاء، تعریف، توضیح
- اقسام، قضاء محض، تعریف، اقسام، قضاء بمثل معقول، تعریف،
- ۱۰۱ ذریعہ ثبوت، اقسام مثل معقول، اول مثل معقول کامل
- دوم مثل معقول قاصر، احکام قضاء بمثل معقول، قضاء بمثل غیر معقول،
- ۱۰۲ تعریف، ذریعہ ثبوت، حکم، مثال
- قضاء شبیہ اداء، تعریف، حکم، مثال، تفصیلات قضاء باعتبار حقوق العباد
- ۱۰۳ تعریف، امثلہ باعتبار اقسام
- بحث دوم - نہی
- ۱۰۵ تعریف، ذریعہ ثبوت

- ۱۰۶ احکام
فتیح لعینہ، تعریف، اقسام، فتیح لعینہ وضعاً، تعریف، مثال،
- ۱۰۷ فتیح لعینہ شرعاً، تعریف
صورتیں، فتیح بر بناء عدم الہیت، تعریف، مثال،
- ۱۰۸ فتیح بر بناء عدم محلیت، تعریف، مثال، حکم
- ۱۰۹ فتیح لغیرہ، تعریف، اقسام، فتیح لغیرہ باعتبار وصف، تعریف، حکم
- ۱۱۰ مثال، فتیح لغیرہ باعتبار جمع، تعریف، حکم، مثال
حکم مجموعی ہر دو اقسام، مذکورہ اقسام اور شریعت کے ممنوع اعمال،
- ۱۱۱ افعال حسیہ، تعریف
- ۱۱۲ مثال، افعال شرعیہ، تعریف، مثال، احکام
نہی اور فساد، عبادات کے حق میں صحت و فساد،
- ۱۱۳ معاملات کے حق میں صحت و فساد
- ۱۱۴ فساد محض، تعریف، حکم، مثال، بطلان، تعریف، حکم، مثال
مباحت سوم۔ مطلق و مقید
- ۱۱۵ مطلق، تعریف، مثال، مقید، تعریف، قید
- ۱۱۶ احکام، امثلہ، مطلق کا مقید پر حمل
- ۱۱۷ متحد السبب متحد الحکم، متحد السبب مختلف الحکم، مختلف السبب متحد الحکم
- ۱۱۸ مختلف السبب مختلف الحکم، اسباب کے ساتھ اطلاق و تقیید
- ۱۱۸ شرائط حمل (در حاشیہ)
- فصل دوم۔ عام
- ۱۱۹ تعریف، عام و مطلق کے درمیان فرق

- ۱۲۰ الفاظِ عموم
اقسام و احکام، عام محمول بر عموم، تعریف، صورتیں،
- ۱۲۱ عام محمول بر عموم قطعاً، تعریف
- ۱۲۲ مثال، عام مطلق، تعریف، مثال، حکم اقسام عام محمول بر عموم
عام محمول بر خصوص، تعریف، صورتیں، عام مخصوص بر بناء قرینہ،
- ۱۲۳ تعریف، حکم، مثال
- ۱۲۴ عام مخصوص بر بناء دلیل، تعریف، حکم، مثال
تخصیص
- ۱۲۵ تعریف، شرائط، مثال برائے توضیح
- ۱۲۶ تنبیہ، حکم
- ۱۲۷ تخصیص کی حد، مخصصات، مخصصات
- ۱۲۸ قطعی، ظنی، تخصیص و تقیید کے درمیان فرق
فصل سوم - مشترک
- ۱۳۰ تعریف، عام و مشترک کے درمیان فرق
- ۱۳۱ اسباب اشتراک، اقسام
- ۱۳۲ مشترک لفظی، تعریف و مثال، مشترک معنوی، تعریف و مثال
- ۱۳۳ حکم مشترک، ذرائع رجحان، امثلہ
فصل چہارم - موؤل
- ۱۳۴ تعریف، حکم، مثال
- ۱۳۵ تعبیر، تعریف، حکم، مثال
باب دوم تقسیم دوم باعتبار ظہور معنی

- ۱۳۶ ظاہر، تعریف، حکم، مثال
- ۱۳۷ نص، تعریف، حکم، مثال، مفسر، تعریف
- ۱۳۸ حکم، مثال، اقسام
- ۱۳۹ محکم، تعریف، حکم، اقسام، محکم لذاتہ
- ۱۴۰ محکم لغیرہ، چاروں اقسام کا باہمی ربط، مراتب
- باب سوم تقسیم سوم باعتبار خفاء معنی
- ۱۴۱ خفی، تعریف، وجوہ خفاء
- ۱۴۲ حکم، مثال، مشکل، تعریف
- ۱۴۳ وجوہ اشکال، حکم، مثالیں
- ۱۴۴ مجمل، تعریف
- ۱۴۵ وجوہ اجمال
- ۱۴۷ حکم، وضاحت مراد کا ذریعہ، بیان کا وقت، بیان کی صورتیں
- ۱۴۸ مراحل بیان اور باعتبار مراحل بیان مجمل کا حکم، بیان شافی، بیان غیر شافی
- ۱۵۰ متشابہ، تعریف، حکم، اقسام مع امثلہ
- ۱۵۱ متشابہ کی مراد سے متعلق علماء کا اختلاف (در حاشیہ)
- ۱۵۲ موقع، مراتب، باہمی ربط
- باب چہارم تقسیم چہارم لفظ کے استعمال کے اعتبار سے
- ۱۵۳ تمہید، حقیقت، تعریف
- ۱۵۴ حکم، مثال، مجاز، تعریف
- ۱۵۵ شرائط، مثال، حکم، لفظ کا حقیقت و مجاز دونوں کو محتمل ہونا
- ۱۵۶ حقیقت و مجاز دونوں کو جمع کرنا، دونوں کا الغاء، عموم مجاز، تعریف، حکم

- ۱۵۷ مثال، ذرائع علم، قرینہ، تعریف
- ۱۵۸ اقسام، قرینہ لفظیہ، تعریف، مثال، قرینہ معنویہ، تعریف، مثال، صورتیں
- ۱۵۹ محل کلام، غرض کلام، سیاق کلام، تعریفات و امثلہ
- ۱۶۰ نفس کلام، مجاورہ کلام یعنی عرف و عادت، تعریفات و امثلہ
- ۱۶۱ مناسبت، تعریف، مناسبت کی صورتیں
- ۱۶۲ اصطلاحات، اتصال صوری، تعریف، مثال
- ۱۶۳ اتصال معنوی، تعریف و مثال، توضیح امثلہ اتصال صوری
- ۱۶۴ سبب و مسبب
- ۱۶۵ علت و معلول، اقسام حقیقت، تقسیم اول، معذرہ، تعریف، حکم و مثال
- ۱۶۶ مجبورہ، تعریف، حکم و مثال
- ۱۶۷ مستعملہ، تعریف، اقسام، مجاز متعارف، تعریف، حکم و مثال
- ۱۶۸ مجاز غیر متعارف، تعریف، حکم، تقسیم دوم باعتبار ارادہ
- ۱۶۹ حقیقت کاملہ و حقیقت قاصرہ، صریح و کنایہ
- ۱۷۰ صریح، تعریف، حکم، مثال، کنایہ، تعریف، حکم، ذرائع ظہور مراد
- باب پنجم تقسیم پنجم متکلم کی مراد کو سمجھنے کی صورتیں
- ۱۷۳ عبارت النص، تعریف
- ۱۷۴ نص و عبارت النص، مثال
- ۱۷۵ اشارۃ النص، تعریف، حکم ہر دو اقسام، مثال
- ۱۷۶ دلالت النص، تعریف
- ۱۷۷ دلالت النص و قیاس میں فرق، حکم، مثال
- ۱۷۸ اقتضاء النص، تعریف، حکم، صورتیں و امثلہ
- ۱۸۱ مقتضی کا تعدد، مقتضی کی تعیین کے ذرائع

- ۱۸۲ اقسام مذکورہ کا عموم و خصوص سے تعلق
- ۱۸۳ اقسام مذکورہ کے مدلولات کی قطعیت و ظہیف، مراتب
- ۱۸۴ جامع مثال
- ضمیمہ - مفہوم
- ۱۸۵ دلالت، تعریف، اقسام
- ۱۸۶ دلالت منطوق، دلالت منطوق صریح و غیر صریح تعریف، اقسام و امثلہ
- ۱۸۷ دلالت غیر صریح مقصود و غیر مقصود
- ۱۸۸ دلالت مفہوم، تعریف، اقسام
- ۱۸۹ دلالت مفہوم موافق، دلالت مفہوم مخالف، تعریف، اقسام
- ۱۹۰ مفہوم لقب، تعریف، حکم، مثال، مفہوم حصر، تعریف، حکم، مثال
- ۱۹۱ مفہوم وصف، تعریف، مفہوم شرط، تعریف، امثلہ ہر دو اقسام
- ۱۹۲ مفہوم غایت، تعریف، مثال، احکام ایسے اقسام
- ۱۹۳ وجوہ عدم اعتبار مفہوم، مفہوم مخالف کی بابت اتفاقی احکام
- خاتمہ اصل اول - بیان
- ۱۹۵ تعریف، ذرائع بیان، مثال بیان فعلی
- ۱۹۶ اقسام بیان قولی، بیان تقریر، تعریف، تعبیر دیگر، حکم و امثلہ
- ۱۹۷ بیان تفسیر، تعریف، مواقع، حکم و امثلہ
- ۱۹۸ بیان تغیر، تعریف، حکم و امثلہ
- ۱۹۸ شرط و استثناء کی حقیقت (در حاشیہ)
- ۱۹۹ بیان ضرورت، تعریف، حکم و مثال
- ۲۰۰ اقسام بیان ضرورت (در حاشیہ)
- ۲۰۱ بیان تبدیل

نسخ

- ۲۰۲ تعریف، نسخ کی حقیقت، حکمت نسخ
- ۲۰۳ وقت نسخ، محل نسخ، ارکان نسخ، نسخ، منسوخ، شرائط نسخ
- ۲۰۴ حکم نسخ، منسوخ کا بدل
- ۲۰۴ نسخ و تخصیص میں فرق (در حاشیہ)
- ۲۰۵ نسخ کی صورتیں
- ۲۰۶ اقسام منسوخ
- ۲۰۷ نسخ کو جاننے کے ذرائع، آیات منسوخہ
- اصل دوم - سنت
- ۲۰۸ تعریف، سنت کی حیثیت و اہمیت
- ۲۰۹ سنت کی حجیت
- ۲۱۰ بذریعہ سنت توضیح قرآن کی اصولی صورتیں
- ۲۱۱ ثبوت سنت کی صورتیں، مقبولیت سنت کی بعض صورتیں
- ۲۱۲ غیر مقبول ہونے کی چند صورتیں، اجزاء سنت باعتبار نقل، سند
- ۲۱۳ متن، اقسام سنت باعتبار سند، مسند، تعریف، اقسام، متواتر، تعریف
- ۲۱۴ شرائط، حکم و امثلہ
- ۲۱۵ مشہور، تعریف، حکم، مثال، خبر واحد، تعریف
- ۲۱۶ حکم، مثال، خبر واحد پر عمل کے شرائط
- ۲۱۷ مسند کی اقسام مذکورہ اور حضرات صحابہؓ، اقسام مذکورہ اور شریعت کے احکام
- ۲۱۸ مرسل، تعریف، اقسام، مرسل صحابی، تعریف، حکم، مرسل تابعی، تعریف
- ۲۱۹ مرسل تبع تابعی، تعریف، حکم، مرسل غیر، تعریف، حکم، سنت فعلیہ

- ۲۲۰ تعدد روایات احکام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات
- ۲۲۱ گزشتہ شراعیع، تنبیہ
- سنت صحابہ
- ۲۲۲ تعریف، سنت صحابہ کی اہمیت و حجیت
- ۲۲۳ احکام
- ۲۲۴ اقوال و افعال تابعین
- اصل سوم - اجماع
- ۲۲۵ تعریف، حقیقت اجماع، اہمیت
- ۲۲۶ حجیت
- ۲۲۷ ضرورت، وقت، مواقع، رکن
- ۲۲۸ شرط، اہل، سند، تقسیمات، تقسیم اول صورت اتفاق کے اعتبار سے
- ۲۲۹ صریح، سکوتی، تعریف، سکوتی کی صورتیں، سکوتی کے ثبوت و اعتبار کی شروط
- ۲۳۰ تقسیم دوم باعتبار اصل اجماع و حال اجماع، اجماع صحابہ، اجماع علماء
- تقسیم سوم باعتبار نقل اور مراتب و احکام اجماع، اجماع متواتر، تعریف،
- ۲۳۱ مصداق، امثلہ، حکم، اجماع مشہور، تعریف
- ۲۳۲ مصداق، حکم، اجماع آحادی، تعریف، مصداق، امثلہ و حکم
- اصل چہارم اجتہاد عقلی
- ۲۳۳ تعریف، اقسام، تعبیر دیگر
- باب اول قیاس
- ۲۳۵ تعریف، حقیقت، حجیت
- ۲۳۶ ارکان قیاس

- ۲۳۷ مقیاس علیہ، مقیاس، علت جامعہ، حکم جامع، شرائط قیاس
- ۲۳۸ مواقع
- ۲۳۹ حکم، مثال، قیاس و دلالت النص، اقسام، قیاس جلی
- ۲۴۰ قیاس خفی، علت، تعریف، دیگر تعبیرات
- ۲۴۱ شرائط علت، تاثیر، ظہور، انضباط
- ۲۴۱ تاثیر کی صورتیں (در حاشیہ)
- ۲۴۲ مناسبت، عدم مخالفت، علت اور مصلحت و حکمت میں فرق
- ۲۴۲ مناسبت کی اقسام (در حاشیہ)
- ۲۴۳ ماخذ علت، نص، صریح، تعریف، امثلہ
- ۲۴۴ ایما و تنبیہ، تعریف، امثلہ
- ۲۴۵ اجماع، استنباط، تعریف، صورتیں، سب و تقسیم، اظہار مناسبت، اقسام
- ۲۴۶ منصوصہ و مستنبطہ، تعریفات و امثلہ، علت کو کام میں لانے کے مراحل
- ۲۴۷ تخریج مناط، تنقیح مناط، تحقیق مناط

باب دوم - استحسان

- ۲۴۸ تعریف، قیاس و استحسان میں فرق، حجیت
- ۲۴۹ اقسام
- ۲۵۰ استحسان بالاثرو استحسان بالاجماع، تعریف، و مثال، مصداق اجماع
- ۲۵۱ مثال
- ۲۵۱ عرف و عادت، تعریف و تفصیل (در حاشیہ)
- ۲۵۲ استحسان بالعقل، تعریف، دیگر تعبیر، قیاس جلی و خفی، مثال
- ۲۵۳ حکم
- ۲۵۳ قیاس اور استحسان کا تعارض (در حاشیہ)

- ۲۵۴ استحسان بالضرورة، تعریف، تعریف ضرورت، امثلہ
باب سوم - استصلاح
- ۲۵۵ تعریف، حجیت، اہمیت
- ۲۵۶ مصلحت کی تعریف، اقسام مصلحت، ضرورات، حاجات
- ۲۵۷ تحسینات، تتمات، مراتب و باہمی ربط
- ۲۵۸ بنیاد مصلحت، مصلحت مرسلہ، شرائط اعتبار
- ۲۵۹ امثلہ، قواعد استصلاح
- باب چہارم - استصحاب
- ۲۶۱ تعریف، حجیت و اہمیت
- ۲۶۲ اقسام، استصحاب عدم اصلی، استصحاب حکم شرعی، تعریف و مثال
- ۲۶۳ حکم، مثال برائے توضیح
- ۲۶۴ خاتمہ
- باب اول - تعارض دلائل
- ۲۶۵ تعریف، شرائط تعارض، اختلافی امور
- ۲۶۶ اتفاقی امور، تعارض کو دور کرنے کا طریقہ، قرآنی دلائل
- ۲۶۸ سنت کے دلائل، اقوال صحابہ، قیاس
- ۲۶۹ استحسان، استصحاب، امثلہ
- باب دوم - اجتہاد
- ۲۷۱ تعریف، جواز
- ۲۷۲ ضرورت و اہمیت
- ۲۷۳ اجتہاد کی حقیقت و حیثیت

- ۲۷۴ اہل اجتہاد، نبی و غیر نبی کے اجتہاد میں فرق
- ۲۷۵ شرائط اجتہاد
- ۲۷۶ مواقع اجتہاد، حکم اجتہاد
- ۲۷۷ اقسام اجتہاد، تقسیم اول باعتبار طریق عمل، تعریف، صورتیں
اجتہاد بیانی کی حقیقت، اجتہاد عقلی، تعریف، تقسیم دوم باعتبار دائرہ عمل،
اجتہاد مطلق، تعریف، اشخاص
- ۲۷۹ اجتہاد مقید، تعریف، اقسام، اجتہاد در مذہب، اجتہاد در مسائل
- ۲۸۰ اجتہاد در تخریج، اجتہاد در ترجیح، تقلید، تعریف
- ۲۸۱ مراحل تقلید، تقلید بالتحقیق، تقلید محض
- ۲۸۲ اجتہاد اور اصول فقہ
- ۲۸۳ اہل حق مذاہب فقہ کے اہم مراجع کے اصول
- ۲۸۹ حنفی اصول فقہ سے متعلق علمائے ہند کی مؤلفات
- ۲۹۱ مؤلفہ متون اور ان کی شروح، دیگر اہم کتب
- ۲۹۳ مراجع و ماخذ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ مؤلف

الحمد لله و كفى سلام على عباده الذين اصطفى، أما بعد!
 زیر نظر کتاب اسلامی و عربی علوم و فنون کے سلسلہ تسہیل کی ایک کڑی ہے،
 اشاعت کے اعتبار سے اس سلسلہ کی چھٹی اور اس سلسلہ میں احقر کی شرکت و شمولیت
 کی دوسری کڑی ہے۔

بانی جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، سیدی و سندی حضرت مولانا صدیق احمد
 صاحب مدظلہ جو اس فکر کے داعی اور سلسلہ کی اکثر کتب کے مؤلف ہیں، حضرت
 موصوف کو علم بلاغت اور علم اصول فقہ میں خاص طور سے اس کام کی فکر تھی اور احباب
 سے اس کا ذکر و تقاضا فرماتے رہتے تھے، احقر نے اس تقاضے سے تاثیر کے تحت، پہلے
 مرحلہ میں بلاغت پر کام کیا جو الحمد للہ ”تسہیل البلاغۃ“ کے نام سے مطبوعہ صورت میں
 دستیاب ہے۔

دوسرے مرحلے میں اس کام کو انجام دینے کی سعادت حاصل کی، جس کے
 آغاز پر چند سال کا عرصہ مکمل ہونے اور اس عرصہ میں کام کے مختلف مراحل سے
 گزرنے کے بعد اب الحمد للہ اس کی طباعت اور اشاعت کی نوبت آرہی ہے، اور اس
 امید کے ساتھ کہ احقر نے اس کے ساتھ ساتھ ”اصول حدیث“ پر جو اسی انداز کا مجموعہ
 ترتیب دیا ہے، انشاء اللہ جلد اس کی اشاعت کا نمبر آجائے گا، اور پھر کیا بعید ہے کہ
 آخری کڑی ”اصول تفسیر“ پر بھی کچھ کاوش و کوشش کی توفیق ہو جائے اور یوں یہ سلسلہ
 ”وختامہ مسک“ کا مصداق قرار پائے، وما توفیقی إلا باللہ.

کتاب کی موجودہ صورت میں جو اشاعت پذیر ہو رہی ہے، یہ اس کی تیسری تہیض کا نتیجہ ہے، اولاً معلومات و مواد جمع کرنے کے بعد تہیض کی اور استاذی مولانا محمد زکریا صاحب استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے تحسین کے ساتھ کچھ مشورے دیئے، پھر دوسری مرتبہ تہیض میں لگا، اور تکمیل کے بعد مزید توفیق و اعتماد کے لیے مکرمی مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری استاذ دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں مجموعہ کو پیش کیا، انہوں نے بھی سرسری نظر سے ملاحظہ فرما کر تحسین کی، اس عرصہ میں ایک کاپی مکرمی و معظمی حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی (کراچی) کی خدمت میں پہنچی اور انہوں نے بڑی ہمت افزائی فرمائی، البتہ اس وقت تک کے کام میں یہ خامی تھی کہ مسائل کے ساتھ حوالہ جات کا اندراج نہیں تھا، کچھ خود داعیہ ہوا، کچھ بعض اکابر کی تاکید ہوئی اور اس کام کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اور اس کے لیے از سر نو تمام مراجع کو جمع کر کے سارے مباحث کو کھنگالنا پڑا اور بالآخر بتوفیق خداوندی حوالہ جات کے ساتھ تیسری تہیض تکمیل کو پہنچی۔

اس مجموعہ میں ابتدائی مراحل سے لے کر انتہائی مراحل تک تدریس و تصنیف سب لائنوں میں عموماً جو اصول سامنے آتے رہے ہیں، ان سب کو جمع کرنے کی سعی کی گئی ہے، تاکہ کتاب بہتر سے بہتر تعارف کا ذریعہ بن سکے اور اس کے مباحث صرف اصول کے بیان یعنی ان کی تعریفات، احکام، امثلہ اور اقسام و بعض ضروری توضیحات و تفصیلات پر مشتمل ہیں، نہ اختلافات کا ذکر ہے اور نہ دلائل کا، احناف کے مختلف فیہ اقوال میں سے بھی حسب رجحان یا حسب اختیار فقہاء کسی ایک کو لے لیا گیا ہے۔

اس مجموعہ کی تالیف میں ایک خاص انداز اپنایا گیا ہے، جو ایسے علوم و فنون کے حق میں زائد سے زائد سہولت پر مشتمل اور سود مند سمجھا گیا ہے، جیسے عبارت میں البجھاؤ سے بچنے کی سعی کی گئی ہے، ترتیب عبارات میں بھی اس کا خاص لحاظ رکھا گیا

ہے، جو کچھ لکھا گیا ہے اپنی طرف سے لکھنے کا کیا سوال؟ تاہم ایسے بھی مواقع آتے ہیں کہ عربی تعبیر کو اردو کا جامہ پہنانے یا تعریفات کے حق میں اختلاف کی وجہ سے جامعیت کو اختیار کرنے کے لیے بڑے غور و خوض کی ضرورت پڑی، اور پھر اپنی فکر کے مطابق کسی لفظ یا تعبیر کو اپنالیا گیا ہے، جیسے کہ بہت سے مباحث کی ترتیب یا اقسام کی تفصیل میں ندرت موجود ہے، جس کی حواشی میں وضاحت کر دی گئی ہے، سارے مباحث کو ایک نظر میں قاری کے سامنے پیش کرنے کی غرض سے فہرست کی نہایت جامع ترتیب دی گئی ہے، ماخذ کی فہرست اخیر میں موجود ہے، جو قدیم و جدید دونوں ہیں، اور الحمد للہ دونوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا گیا ہے، بالخصوص ڈاکٹر دوالیسی کی ”المدخل“ اور محمد ادیب صالح کی ”تفسیر النصوص“ اور جامعہ دمشق کے مذکرہ اصول فقہ سے جو عم محترم مولانا سید اجتباء صاحب ندوی (جنہوں نے جامعہ میں چند سال تعلیم حاصل کی ہے اور آج کل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں استاذ ہیں) کے ذخیرہ کتب میں موجود ہے، اس لیے کہ یہ کتب سابقہ کتب کا تفصیلی جائزہ اور ان کے مباحث کا خلاصہ و نچوڑ ہیں۔

احقر کی یہ کاوش طلبہ و اہل علم کے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے، اس کا اصل فیصلہ تو جب ہوگا جب کتاب شائع ہو کر انشاء اللہ عام ہوگی، تاہم اس عرصہ میں غیر مطبوعہ مجموعہ کو دیکھ کر بھی جو ہمت افزائیاں ہوتی رہی ہیں، وہ احقر کے لیے کم باعث مسرت نہیں ہیں، اگر کتاب واقعتاً مفید ثابت ہو کر مستحق تحسین قرار پائے تو اس سے بڑھ کر احقر کی کیا سعادت ہوگی۔

غلطیوں کا ضرور امکان ہے، بلکہ ان کا صدور اغلب ہے، گزارش ہے کہ ان سے مطلع کیا جائے تاکہ ان کی اصلاح کی جاسکے۔

فقط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله كفى و سلام على عباده الذين اصطفى.

أما بعد!

مقدمہ

باب اول :	مبادیات فن۔
باب دوم ::	احکام۔

باب اول

مبادیات فن

- ۱- اصول فقہ کی تعریف۔
- ۲- موضوع۔
- ۳- تشریح موضوع۔
- ۴- وجہ انحصار۔
- ۵- غرض و فائدہ۔
- ۶- ضرورت۔
- ۷- تاریخ۔
- ۸- حنفی اصول فقہ کی قدیم و اہم کتب۔

اصول فقہ

۱- اصول فقہ کی تعریف:

وہ قواعد جنہیں احکام شرعیہ کو ان کے تفصیلی دلائل سے استنباط کے لیے وسیلہ بنایا گیا ہو (۱)، اور انہیں قواعد کے جاننے کو ”علم اصول فقہ“ کہتے ہیں۔

۲- موضوع:

ادلہ اربعہ یعنی چہار اصول، اس حیثیت سے کہ وہ احکام پر دلالت کریں اور ان سے احکام کا استنباط کیا جائے۔ (۲)

۳- تشریح موضوع:

ادلہ اربعہ سے قرآن مجید، سنت اور اجماع و قیاس مراد ہیں، جن میں سے کسی ایک سے شرعی دلائل کا تعلق اور شرعی احکام کا ماخوذ ہونا ضروری ہے، ورنہ ان کا اعتبار نہیں ہوتا۔

۴- انحصار دلائل در اصول اربعہ:

شرعی دلائل کا انہیں چاروں میں انحصار اور ان کی باہمی ترتیب کہ اگر قرآن مجید کی دلیل نہ ملے تو سنت کو دیکھا جائے، اس میں نہ مل سکے تو اجماع و قیاس کا سہارا لیا جائے، یہ نقل و عقل اور عمل تینوں سے ثابت ہے:

(الف) نقل قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے، ارشاد باری ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی

الأمر منكم فإن تنازعتم في شئ فردوه إلى الله

والرسول“ (۱)

(اے ایمان والو! اللہ کا کہنا مانو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کہنا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی، پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف حوالہ کیا کرو)۔

یعنی آپ کی سنت کی طرف اس لیے کہ آپ کی وفات کے بعد ہی ممکن ہے۔ (۲) اس آیت میں چار چیزیں مذکور ہیں، ہر ایک کا مصداق ترتیب وار چاروں دلیلیں ہیں۔ (۳)

حدیث اس سلسلہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی بہت مشہور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، ان سے دریافت فرمایا کہ قضاء کے کام کو کیسے کرو گے اور کن اصول کی بنیاد پر مقدمات کے فیصلے کرو گے، انھوں نے نے عرض کیا: ”قرآن مجید سے حل کروں گا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر اس میں نہ ملے؟“ انھوں نے عرض کیا: ”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تلاش کروں گا۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر اس میں بھی نہ ملے؟“ عرض کیا: ”اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جواب کو پسند فرمایا کہ اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ (۴)

اجماع کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”جب قرآن و حدیث میں تمہیں کوئی حکم نہ مل سکے تو کسی ایک شخص کی رائے پر فیصلہ نہ کیا کرو، بلکہ اہل علم مسلمانوں کو جمع

کر کے مشورہ سے کوئی بات طے کر لیا کرو۔“ (۱)

(ب) عملاً یہ انحصار یوں ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات میں جب قرآن مجید میں کوئی حکم نہ پاتے تو کبھی خود ہی فیصلہ فرمادیتے اور کبھی صحابہ سے مشورہ کرتے، اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء کا یہی معمول رہا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو سب سے پہلے قرآن مجید میں اس کا حل تلاش کرتے، نہ ملتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے حل کرتے، ورنہ سب کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور کبھی خود اپنی یہی رائے کو اختیار کرتے اور دلیل سے اس کو ثابت کرتے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہی معمول رہا، بعد کے خلفاء یعنی حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم گزشتہ خلفاء کی آراء و فیصلوں کو بھی اختیار کرتے تھے اور یہی معمول حضرت ابن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی منقول ہے (۲) اور مسائل کے استنباط و تحقیق کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ وغیرہ سے بھی یہی ترتیب منقول ہے۔ (۳)

(ج) عقلاً یہ انحصار اس وجہ سے ہے کہ اصل یہ ہے کہ حکم شرعی کی دلیل وحی سے ثابت ہو لیکن کبھی وحی سے ثابت نہیں ہوتی، پھر وحی ہونے میں دو صورتیں ہوتی ہیں:

اول یہ کہ اس وحی کے الفاظ بھی اللہ کی جانب سے ہوں اور ان الفاظ کی تلاوت کی جاتی ہو، یعنی بطور عبادت ان کو پڑھا جاتا ہو، اس کا مصداق قرآن مجید ہے۔
دوم یہ کہ اس کے الفاظ اللہ کی جانب سے نہ ہوں کہ بطور عبادت ان کو پڑھا جائے، اس کا مصداق سنت ہے۔

اور غیر وحی کہ جس سے مراد عقل و رائے ہے، اس کی بھی دو صورتیں ہیں:
اول یہ کہ وہ رائے اجتماعی ہو، سب کے اتفاق سے طے ہوتی ہو، اس کا مصداق اجماع ہے۔

(۱) المدخل ص/ ۳۳۳ و مجمع الزوائد، باب الایمان۔ (۲) المدخل ص/ ۸۶-۸۸، تاریخ التشریح الاسلامی

ص/ ۱۱۴۔ (۳) ایضاً ص/ ۲۳۲۔

دوم یہ کہ انفرادی یعنی کسی ایک فرد یا چند افراد کی ہو، اس کا مصداق

قیاس ہے۔ (۱)

۵- غرض و فائدہ:

شریعت کے احکام کو ان کے اجمالی دلائل کے ذریعہ جاننا اور احکام کے اجمالی دلائل سے واقف ہونا اور یہ چیز احکام شرع پر عمل کا ذریعہ بننے کی وجہ سے اخروی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔ (۲)

۶- ضرورت:

ہم مسلمانوں کو شریعت کے احکام کا پابند بنایا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد احکام کا علم انھیں قواعد کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اسی لیے جتنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ دور ہوتا گیا اور نئے نئے حالات و معاملات سامنے آتے گئے، ان قواعد کی طرف توجہ اور ان کی ضرورت بڑھتی گئی، حتیٰ کہ ان کی تدوین کی نوبت آئی (۳)، اور اسی لیے ان قواعد سے مدد لینے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جبکہ قرآن مجید اور سنت رسول و صحابہ سے صراحت کے ساتھ کوئی حکم معلوم نہ ہو سکے۔ (۴)

۷- تاریخ:

چونکہ دوسرے اسلامی علوم کی طرح اس علم کے اصول و قواعد کا بھی اصل سرچشمہ کتاب و سنت ہیں، اس لیے اس کے اصول و قواعد عہد نبوی سے ہی معروف ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ دن بہ دن ان میں وسعت ہوتی رہی اور قرآن و حدیث کی نصوص سے حضرات صحابہ اور بعد کے علماء مجتہدین ان کو نکھار نکھار کر پیش کرتے رہے، حتیٰ کہ آج وہ سیکڑوں کتابوں اور ہزاروں صفحات و اوراق میں محفوظ ہیں، ایک زمانہ

(۱) نورالانوار، ج ۱/ ۷۔ (۲) فوائج، ج ۱/ ۱۷۔ (۳) ابن قدامہ و آثارہ الاصول، ص ۱۷-۱۸۔

(۴) التوضیح و التلوخ، ص ۶۰۳۔

تک تو یہ قواعد صرف ذہنوں میں رہے، یازبانوں پر آتے تھے، تحریر میں لانے کی نوبت حضرات ائمہ اربعہ کی کاوشوں کے نتیجے میں آئی، ویسے سب سے پہلے ان کو لکھنے کا شرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے، جنھوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو اس سلسلہ کی چند اہم چیزیں لکھ کر بھیجی تھیں، ان کا یہ والا نامہ بہت مشہور ہے اور بعد کے فقہاء و مجتہدین نے اس کو بنیادی دستور قرار دیا ہے (۱) اور پھر مزید اصول و قواعد کا استنباط کیا ہے، کتابی صورت میں اولین مرتبین امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما صاحبان ہیں، لیکن ان کی تصنیف نایاب ہے، فن کی سب سے قدیم و معتمد اور مفید ترین کتاب جو دستیاب ہے وہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی کتاب ”الرسالہ“ ہے۔ (۲)

۸۔ حنفی اصول فقہ کی قدیم و اہم کتب:

کتب عیسیٰ بن امان (م-۲۲۰ھ)، کتب علی بن موسیٰ القمی (م-۳۰۵ھ)،
 اصول الشاشی (م-۳۳۵ھ)، کتاب ابو منصور ماتریدی (م-۳۳۳ھ)، اصول الکرخی
 (م-۳۳۰ھ)، اصول البصاص (م-۳۷۰ھ) کتب ابو زید دبوئی (م-۴۳۰ھ)،
 کتب البز دوی (م-۴۸۲ھ)، اصول السرخسی (م-۴۹۰ھ)، اصول الصدر الشہید
 (م-۵۳۶ھ)، اصول السمرقندی (م-۵۴۰ھ)، التوضیح لصدر الشریعہ (م-۷۴۷ھ)،
 التحریر لابن الہمام (م-۸۶۱ھ) (۳)، المنار للکنفی (م-۷۱۰ھ)، منتخب حسام الدین
 (م-۶۴۳ھ) مسلم الثبوت لمحب اللہ البہاری (م-۱۱۹۹ھ)، ان کتابوں میں سے
 اکثر کی کئی کئی شروح ہیں، جو خود بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

باب دوم احکام

مقدمه-

- فصل اول: در بیان احکام تکلیفیه -
فصل دوم: در بیان احکام وضعیه -

مقدمه

- ۱- تعریف حکم -
- ۲- ارکان حکم -
- ۳- اقسام حکم -

۱- تعریف حکم:

اللہ تعالیٰ کا خطاب جو مکلفین کے افعال سے متعلق ہو اور اس کے ذریعہ یا تو ان سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے، خواہ مطالبہ لازمی ہو یا غیر لازمی، یا کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا جائے، یا کسی چیز کی بابت کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کے حق میں کسی اعتبار سے ذریعہ یا باعث ہونے کو بیان کیا جائے۔ (☆) (۱)۔

۲- ارکان حکم:

حکم کے چار ارکان ہوتے ہیں:

۱- حاکم۔ ۲- محکوم علیہ۔ ۳- محکوم فیہ۔ ۴- محکوم بہ۔

(الف) حاکم:

حکم کرنے والا، جو احکام شرعیہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

(ب) محکوم علیہ:

وہ ذات جس کو حکم دیا جائے، جس کا مصداق مکلف انسان و جنات ہیں۔

(ج) محکوم فیہ:

وہ شے جس کی بابت حکم دیا جائے، یعنی مکلف کا فعل خواہ کرنا ہو یا نہ کرنا۔

(د) محکوم بہ:

وہ وصف جس کا حکم لگایا جائے، یعنی وجوب، حرمت، استحباب و کراہت

(☆) حکم کی یہ تعریف اصولیین کے نزدیک ہے، فقہاء حکم کی تعریف بایں الفاظ کرتے ہیں: "الاعمال کے اوصاف جو دلائل سے ثابت ہوتے ہیں، جیسے وجوب و حرمت وغیرہ۔" (التوضیح ص/۴۰، نور الانوار ص/۲۶۶)۔

اصولیین کی تعریف کے مطابق حکم کا مصداق احکام کے دلائل ہیں، اگرچہ بعد کی بحثوں میں اصولیین بھی لفظ حکم کو فقہاء کی اصطلاح کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، حسامی و نور الانوار وغیرہ کے مباحث احکام)۔

(۱) التوضیح ص/۳۶۔

وغیرہ (۱)، جس کو عام طور سے ”حکم“ کہتے ہیں۔

۳- اقسام حکم:

جیسا کہ حکم کی تعریف سے ظاہر ہے، حکم کی اصولاً دو اقسام ہیں۔

اول جس کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ یا اختیار ہو۔

دوم جو کسی حکم کے ثبوت یا عدم ثبوت کا باعث ہو۔

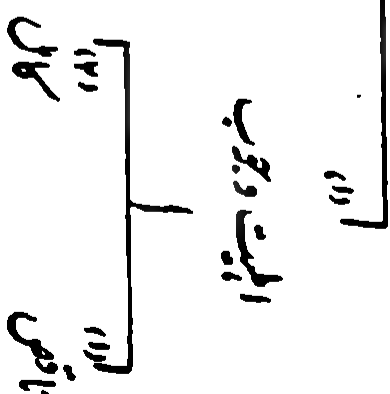
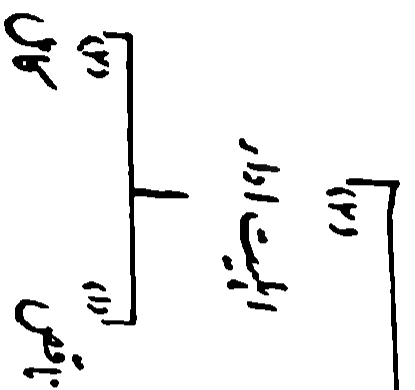
اول کو ”حکم تکلفی“ اور دوم کو ”حکم وضعی“ کہتے ہیں۔ (۲)

(۱) حکم کے مذکورہ چاروں ارکان اور ان کے مذکورہ عناصر میں احقر کو یکجا نہیں مل سکے، بلکہ ذیل کے حوالہ جات میں متفرق طور پر مذکور ہیں، احقر نے ان کو یکجا کر دیا ہے۔ فوائج ج ۱، ص ۲۳-۲۴، نوالانوار ص ۲۶۶، ارشاد ص ۱۱، مذکورہ اصول الفقہ لجامعہ دمشق۔ (۲) التوضیح ص ۳۶، نور ص ۲۶۶، حسامی ص ۱۲۱، اصول الخلاف ص ۹۶۔

نقشہ ۱

تکلیف

فہرست ص ۲۳



موانع تکلیف

موانع غیر اختیاریہ	موانع اختیاریہ
۱۱۱	۱۱۱
۱۱۲	۱۱۲
۱۱۳	۱۱۳
۱۱۴	۱۱۴
۱۱۵	۱۱۵
۱۱۶	۱۱۶
۱۱۷	۱۱۷
۱۱۸	۱۱۸
۱۱۹	۱۱۹
۱۲۰	۱۲۰
۱۲۱	۱۲۱
۱۲۲	۱۲۲
۱۲۳	۱۲۳
۱۲۴	۱۲۴
۱۲۵	۱۲۵
۱۲۶	۱۲۶
۱۲۷	۱۲۷
۱۲۸	۱۲۸
۱۲۹	۱۲۹
۱۳۰	۱۳۰

فصل اول

احکام تکلیفیہ

مبحث اول
تکلیف و متعلقات تکلیف۔

مبحث دوم
احکام تکلیفیہ کی تعریف و تقسیمات۔

مبحث اول

تکلیف

۱- تعریف:

ایسے کام کا مطالبہ کرنا جس کے انجام دینے میں کچھ مشقت ہو۔ (۱)

۲- ارکان تکلیف:

تین ہیں: ۱- مکلف ۲- مکلف ۳- مکلف بہ۔

(الف) مکلف: یعنی حاکم، ذات باری تعالیٰ۔

(ب) مکلف: یعنی محکوم علیہ۔

(ج) مکلف بہ: یعنی محکوم فیہ۔

۳- غرض تکلیف:

دنیا و آخرت میں انسان کے احوال کا سدھارنا اور آخرت کے حق میں عذر کو

ختم کر کے اتمام حجت کرنا۔ (۲)

۴- شرائط تکلیف:

دو قسم کی ہیں:

(الف) مکلف کے حق میں۔ (ب) مکلف بہ کے حق میں۔ (۳)

(۱) مذکرہ اصول الفقہ لجامہ دمشق۔ (۲) ایضاً۔ (۳) المدخل ص/۴۱۵، ۴۱۷۔

(الف) شرائط برائے مکلف:

کا حاصل واصل یہ ہے کہ مکلف تکلیف کا اہل ہو۔ (۱)
اور اہلیت کی دو قسم ہیں: ۱- اہلیت وجوب ۲- اہلیت اداء۔ (۲)

۱- اہلیت وجوب:

(الف) تعریف:

انسان کے اندر حقوق کے وجوب کی صلاحیت کا پایا جانا۔

(ب) اقسام: دو ہیں: ناقص اور کامل۔

۱- ناقص:

خود اپنے حق میں وجوب کی صلاحیت رکھنا یعنی اس کا اہل ہو، تاکہ دوسروں پر حق ثابت ہو، مگر خود اس پر کسی کا حق ثابت نہ ہو، جیسے جنین یعنی بچہ جو رحم مادر میں ہو کہ دوسروں پر اس کے حقوق واجب ہوتے ہیں، وہ میراث و وصیت کا حقدار بنتا ہے، مگر خود اس پر کسی کا حق نہیں ثابت ہوتا۔

۲- کامل:

اپنے اوپر دوسروں کے حقوق اور دوسروں پر اپنے حقوق کے وجوب کی صلاحیت رکھنا، پیدائش کے بعد سے لے کر موت تک انسان کے اندر یہ صلاحیت پائی جاتی ہے، اس لیے وارث بھی ہوتا ہے اور مورث بھی بنتا ہے۔ (۳)

۲- اہلیت اداء:

(الف) تعریف:

انسان کے اندر اس صلاحیت کا پایا جانا کہ اس سے صادر ہونے والے

افعال واقوال کا شریعت اعتبار کر لے اور ان پر احکام مرتب ہوں۔ (۱)

(ب) اقسام:

اس کی بھی دو اقسام ہیں: ناقص اور کامل۔

۱- ناقص:

صرف بعض افعال واقوال کے اعتبار کی صلاحیت رکھنا، یا یوں کہیے: صادر ہونے والے افعال واقوال کے اعتبار و افادہ کا دوسرے اہل عقل کی رائے پر موقوف ہونا، جیسے سمجھ دار بچہ کے مالی معاملات کہ ان کا اعتبار ہوتا ہے، ایسے ہی یہ کہ اس کے بعض معاملات ولی کی رائے و اجازت پر موقوف ہوتے ہیں۔

۲- کامل:

تمام اقوال و افعال کے صدور کی صلاحیت رکھنا، بغیر اس کے کہ ان کا اعتبار و افادہ کسی دوسرے کی رائے و اجازت پر موقوف ہو، جیسے بالغ و صحیح العقل انسان کے اقوال افعال۔ (۲) (☆)

تنبیہ:

اصلاً تکلیف کا فائدہ اسی وقت ظاہر ہوتا ہے جبکہ انسان تکلیف کی ہر دو اقسام یعنی اہلیت و جوب اور اہلیت اداء دونوں کے اعلیٰ درجہ کے ساتھ متصف ہو، اسی لیے عموماً مکلف کے حق میں وہی شرائط ذکر کیے جاتے ہیں، جن کا اس حال میں اعتبار ہوتا ہے، ان میں اصل و مدار عقل ہے۔ (۳)

(۱) قرآن اقرار ص/ ۲۸۴۔ (۲) حسامی ص/ ۱۴۰، نور ص/ ۲۸۴، فوائج ح/ ۱، ص/ ۱۵۶۔ (۳) فوائج ح/ ۱، ص/ ۱۵۴، توجیح ص/ ۶۴۲۔ (☆) اہلیت اداء کا مدار عقل و بدن پر ہے، دونوں سے محروم و جوب کا اہل تو ہو سکتا ہے، مگر اداء کا نہیں اور جو دونوں سے متصف ہو، اس سے اہلیت اداء کا تعلق ہوتا ہے، البتہ اگر دونوں یعنی عقل و بدن کامل ہوں تو اس پر فرائض کی ادائیگی واجب ہوتی ہے، اور اگر دونوں یا کسی ایک میں ایسا نقص و خلل ہو کہ شریعت اسے عذر قرار دیتی ہو تو اس کے ذمہ کسی فریضہ کی ادائیگی کا وجوب نہیں ہوتا، ہاں کر لینے پر وہ فریضہ اس کی جانب سے صحت اور ثواب کا موجب شمار ہوتا ہے، یعنی وہ صحت اداء کامل ہوتا ہے، جیسے بچوں کی نماز روزہ۔ (حسامی ص/ ۴۰، نور/ ۲۸۴)۔

مزید جو چیزیں ذکر کی جاتی ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:
 بالغ ہونا۔ دلیل تکلیف سے واقف ہونا (خواہ فی الحال واقفیت ہو، یا بعد
 میں اور خواہ بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ، اسی طرح خواہ عربی زبان کے واسطے سے ہو یا کسی
 دوسری زبان کے ذریعہ)۔ مسلمان ہونا (فروعات یعنی اعمال کے حق میں، عقائد کے
 حق میں نہیں)۔ آزاد ہونا۔ مرد ہونا (بعض احکام کے حق میں)۔ (۱)

(ب) شرائط برائے مکلف بہ:

کا حاصل ہے مکلف بہ کا لائق تکلیف ہونا، جس کے لیے چند امور ضروری
 ہیں: ۱- مکلف بہ کا معلوم ہونا۔ ۲- محال نہ ہونا۔ ۳- بے انتہاد شوار نہ ہونا۔ (۲) (☆)
 ۵- موانع تکلیف (جنہیں عموماً عوارض سے تعبیر کیا کرتے ہیں):

(الف) تعریف:

وہ اوصاف جو کسی اعتبار سے اہلیت تکلیف پر اثر انداز ہوں۔ (۳) (اور عام
 اشخاص و احوال کے لیے شریعت نے جو احکام رکھے ہیں، ان میں تغیر کا باعث ہوں)۔
 (ب) اقسام:

عوارض کی دو اقسام ہیں: ۱- اختیاری، ۲- غیر اختیاری۔

۱- اختیاری موانع (عوارض مکتبہ):

وہ موانع جن کے پائے جانے میں خود انسان کا دخل ہو (۴)، اور وہ حسب

ذیل ہیں:

(۱) مذکرہ۔ (۲) فوائج ج/۱/ص/۱۲۳، ۱۳۳، ۱۶۱، ۱۶۸، ۱۶۹۔ (۳) قمر، ص/۲۸۲، نظامی، ص/۱۳۲۔
 (۴) قمر، ص/۲۸۶، نظامی، ص/۱۳۲۔ (☆) محال نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امکان سے باہر نہ ہو اور دشار نہ
 ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امکان میں ہونے کے باوجود برداشت سے باہر ہو، یا یہ کہ اس کے کرنے میں عام اعمال
 کی انجام دہی سے زیادہ مشقت ہو، اس درجہ کہ اس کی ضروریات متاثر ہوں، اول جیسے حالت حیض و نفاس کی
 قضاء، دوم جیسے حالت سفر میں پوری نماز و روزہ۔ (مذکرہ، فوائج ج/۱/ص/۶۹-۱۶۸)۔

- ۱- نشہ۔ ۲- سفہ (لا ابلا پن کہ عقل کے باوجود یہ خیال نہ کرنا کہ کیا کر اور کیا کہہ رہا ہے اور کیا اور کہاں خرچ کر رہا ہے۔ ۳- جہل۔ ۴- ہزل (مذاق کہ کسی کلام سے نہ تو حقیقی معنی مراد ہوں نہ مجازی، بطور ہنسی و دل لگی کے اس کو اختیار کیا جائے)۔
- ۵- خطا و غلطی (خلاف ارادہ کسی کام کا ہو جانا کہ آدمی چاہے کچھ اور ہو جائے کچھ)۔
- ۶- اکراہ (زبردستی کرنا)۔ ۷- سفر۔

۲- غیر اختیاری موانع (عوارض سماویہ):

وہ موانع جن کے پائے جانے میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہوتا (۱)، اور وہ حسب ذیل ہیں:

- ۱- جنون (عقل کا نہ ہونا)۔ ۲- خبط الحواسی (کہ کچھ اچھا کرے اور کچھ برا)۔
- ۳- بے ہوشی۔ ۴- صغر سنی۔ ۵- مرض الموت (وہ مرض جس میں آدمی مر جائے یا حالت صحت میں کرنے والے کاموں سے عاجز ہو جائے)۔ ۶- موت۔ ۷- غلامی۔
- ۸- نسیان۔ ۹- حیض۔ ۱۰- نفاس۔ (۲)
- ۶- تاثیر موانع کے مواقع:

(الف) ان مواقع کا اعتبار ہر حال میں نہیں ہوتا بلکہ اس سلسلہ میں تفصیلات ہیں، جو بڑی کتابوں میں مذکور ہیں۔

(ب) ان کا اثر تکلیف کے حق میں مختلف انداز پر ہوتا ہے:

- ۱- بعض اہلیت و وجوب و اداء دونوں کو ختم کر دیتے ہیں، جیسے موت۔
- ۲- بعض اہلیت اداء پر اثر انداز ہوتے ہیں جیسے جنون، عتہ، بے ہوشی۔
- ۳- بعض دونوں کے باقی رہتے ہوئے احکام میں تغیر کا باعث ہوتے ہیں،

جیسے سفر۔ (۳)

(۱) قر، ص/۲۸۶، نظامی ص/۱۴۲۔ (۲) فواع ص/۱۶۰-۱۷۷، کشف الاسرار، ج/۴، ص/۲۶۲-۳۲۹، التوضیح، ص/۶۵۳-۶۹۰۔ (۳) نظامی ص/۱۴۲۔

حکم

(۱۲) حکم وضعی

(۱۱) حکم تکلیفی

تقسیم دوم

با اعتبار احوال اضرار

تقسیم اول

با اعتبار دلالت برت و قیود تعریف

باعتبار احوال از بعض

جائز

- (۹۱) ملامت
- (۹۲) ملامت
- (۹۳) ملامت
- (۹۴) ملامت
- (۹۵) ملامت
- (۹۶) ملامت
- (۹۷) ملامت
- (۹۸) ملامت
- (۹۹) ملامت
- (۱۰۰) ملامت

زنی کفایه

عزیزیت

رضعت

(۱۰۲) رضعت بجاری

(۱۰۱) رضعت حقیقی

(۱۰۳) اقسام با اعتبار ظاهر

(۱۰۴) اقسام با اعتبار باطنی و عمد

(۱۰۵) اقسام با اعتبار تکرید

- (۱۰۶) رضعت مجازی
- (۱۰۷) رضعت مجازی آم
- (۱۰۸) رضعت حقیقی بر اولی
- (۱۰۹) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۰) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۱) رضعت حقیقی
- (۱۱۲) رضعت حقیقی بر اولی
- (۱۱۳) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۴) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۵) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۶) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۷) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۸) رضعت حقیقی اولی
- (۱۱۹) رضعت حقیقی اولی
- (۱۲۰) رضعت حقیقی اولی

مبحث دوم

احکام تکلیفیہ

۱- تعریف - ۲- تقسیمات -

۱- تعریف:

وہ احکام جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے یا اختیار دیا جائے، مطالبہ خواہ لازمی ہو یا غیر لازمی۔ (۱)

۲- تقسیمات:

احکام تکلیفیہ میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) احکام تکلیفیہ کی تعریف میں ذکر کردہ قیود اور ثبوت احکام کے

دلائل کے اعتبار سے۔

(ب) مکلفین کے احوال کے اعتبار سے۔ (۲)

(۱) التوضیح ص/ ۳۶۔ (۲) احقر نے دو ہی تقسیمات ذکر کی ہیں، فقہاء تیسری تقسیم ان احکام پر مرتب ہونے والے منافع کے پیش نظر جاری کرتے ہیں، اس اعتبار سے احکام کی چار اقسام ہیں: اول خالص حقوق اللہ۔ دوم خالص حقوق العباد۔ سوم دونوں کے جامع حق اللہ کے غلبہ کے ساتھ۔ چہارم دونوں کے جامع حق عبد کے ساتھ۔ اول جیسے نماز روزہ وغیرہ عبادات اور وہ امور جن کا نفع عام ہو، کسی ایک فرد سے متعلق نہ ہو۔ دوم جیسے وہ مالی معاملات جن کا نفع افراد کے ساتھ خاص نہ ہو۔ سوم جیسے حد قذف (کسی کو زنا کا جھوٹا الزام لگانے کی سزا)۔ چہارم جیسے قصاص، ان دونوں میں دونوں حقوق جمع ہیں، مگر اول میں اللہ کا حق غالب ہے، اور دوم میں بندے کا حق۔ اللہ کے خالص یا غالب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندوں کی معافی سے ان معاملات کی سزا معاف نہیں ہوتی اور حق عبد کے خالص و غالب ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندوں کے معاف کر دینے سے معافی ہو جاتی ہے، مزید تفصیلات بڑی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیے۔ (نور، ص/ ۲۶۶، حسامی مع نظامی ص/ ۱۲۱-۱۲۲)۔

(الف) تقسیم اول

احکام تکلیفیہ میں ذکر کردہ قیود اور ثبوت احکام کے دلائل کے اعتبار سے احکام کی ۹ اقسام ہیں:

- ۱- فرض۔ ۲- واجب۔ ۳- سنت۔ ۴- مستحب۔ ۵- حرام۔
- ۶- مکروہ تحریمی۔ ۷- مکروہ تنزیہی۔ ۸- خلاف اولیٰ۔ ۹- مباح۔

۱- فرض (☆)

۱- تعریف:

جس کے ذکر کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی (۱) سے ثابت ہو۔ (۲)

(۱) کتاب و سنت سے ثابت ہر دلیل میں دو پہلو ہوتے ہیں: اول ان کا ثبوت، دوم ان کا مفہوم، جس کو دلالت سے تعبیر کرتے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو اقسام ہیں: قطعی اور ظنی۔ قطعی جس کی صحت میں کوئی شبہ نہ ہو، ظنی جس کی صحت میں شبہ ہو، ثبوت قطعی جو شبہ سے خالی ہو، ظنی ثبوت جس میں شبہ ہو، قطعی دلالت و مفہوم جو شبہ سے خالی ہو، یعنی اتفاق ہو اور ظنی دلالت وہ مفہوم جس میں شبہ ہو یعنی اختلافی ہو، اس تفصیل کی بنیاد پر کتاب و سنت کے تمام دلائل کی چار اقسام ہیں: ۱- قطعی الثبوت قطعی الدلالہ۔ ۲- قطعی الثبوت ظنی الدلالہ۔ ۳- ظنی الثبوت ظنی الدلالہ۔ ۴- ظنی الثبوت قطعی الدلالہ۔ ۱- قطعی الثبوت قطعی الدلالہ: جس کا ثبوت اور مفہوم دونوں شبہ سے خالی ہوں، جیسے قرآن مجید کی وہ آیات اور وہ متواتر روایات جن کے مفہوم میں کوئی اختلاف نہیں ہے، یعنی ان کا مفہوم ایک اور متعین ہے۔ ۲- قطعی الثبوت ظنی الدلالہ: جس کا ثبوت شبہ سے خالی ہو، لیکن مفہوم میں اختلاف کی وجہ سے شبہ ہو، جیسے وہ آیات جن کے مفہوم کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ ۳- ظنی الثبوت ظنی الدلالہ: جس کے ثبوت اور مفہوم دونوں میں شبہ ہو، جیسے وہ غیر متواتر روایات جن کا مفہوم اتفاق نہیں۔ ۴- ظنی الثبوت قطعی الدلالہ: جس کے ثبوت میں شبہ اور مفہوم شبہ سے خالی ہو، جیسے وہ غیر متواتر روایات جن کا مفہوم اتفاقی اور متعین ہے۔ (شامی ج/۱، ص/۶۳) اول سے عموماً فرضیت و حرمت اور باقی سے وجوب و کراہت تحریمیہ کے قرآن ہوں تو ان کا سنیت اور کراہت تنزیہیہ کے قرآن ہوں تو ان کا، ورنہ استحباب و خلاف اولیٰ کا ثبوت ہوتا ہے، کبھی اول سے بھی سنیت و استحباب اور کراہت تنزیہیہ و خلاف اولیٰ کا ثبوت ہوتا ہے، جیسے ان سے اباحت کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ (شامی ج/۱، ص/۶۴، نور ص/۱۶۶)۔ (۲) فوائج ج/۱، ص/۵۸، حسامی ص/۵۸۔ (۳) احکام تکلیفیہ کی ۹ اقسام اور ایک ہی موقع پر ان کا ذکر شاید احقر کی ہی جسارت ہے، اس لیے کہ کسی کتاب میں ساری اقسام یکجا نہیں مل سکیں، =

۲- حکم:

دل سے یقین اور بدن سے عمل ضروری، انکار کفر، بلا عذر چھوڑنا فسق۔ (۱)

۳- اقسام فرض: (☆)

دو ہیں: (الف) فرض عین۔ (ب) فرض کفایہ۔

(الف) فرض عین:

جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ ہر ایک سے ہو جیسے پنج وقتہ نمازیں۔

= عموماً فقہاء کے یہاں پانچ اقسام معروف ہیں (ارشاد ۶، روضۃ الناظر ۱۶، العبادی ۱۸، فوائج ج/۱، ص/۵۷) اور بعض نے آٹھ (التوضیح ص/۶۰۹-۶۱۲) ذکر کی ہیں، جنہوں نے تعریف کی قیود پر نظر رکھی ہے، انہوں نے پانچ اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ ان دلائل کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جن سے ان احکام کا ثبوت ہو، انہوں نے سات یا آٹھ ذکر کی ہیں، لیکن تحقیق نظر کے بعد کل اقسام ۹ سامنے آتی ہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے درمختار میں مختلف مواقع پر بحث کرتے ہوئے اقسام کی تصریح کی ہے۔ (ملاحظہ ہو جلد اول کے وہ مواقع جہاں احکام کی اقسام سے بحث کی گئی ہے)۔ احقر نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور تمام اقسام کو یکجا جمع کر دیا ہے، دوسری بات یہ کہ ان اقسام کی تعریفات بھی مختلف انداز پر کی گئی ہیں، بعض حضرات نے ان کے ثبوت کے دلائل کو مدد بنا کر تعریف کی ہے (نور، ص/۱۶۶)، بعض نے تعریف کی قیود کو بنیاد بنایا ہے (فوائج ج/۱، ص/۵۷) اور بعض نے دونوں کو جمع کر کے تعریف کی ہے اور تمام اقسام کے پیش نظر حقیقی تعریف یہی ہے۔ (التوضیح ص/۶۰۹-۶۱۰، فوائج ج/۱، ص/۵۸، حسامی ص/۵۸) احقر نے یہی تعریف اختیار کی ہے۔

(۱) حسامی ص/۵۸، نور ص/۱۶۶۔ (☆) فقہاء کے نزدیک فرض کا اطلاق مکمل فعل پر بھی ہوتا ہے، اور فعل کے ان ضروری اجزاء پر بھی کہ جن کے وجود پر فعل کا شرعی وجود موقوف ہوتا ہے، خواہ وہ اصل فعل سے پہلے کیے جائیں یا اس کے اندر، اگر اصل فعل سے پہلے ان کا کیا جانا ضروری ہو تو ”رکن“ کہتے ہیں، مثلاً پوری نماز کو بھی فرض کہتے ہیں اور اس کے شرعی وجود و اعتبار کے لیے کیے جانے والے اعمال جو اس سے پہلے کیے جاتے ہیں جیسے طہارت، ستر عورت، استقبال قبلہ وغیرہ جن کو شرط کہتے ہیں اور جو اس کے اندر کیے جاتے ہیں، جیسے رکوع، سجدہ، قرأت وغیرہ، جن کو ارکان کہتے ہیں، ان سب کو بھی فرض کہتے ہیں (شامی ج/۱، ص/۶۳۳، ۲۳۴، ۲۹۷) خواہ شبہ اس کے ثبوت میں ہو یعنی دلیل ظنی الثبوت ہو اس کے مفہوم میں یعنی دلیل ظنی الدلالہ ہو (نظامی ص/۵۸) مطلب یہ ہے کہ گزشتہ حواشی میں ذکر کردہ اقسام دلائل میں سے قسم دوم، سوم و چہارم سے اس کا ثبوت ہوتا ہے جبکہ ساتھ میں لزوم و وجوب پر دلالت کرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو، جو قوی بھی ہوتا ہے اور قوی بھی، قوی قرینہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی الفاظ کے ساتھ اس کے کرنے کا حکم فرمایا ہو، اور قوی یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پوری پابندی کے ساتھ کیا ہو، اور کبھی ترک نہ فرمایا ہو۔ (اصول الشاشی مع عمدة الحواشی ص/۳۴)۔

(ب) فرض کفایہ:
جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ پوری جماعت و بستی سے اس طور پر ہو کہ
بعض افراد کر لیں تو سب سے مطالبہ ساقط ہو جائے، ورنہ سب کے سب گنہگار ہوں،
جیسے نماز جنازہ۔ (۱)

۲- واجب

۱- تعریف:
جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس سے کسی
اعتبار سے شبہ ہو۔ (۲)

۲- حکم:
ثبوت کے گمان غالب کے ساتھ بدن سے عمل ضروری، بغیر کسی تاویل کے
انکار گمراہی، اور بغیر تاویل و عذر ترک فسق ہے۔ (۳)

۳- امثلہ:

(الف) قربانی واجب ہے اور اس کا ثبوت آیت ”فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ“
سے ہے، جس کا ثبوت تو قطعی ہے، اس لیے کہ قرآنی آیت ہے، مگر مفہوم ظنی ہے، اس
لیے کہ متفق علیہ نہیں ہے، دوسرا مفہوم بھی مراد لیا گیا ہے۔ (۴)
(ب) نماز وتر واجب ہے، اس کا ثبوت غیر متواتر روایات سے ہے، جن
کے ثبوت میں عدم تواتر کی بنا پر شبہ ہے، ہاں مفہوم شبہ سے خالی ہے، اور ساتھ ہی لزوم کا
قرینہ موجود ہے، اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قولاً تاکید (۵)، دوم عملاً اس کی پابندی۔

(۱) فوائج ج/۱، ص/۶۳، شای ج/۱، ص/۲۳۲۔ (۲) فوائج ج/۱، ص/۵۸، التوضیح ص/۶۰۹۔ (۳) نور مع قر،
ص/۱۶۶، حاشی ص/۵۸، التوضیح ص/۶۱۰۔ (۴) قرالاقار ص/۱۶۶۔ (۵) فتح القدر ج/۱، ص/۳۷۰-۳۷۱،
شای ج/۱، ص/۴۳۶۔

۴- مصداق فرض و واجب:

کبھی واجب کا اطلاق فرض و واجب دونوں پر ہوتا ہے، جیسے کہ فرض کا لفظ دونوں کے لیے استعمال کر لیا جاتا ہے، اس صورت میں دونوں کے درمیان فرق یوں کیا جاتا ہے کہ فرض اصطلاحی کو اعتقادی فرض و واجب اور واجب اصطلاحی کو عملی فرض و واجب کہتے ہیں، اس لیے کہ اول کے لزوم کا دل سے یقین بھی ضروری ہے اور دوم پر صرف عمل ضروری ہے، یقین نہیں۔ (۱)

۵- مقدمات فرض و واجب:

مقدمات فرض و واجب کا بھی وہی حکم ہے جو فرض و واجب کا، یعنی جن چیزوں پر کسی فرض و واجب کا پورا ہونا یا صحیح ہونا موقوف ہو، وہ بھی فرض و واجب قرار پاتی ہیں، جیسے نماز کے حق میں وضوء۔ (۲)

۶- فرضیت و وجوب کے ثبوت کے ذرائع:

وجوب و فرضیت کا ثبوت محض فعل امر اصطلاحی پر موقوف نہیں ہے (۳) کہ اگر امر کی صورت میں مطالبہ ہو تو ان کا ثبوت ہو، ورنہ نہیں، بلکہ اس کے اصولی ذرائع تین ہیں:

(الف) وہ الفاظ جن کا لغوی مفہوم ہی لزوم کا ہے، جیسے فَرَضَ، وَجَبَ، اَوْجَبَ، كَتَبَ عَلَيْهِ، قَضَىٰ.

(ب) وہ الفاظ جو صرفی و نحوی اعتبار سے لزوم کا مفہوم رکھتے ہیں، یعنی فعل امر، اسم، فعل بمعنی امر، مصدر قائم مقام فعل امر جیسے ارشاد باری "فَضْرِبَ الرَّقَابِ" (۴) کہ اس میں ضَرْبُ مصدرِ اضْرِبُوا فعل امر کا قائم مقام ہے۔

(۱) فَوَاحِشُ، ج/۱، ص/۵۸، التَّوْحِيْحُ، ص/۶۱۰، شَامِي ج/۱، ص/۶۳، ۶۴، ۳۰۶، ۳۳۶۔ (۲) فَوَاحِشُ ج/۱، ص/۹۵۔

(۳) اصول الثَّانِي ج/۳۲۔ (۴) سورۃ مُحَمَّد/۴۔

(ج) غیر فعل امر جبکہ فرضیت و وجوب کا تقاضا کرنے والے قرائن موجود ہوں، جیسے ”وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ“ (۱) (اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں) (۲) اس میں یرضعن مضارع، امر کے معنی میں ہے۔)

۳- سنت

۱- تعریف:

جس کے کرنے کا مطالبہ غیر لازمی اس طور پر ہو کہ کرنے کی تاکید ہو۔ (۳)

۲- حکم:

لزوم کے بغیر کرنے کی تاکید، کرنے والا مستحق تعریف و ثواب، نہ کرنے والا مستحق ملامت و عتاب ہے، اور اگر اصرار کے ساتھ بغیر عذر ترک کرے تو مستحق عتاب اور اگر شعار کی حیثیت ہو تو ساری جماعت کے ترک کر دینے پر قتال واجب، جیسے اذان کہ وہ شعار اسلام ہے، اس کے ترک پر اسلامی حکومت میں قتال واجب ہے۔ (۴)

۳- مصداق سنت:

سنت کا مصداق وہ امور ہیں جن کا ثبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ

(۱) سورہ بقرہ/۲۳۳- (۲) عمدۃ الکواشی ص/۳۳، قمر ۲۵، مذکرہ، تفسیر النصوص ج/۲، ص/۲۳۵- (۳) سنت کا ثبوت قطعیت و ظہیر کے اعتبار سے دلائل کی چاروں اقسام سے ہو سکتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ قطعیت کے ساتھ سنت کا ثبوت اس وقت ہوتا ہے جبکہ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو فرضیت و وجوب کے بجائے سنت کا تقاضا کرتا ہو، ایسے ہی ظنی دلائل سے اس کا ثبوت اس وقت ہوتا ہے جبکہ وجوب کے قرائن نہ پائے جائیں اور ساتھ ہی یہ کہ سنت کے قرائن موجود ہوں، جس کی تفصیل آگے ثبوت سنت کے ذرائع کے تحت آرہی ہے، سنت کا ثبوت دلیل کی قسم اول سے جیسے کہ ظہیر پر مسج، کہ اس کا ثبوت جن روایات سے ہے وہ قطعی الثبوت بھی ہیں، اس لیے کہ متواتر ہیں اور قطعی الدلالہ بھی اور مسواک کی سنت کا ثبوت ایسی روایات سے ہے جو قطعی الثبوت تو نہیں لیکن قطعی الدلالہ ضرور ہیں، باقی دو اقسام سے ثبوت واضح و معروف ہے۔ (۴) حسامی مع نظامی ص/۵۹، نور ص/۱۶۶، ۱۶۷، در مختار و شامی ج/۱، ص/۵۰، ۵۱، ۵۶۳۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہو (۱)، خواہ یہ ثبوت قولاً ہو یا فعلاً یا تقریراً (تقریر کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے سامنے کوئی کام کیا جائے یا علم میں لایا جائے اور وہ دیکھنے و جاننے پر خاموش رہیں) (۲)، کبھی سنت کا اطلاق واجب پر بھی ہو جاتا ہے۔ (۳)

۴۔ اقسام سنت:

سنت کی دو اقسام ہیں: (الف) سنت ہدیٰ، (ب) سنت زائدہ۔

(الف) سنت ہدیٰ:

وہ امور جن کا ثبوت بطور عبادت اہتمام کے ساتھ ہو، اور وہ فرض و واجب کے حق میں مکمل یعنی ان کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے ہوں، جیسے اذان و اقامت جماعت وغیرہ، انھیں کو سنت مؤکدہ بھی کہتے ہیں اور سنت کا جو حکم بیان کیا گیا ہے وہ اسی قسم کا ہے۔ (۴)

(ب) سنت زائدہ:

وہ امور جن کا ثبوت یا تو بطور عادت ہو یعنی وہ افعال و اقوال جن کا تعلق عام انسانی زندگی اور بشری ضروریات و تقاضوں سے ہو، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا وغیرہ۔

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بطور عبادت ہی کیا ہو، لیکن وہ فرض و

(۱) التوضیح ص/۶۱۰، نظامی ص/۵۹، نور، ص/۱۶۷۔ (۲) اسی لیے سنت کی مشہور و معروف تعریف ہے: ”وہ راستہ جسے دین میں اپنایا گیا ہو، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اسے اختیار کیا ہو۔“ اگرچہ یہ تعریف اصلاً سنت کی ایک ہی قسم یعنی ”سنت ہدیٰ“ پر ہی صادق آتی ہے (حسامی مع نظامی ص/۵۹، التوضیح ص/۶۰۹، نور ص/۱۶۷)۔ احقر نے جو تعریف ذکر کی ہے وہ دوسرے احکام یعنی فرض و واجب اور حرام و مکروہ وغیرہ کی رعایت میں اختیار کی ہے کہ ان کی تعریفات کے پیش نظر سنت اور مستحب کی تعریفات اسی انداز پر ہونی چاہئیں، اس فرق کی تصریح کے ساتھ کہ سنت کا مطالبہ تاکید کے ساتھ اور مستحب کا مطالبہ بغیر تاکید کے پسندیدگی کے ساتھ ہوتا ہے۔ (۳) شامی ج/۱، ص/۵۶۳۔ (۴) حسامی مع نظامی ص/۵۹، نور، قمر، ص/۱۶۷۔

واجب کے لیے تکمیل کا ذریعہ نہ ہوں اور پابندی کی وجہ سے عادت ہی کے درجہ میں ہو گئے ہوں، جیسے نماز کے اندر قرأت اور رکوع و سجدہ کو طویل کرنا۔ (۱)

۵- مراتب ہر دو اقسام:

سنت زائدہ کا درجہ فضیلت میں سنت ہدیٰ سے کمتر ہے اور عمل کے حق میں مستحبات سے اوپر، اس لیے کہ سنت زائدہ وہ امور کہلاتے ہیں جن کا ثبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اہتمام کے ساتھ ہوتا ہو، لیکن بطور عادت، اور اگر بطور عبادت انہیں کیا ہو تو ان کی حیثیت سنت ہدیٰ کی نہیں ہوتی، اور مستحبات کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہتمام کا ثبوت نہیں ہوتا، مزید یہ کہ سنت ہدیٰ کا ترک مکروہ تحریمی اور سنت زائدہ کا ترک مکروہ تنزیہی (۲) ہے، اور مستحب کا ترک نہ مکروہ تحریمی ہے اور نہ مکروہ تنزیہی۔

۶- اقسام سنت مؤکدہ:

سنت ہدیٰ (جس کا دوسرا نام سنت مؤکدہ ہے) اس کی بھی دو اقسام ہیں:

(الف) سنت مؤکدہ علی العین۔ (ب) سنت مؤکدہ علی الکفایہ۔

(الف) سنت مؤکدہ علی العین:

جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ تاکید کے ساتھ ہر ایک سے ہو، جیسے بیچ وقتہ

نماز کی جماعت، تراویح کی نماز۔ (۳)

(ب) سنت مؤکدہ علی الکفایہ:

جس کے کرنے کا لازمی مطالبہ تاکید کے ساتھ پوری جماعت سے ہو، اس

طور پر کہ بعض کے کر لینے پر پوری جماعت گرفت سے بری قرار پائے، ورنہ پوری

(۱) التوطیح ص/ ۶۱۰، نور ص/ ۱۶۷، حاشی ص/ ۵۹، شامی ج/ ۱، ص/ ۷۰۔ (۲) شامی ج/ ۱، ص/ ۷۰، ۷۱۔

(۳) شامی ج/ ۱، ص/ ۷۰۔

جماعت مستحق گرفت و ملامت ہو، جیسے تراویح کی جماعت اور رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف۔ (۱)

۷۔ ثبوت سنت کے ذرائع:

سنت کے ثبوت کے ذرائع دو ہیں: (الف) قولی۔ (ب) فعلی۔

(الف) قولی:

یہ ہے کہ اس کے کرنے کا مطالبہ کسی ایسے قرینہ کے ساتھ ہو جو جوہر کے مراد نہ لینے پر دلالت کرتا ہو، یا ایسی تاکید کے ساتھ ہو جو جوہر کی تاکید سے کمتر ہو۔ (ب) فعلی:

یہ کہ کبھی بغیر عذر اس کو چھوڑنے کے ساتھ اکثر و بیشتر پابندی سے اس کے کرنے کا اہتمام کیا گیا ہو، یا پابندی سے کرنے کا ارادہ کیا گیا ہو، مگر کسی عذر کی وجہ سے پابندی نہ کی گئی ہو، اور اگر کبھی ترک نہ کیا ہو تو نہ کرنے پر انکار نہ کیا ہو۔ (۲)

۲۔ مستحب

۱۔ تعریف:

جس کے کرنے کا غیر لازمی مطالبہ تاکید کے بغیر، پسندیدگی کے ساتھ ہو۔ (۳)

۲۔ دیگر عناوین:

مستحب کے لیے دیگر چند عناوین بھی استعمال ہوتے ہیں، یعنی مندوب، نفل، ادب، تطوع، فضیلت، جیسے کہ کبھی نفل و مستحب سے سنت و مستحب دونوں کو یا صرف سنت کو مراد لیتے ہیں، اور جیسے کہ کبھی لفظ سنت کا اطلاق بھی مستحب پر کر دیتے ہیں۔ (۴)

(۱) شامی ج/۱، ص/۳۶۱، ۴۷۲۔ (۲) شامی ج/۱، ص/۷۰، ۷۱، فتح القدیر ج/۱، ص/۴۰۷، قر، ص/۱۳۷۔

(۳) خواہ اس کا ثبوت قطعیت و ظہیر کے اعتبار سے چاروں اقسام میں سے کسی قسم کی دلیل سے ہو، اس لیے کہ اس کا ثبوت ہر قسم کی دلیل سے ہو سکتا ہے۔ (۴) در مختار و شامی ج/۱، ص/۷۰، ۸۳، ۵۵۷۔

۳- ذرائع ثبوت و بیان:

مستحب کا ثبوت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوتا ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وجوب اور سنیت سے مانع قرآن موجود ہوں، قولاً یوں کہ اس کا مطالبہ تاکید کے ساتھ نہ ہو، اور عملاً یوں کہ اس کو کبھی کبھی یا بغیر پابندی کے کیا گیا ہو۔ (۱)

اوپر جو عناوین ذکر کیے گئے ہیں، ان عناوین اور ان کے مادوں سے ماخوذ کسی کلمہ کے علاوہ متاخرین کے نزدیک لفظ ”ینبغی“ اکثر مستحب کے لیے لایا جاتا ہے، جیسے کہ کبھی کبھی لفظ ”لا بأس“ سے بھی اس کو ذکر کیا جاتا ہے۔ (۲)

۴- حکم:

کرنا باعث ثواب اور نہ کرنے پر کوئی ملامت و گرفت نہیں۔ (۳)

۵- وجوب سنت و مستحب:

جب کسی سنت یا مستحب کو شروع کرایا جائے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، اگر درمیان سے اسے چھوڑ دیا جائے تو قضا واجب ہوگی۔ (۴)

۶- انکار سنت و مستحب:

اگر سنت یا مستحب کا ثبوت ہر قسم کے شبہ سے خالی دلیل سے ہو تو اس کا انکار کفر ہے (۵)، مثلاً ارشاد باری ”وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ“ جو کہ قطعی الثبوت بھی ہے اور قطعی الدلالتہ بھی، اس میں بعض معاملات میں دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ حکم استحبابی ہے۔

(۱) شامی ج/۲، ص/۸۳، قمر، ص/۱۶۷۔ (۲) مقدمہ عمدۃ الرعاہ ص/۱۵، شامی ج/۱، ص/۸۱۔ (۳) حسامی ص/۶۰، نور، ص/۱۶۸، شامی ج/۱، ص/۸۳۔ (۴) حسامی ص/۶۰، نور، ص/۱۶۷، التوضیح ص/۶۱۱۔ (۵) شرح مسلم للعلیر آبادی ص/۱۰۸، شامی ج/۱، ص/۳۱۸۔

۵- حرام

۱- تعریف:

جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ (۱)

۲- حکم:

دل سے ممانعت کا یقین اور عمل میں احتراز ضروری، انکار کفر، چھوڑنا موجب تعریف و ثواب، بلا عذر کرنا موجب مذمت و عقاب۔ (۲)

۳- امثلہ:

زنا، چوری، قتل۔

۴- اقسام:

حرام کی دو اقسام ہیں: (الف) محرام لعینہ۔ (ب) حرام لغیرہ۔

(الف) حرام لعینہ:

وہ شے حرام جس کی حرمت خود اس کی ذات میں پائے جانے والے کسی وصف کی وجہ سے ہو، جیسے شراب، مردار، کہ ان کا پینا و کھانا خود ان دونوں کے اندر پائے جانے والے اوصاف کی وجہ سے حرام ہے۔

(ب) حرام لغیرہ:

وہ شے حرام جس کی حرمت خارجی کسی چیز کی وجہ سے ہو، جیسے غیر کے مال کا استعمال کہ نفس مال اپنے اندر کوئی ایسا وصف نہیں رکھتا کہ جس کی وجہ سے اس کا

(۱) نوارح ج/۱، ص/۵۵، التوبح ص/۶۰۹۔ (۲) التوبح ص/۶۱۱، نوارح ج/۱، ص/۵۸، شرح مسلم ص/۱۰۸، حکم کی مذکورہ تفصیلات میں سے بعض مذکورہ حوالہ جات میں موجود ہیں، باقی امور ”فرض“ کا مقابل ہونے کی رعایت میں لکھے گئے ہیں۔

استعمال حرام ہو، بلکہ اس کی حرمت مالک کی اجازت کے بغیر اس کے استعمال کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (۱)

۵- مواقع حرمت:

ان امور کے علاوہ جن کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو، حسب ذیل مواقع کے لیے بھی حرمت کا حکم ہے:

(الف) کسی فرض کا ترک جبکہ بالمقابل پہلو ایک ہی ہو، جیسے ایمان کا ترک کہ اس کا بالمقابل پہلو ایک ہی ہے یعنی کفر۔

(ب) کسی فرض کا ترک جبکہ بالمقابل پہلو ایک نہ ہو لیکن دوسرے کام کے کرنے کی وجہ سے فرض رہ جائے۔ (۲)

۶- مکروہ تحریمی

۱- تعریف:

جس کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی ایسی دلیل سے ثابت ہو جس میں کسی اعتبار سے شبہ ہو۔ (۳)

۲- حکم:

ممانعت کے گمان غالب کے ساتھ عمل میں احتراز ضروری، بغیر کسی تاویل انکار گمراہی اور کرنا موجب مذمت و عقاب۔ (۴)

۳- مثال:

کالا خضاب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس سے منع فرمایا ہے اور وعید بھی ذکر فرمائی ہے۔ (۵)

(۱) التوضیح ص/ ۶۱۱-۶۱۲۔ (۲) کشف ج/ ۲، ص/ ۳۲۸-۳۳۱، التوضیح ص/ ۴۵۹، فواع ج/ ۱، ص/ ۹۹۔
(۳) فواع ج/ ۱، ص/ ۵۸، التوضیح ص/ ۶۱۱۔ (۴) ایضاً۔ (۵) مکتوٰۃ ص/ ۳۸۴، ۳۸۰۔

۴- مواقع کراہت تحریمی:

ان امور کے علاوہ جن کے نہ کرنے کا لازمی مطالبہ کسی دلیل غیر قطعی سے ثابت ہو، حسب ذیل صورتوں کے لیے بھی کراہت تحریمیہ کا حکم ہے:

(الف) فرض کا ترک جبکہ اس کا مقابل پہلو ایک ہی نہ ہو اور فرض کو چھوڑ کر کیا جانے والا عمل فرض کے فوت ہونے کا ذریعہ نہ بنے۔

(ب) واجب کا ترک۔ (ج) سنت مؤکدہ کا ترک۔

(د) سنت و مستحب میں سے کسی کو عملاً یا اعتقاداً ان کے درجہ سے بڑھا دینا،

مثلاً انھیں فرض یا واجب کا درجہ دینا، مثلاً سنت غیر مؤکدہ کو سنت مؤکدہ سمجھنا۔

(ه) اس مباح کا کرنا جو عوام کے اعتقاد کے فساد کا ذریعہ بنے۔ (۱)

۵- مصداق کراہت مطلقہ:

اگر کسی موقع پر لفظ کراہت کو مطلقاً استعمال کیا جائے تو عموماً کراہت تحریمیہ

ہی مراد ہوتی ہے۔ (۲)

۶- مقدمات حرام و مکروہ تحریمی:

حرام و مکروہ تحریمی کے مقدمات یعنی وہ امور جو ان تک پہنچانے کا ذریعہ

نہیں، وہ بھی حکماً حرام و مکروہ تحریمی قرار پاتے ہیں (۳) جیسے اجنبی عورت کے جسم کو شہوت سے چھونا و دیکھنا۔

۷- حرمت و کراہت تحریمیہ کے ثبوت کے ذرائع:

(الف) وہ الفاظ جو لفظ حرمت و ممانعت پر دلالت کرتے ہیں، جیسے منع،

نہی، حرم، عدم حل وغیرہ۔

(۱) کشف ج/۲/ص/۳۱، ذرائع ج/۱/ص/۹۸، ۹۵، شامی ج/۱/ص/۸۹، ۲۲۹، ۲۳۹، ۲۴۷۔

(۲) شامی ج/۱/ص/۱۵۰، ۲۲۹۔ (۳) ذرائع ج/۱/ص/۹۶۔

- (ب) وہ الفاظ جو صیغہ ممانعت پر دلالت کرنے ہیں یعنی فعل نہیں۔
 (ج) کسی چیز سے بچنے و دور رہنے کا حکم تاکید کے ساتھ۔
 (د) کسی کام کے کرنے پر دھمکی اور وعید کا ذکر۔ (۱)

۷۔ مکروہ تنزیہی

۱۔ تعریف:

جس کے نہ کرنے کا مطالبہ غیر لازمی اور تاکید کے ساتھ ہو۔ (۲)

۲۔ حکم:

ترک موجب تعریف و ثواب اور کرنا موجب ملامت و عتاب۔ (۳)

۳۔ مثال:

بے وضو اذان کہنا۔

۴۔ کراہت تنزیہیہ کے مواقع:

ان امور کے علاوہ جن کے نہ کرنے کا مطالبہ غیر لازمی تاکید کے ساتھ ہو۔

حسب ذیل صورتیں بھی کراہت تنزیہیہ کے تحت آتی ہیں:

(الف) جس کام کے کرنے میں کسی سنت کا ترک ہو۔

(ب) سنت غیر مؤکدہ کا ترک۔ (۴)

۵۔ مصداق کراہت:

مکروہ کا اطلاق کبھی حرام پر بھی ہوتا ہے، جیسے کہ مکروہ تحریمی و تنزیہی دونوں پر ہوتا ہے، البتہ حرام اور تنزیہی کے لیے قید کے بغیر کم لایا جاتا ہے، اسی لیے جب بغیر

(۱) مذکرہ۔ (۲) یہ تعریف دوسری تعریفات کی رعایت اور تقابل کی بناء پر کی گئی ہے۔ (۳) التوضیح ص/۶۱۲، شامی ج/۵، ص/۲۱۳۔ (۴) شامی ج/۱، ص/۴۲۹، ۴۳۹۔

کسی قید کے لایا جائے اور قرینہ بھی نہ ہو تو عموماً مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے، پھر بھی اس
توسع استعمال کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دلیل دیکھ لینی چاہیے۔ (۱)

۶۔ دیگر تعبیر:

مکروہ تنزیہی کے لیے اس معروف تعبیر کے علاوہ کبھی لفظ خلاف اولیٰ بھی
لایا جاتا ہے۔ (۲)

۷۔ ذرائع ثبوت:

تین ہیں: (الف) مادہ کرہ و کراہة کا استعمال۔

(ب) ممانعت، جبکہ ساتھ میں ایسا قرینہ موجود ہو جو حرمت سے مانع ہو۔

(ج) ناگواری کے ساتھ نکیر و انکار۔ (۳)

۸۔ خلاف اولیٰ (☆)

۱۔ تعریف:

جس کے کرنے میں قباحت کا ذکر ہو۔ (۴)

۲۔ حکم:

ترک بہتر و باعث ثواب اور کرنا خلاف بہتر، لیکن نہ باعث عقاب اور نہ

باعث ملامت و عتاب۔ (۵)

۳۔ مثال:

نماز چاشت کا ترک۔

(۱) شامی ج/۱، ص ۸۹، ۱۵۰۔ (۲) ایضاً، ج/۱، ص ۸۴، ۱۸۹۔ (۳) مذکرہ۔ (۴) شامی ج/۱، ص ۳۳۹۔

(۵) مستحب کے تقابل کا یہی تقاضہ ہے۔ (☆) خلاف اولیٰ مستحب کا مقابل ہے، اس لیے اس کی تعریف یوں
ہونی چاہیے تھی کہ جس کے نہ کرنے کا غیر لازمی مطالبہ تاکید کے بغیر ہو، مگر چونکہ اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اس کی
ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہوتی، اس لیے مذکورہ بالا تعریف اختیار کی گئی ہے۔

۴- مصداق عدم اولویت:
ان امور کے علاوہ جن کے متعلق کسی دلیل سے یہ ثابت ہو کہ ان کا کرنا بہر
نہیں ہے، مستحبات کا ترک بھی خلاف اولیٰ ہے۔ (۱)

۵- تعبیر:

خلاف اولیٰ کے لیے مذکورہ تعبیر کے علاوہ اکثر لفظ "لا بأس" استعمال
ہوتا ہے۔ (۲)

۹- مباح

۱- تعریف:

جس کے کرنے، نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہو۔ (۳)

۲- حکم:

کرنا، نہ کرنا دونوں برابر، نہ کسی میں ثواب، نہ کسی میں ملامت اور نہ عقاب و

عقاب۔ (۴)

۳- مثال:

عام انسانی ضروریات، کھانا پینا اور پہننا اوڑھنا وغیرہ۔

۴- ذرائع ثبوت:

حرج، گناہ، تنگی کی نفی و انکار، حلت کا بیان، سابق حالت یعنی شریعت

کا سکوت، امر جبکہ اس کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ موجود ہو، جو اباحت پر دلالت

کرتا ہو۔ (۵)

(۱) شامی ج ۱/ ص ۴۳۹، ۸۴۔ (۲) ایضاً ج ۱/ ص ۸۱۔ (۳) فروع ج ۱/ ص ۵۷، التوضیح ۶۱۰۔ (۴) شامی
ج ۵/ ص ۲۱۳۔ (۵) مذکور۔

۵- مباح کا استحباب اور وجوب و حرمت:

مباح کا اصل حکم تو وہی ہے جو ذکر کیا گیا، البتہ دوسرے احوال کی بنا پر مباح کو استحباب یا وجوب کا حکم دیا جاتا ہے:

(الف) اگر کسی طاعت میں مدد کی نیت سے یا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سمجھ کر کیا جائے تو مستحب اور باعث ثواب قرار پاتا ہے۔ (۱)

(ب) اگر معصیت کا ذریعہ بنے تو جس درجہ کی معصیت ہو، اس اعتبار سے ممنوع قرار پاتا ہے۔ (۲)

(ج) اگر فساد و عوام کا باعث بنے تو مکروہ تحریمی قرار پاتا ہے۔ (۳)

(د) اگر اس کے ساتھ حرام کا معاملہ کیا جانے لگے تو واجب ہو جاتا ہے۔ (۴)

۶- انکار مباح:

جس مباح کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہو، اس کا انکار کفر ہے۔ (۵) (☆)

(۱) مذکرہ۔ (۲) فواح ج/۱، ص/۹۶۔ (۳) شامی ج/۱، ص/۵۲۳۔ (۴) فی الفوائح "المباح قد یصیر واجباً" ج/۱، ص/۱۱۳۔ (۵) شرح مسلم ص/۱۰۸۔ (☆) مذکورہ اقسام میں سے بعض اقسام کے تحت فقہاء نے خاص طور سے ان کے انکار کے مسئلہ کا ذکر کیا ہے جو عموماً فرض و واجب اور حرام و مکروہ تحریمی تک محدود ہے کہ فرض و حرام کا انکار کفر ہے، اور واجب و مکروہ تحریمی کا اگر بغیر کسی تاویل کے ہو تو فسق ہے اور اگر کسی تاویل کی بناء پر ہو کہ منکر، ان کے حق میں کوئی دوسرا خیال رکھتا ہو تو فسق نہیں۔ احقر نے یہ مسئلہ "سنت و مستحب" کے تحت بھی ذکر کیا ہے اور از روئے اصول "مباح" کے تحت بھی آتا ہے، اس لیے کہ یہ اصول ہے کہ ہر وہ چیز جس کا ثبوت کسی دلیل قطعی سے ہو اور عوام و خواص سب اس امر کی مشروعیت اور موردینہ میں سے ہونے سے واقف ہوں، اس کا انکار کفر ہے، اگرچہ حکماً سنت یا مستحب بلکہ مباح کیوں نہ ہو، اس لیے کہ سنت اور مستحب اور مباح کا ثبوت دلیل قطعی سے بھی ہوتا ہے، مستحب کی مثال گزر چکی ہے، مباح جیسے احرام نہ ہونے کی صورت میں شکار کہ اس کی اباحت آیت "وإذا حللتہم فاصطادو" سے ثابت ہے، جو ہر اعتبار سے قطعی ہے، البتہ واجب کے انکار پر کفر کا حکم نہیں لگتا، اس لیے کہ اس کا ثبوت کسی ایسی دلیل سے ہوتا ہے جس میں کسی اعتبار سے شبہ ہو، باقی یہ طے شدہ ہے کہ کسی حکم مشروع کا ترک استخفاف یعنی اس کی بے وقعتی کے طور پر ہو تو کفر کا حکم ہوتا ہے اور چونکہ قاعدہ یہ ذکر کیا گیا کہ جب کسی ایسے خاص حکم شرعی کا انکار کیا جائے، جس سے خاص و عام سب واقف ہوں تو کفر کا حکم لگتا ہے، اس لیے بعض حضرات نے "وتر" جو کہ حکماً واجب ہے اور صلاۃ عیدین کے انکار پر بھی اس کا تذکرہ کیا ہے =

(ب)

احکام تکلیفیہ کی تقسیم دوم

(باعتبار احوال مکلفین)

مکلفین اصولاً دو قسم کے حالات سے دوچار ہوتے ہیں:
ایک عام حالات جن سے عموماً سب کا اپنی روزمرہ کی زندگی میں سابقہ
رہتا ہے۔

دوسرے مخصوص حالات یعنی عوارض و اعذار جن سے کسی کسی کا یا کبھی کبھی
واسطہ پڑتا ہے۔

ان حالات کے اعتبار سے احکام تکلیفیہ کی دو اقسام ہیں:
(الف) عزیمت۔ (ب) رخصت۔

(الف) عزیمت:

۱۔ تعریف:

وہ احکام جو عام انسانوں کے لیے ان کے عام حالات کے اعتبار سے ہوں

= (شامی ج/۱، ص/۴۷-۴۶)۔ جواز و عدم جواز اکثر کسی کام کرنے کی شرعی اجازت کو "جواز" اور عدم
اجازت کو "عدم جواز" سے تعبیر کرتے ہیں، مذکورہ اقسام کی نسبت سے یہ دونوں لفظ عام ہیں، اس لیے کہ عدم جواز کا
اطلاق نہ کرنے کا مطالبہ ہونے کی ہر صورت پر اور جواز کا حرام کو چھوڑ کر باقی تمام اقسام پر اطلاق ہوتا ہے، اس لیے
کہ باقی تمام اقسام میں کسی نہ کسی درجہ کی گنجائش و اجازت ہے، نیز جو چیز شرعاً منع نہ ہو یا شرعاً و عقلاً دونوں قسم کی
ممانعت کے پہلو اس میں برابر ہوں یا جواز و عدم جواز مشکوک ہو، ان صورتوں پر بھی جواز کا اطلاق ہوتا ہے (فوائض
ج/۱، ص/۱۰۳، ۱۰۴، شامی ج/۱، ص/۷۲)۔

(یعنی جن کی بنیاد عوارض و اعذار پر نہ ہو)۔ (۱)

(ب) رخصت:

۱- تعریف:

وہ احکام جو مخصوص احوال اور عوارض و اعذار کی بنا پر مخصوص افراد سے متعلق

ہوں۔ (۲)

۲- اقسام:

رخصت کی خصوصی اقسام دو ہیں:

(الف) رخصت حقیقی۔ (ب) رخصت مجازی۔

اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو اقسام ہیں، یوں رخصت کی کل چار اقسام

ہوتی ہیں:

(الف) رخصت حقیقی اولیٰ۔ (ب) رخصت حقیقی غیر اولیٰ،

(ج) رخصت مجازی اتم۔ (د) رخصت مجازی غیر اتم۔

(الف) رخصت حقیقی اولیٰ: (یعنی جس کو حقیقی رخصت کہنا زیادہ بہتر ہے)

۱- تعریف:

وہ امور جنہیں دلیل حرمت اور حرمت دونوں کے پائے جانے کے باوجود

مباح قرار دیا گیا ہے۔

۲- حکم:

عزیمت پر عمل کرنا اولیٰ و بہتر ہے، اگرچہ عزیمت پر عمل کرنے میں جان

چلی جائے۔

(۱) فوائج ج/۱، ص/۱۱۶، التوضیح ص/۶۱۳، مذکرہ، حسامی ص/۵۷، نور، ص/۱۶۵۔ (۲) فوائج ج/۱،

ص/۱۱۶، التوضیح ص/۶۱۳، نور، ص/۱۶۵۔

۳- مثال:

جن مومن کو کلمہ کفر زبان سے نکالنے پر جان لے لینے یا کسی عضو کو تلف کر دینے کی دھمکی دی جائے، اس کا زبان سے کلمہ کفر نکالنا، یہ مباح ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ زبان سے کلمہ کفر نہ کہا جائے اگرچہ جان چلی جائے۔
(ب) رخصت حقیقی غیر اولیٰ: (جس کو حقیقی رخصت کہنا اولیٰ نہیں ہے)

۱- تعریف:

وہ امور جن کو دلیل کے ہوتے ہوئے حکم کے مؤخر ہونے کی وجہ سے مباح قرار دیا گیا ہے۔
۲- حکم:

عزیمت پر عمل بہتر ہے، بشرطیکہ ضیاع جان کا باعث نہ بنے ورنہ عزیمت پر عمل جائز نہ ہوگا۔
۳- مثال:

مریض و مسافر کے حق میں روزہ، کہ رمضان فرضیت کا سبب موجود ہوتا ہے، مگر ان کے حق میں عذر سفر و مرض کی وجہ سے فرضیت مؤخر ہوتی ہے حتیٰ کہ جب سفر و مرض ختم ہو جائے اور قضا کا موقع ملے تو ان پر ادائیگی فرض ہوتی ہے، لیکن ان کے حق میں روزہ رکھنا ہی بہتر ہے، بشرطیکہ اس کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، ورنہ رخصت پر عمل جائز نہ ہوگا۔

(ج) رخصت مجازی اتم:

۱- تعریف:

وہ امور جن میں مجازاً رخصت ہونے کی شان بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، حقیقتاً

رخصت نہیں ہوتے، اس لیے کہ ان کی مشروعیت کسی کے حق میں باقی نہیں رہ جاتی۔
۲- حکم:

رخصت پر عمل ہوگا، اس لیے کہ عزیمت شروع ہی نہیں رہ گئی۔

۳- مثال:

گزشتہ شریعتوں کے وہ تمام احکام جو امت محمدیہ کے حق میں منسوخ کر دیئے گئے، جیسے مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز کا جائز نہ ہونا ہمارے حق میں منسوخ ہو چکا ہے۔

(د) رخصت مجازی غیر اتم: (☆)

۱- تعریف:

وہ امور جو بعض اشخاص و معاملات کے حق میں مشروع اور بعض اشخاص و معاملات کے حق میں غیر مشروع ہیں۔

۲- حکم:

جن کے حق میں رخصت ہے، ان کا رخصت ہی پر عمل کرنا لازم ہے۔

۳- مثال:

قصر نماز مسافر کے لیے، مردار کا کھانا مجبور و مضطر کے لیے۔ (۱)

(۱) فوارج ج ۱/ ص ۱۸-۱۱۶، التوضیح ص ۱۵-۶۱۳، نور ص ۴۳-۱۶۸، حسامی ص ۶۵-۶۱۔
(☆) پہلی دو قسموں کو رخصت حقیقی اس لیے کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں عزیمت کی مشروعیت باقی رہتی ہے، اور ان میں پہلی ”اولیٰ“ کہلاتی ہے کہ اس میں مطلقاً عزیمت پر عمل بہتر ہے اور دوسری ”غیر اولیٰ“ اس لیے کہ اگر جان کے ضیاع کا خوف نہ ہو تو عزیمت پر عمل بہتر، ورنہ رخصت پر عمل ضروری ہوتا ہے، اور بعد کی دو قسموں کو رخصت مجازی اس لیے کہا گیا ہے کہ ان دونوں میں عزیمت کا پہلو مشروع نہیں رہ جاتا، پہلی میں ہر ایک کے حق میں اسی لیے اس کو ”اتم“ کہا گیا ہے اور دوسری میں ان لوگوں کے حق میں جن کے لیے رخصت رکھی گئی ہے، اس لیے اس کو ”غیر اتم“ کہا گیا ہے۔

فصل دوم

احکام وضعیہ (☆)

۱- تعریف حکم وضعی:

وہ امر جس کو کسی حکم تکلفی کے اثبات یا نفی کے لیے باعث و داعی قرار

دیا جائے۔

۲- اقسام:

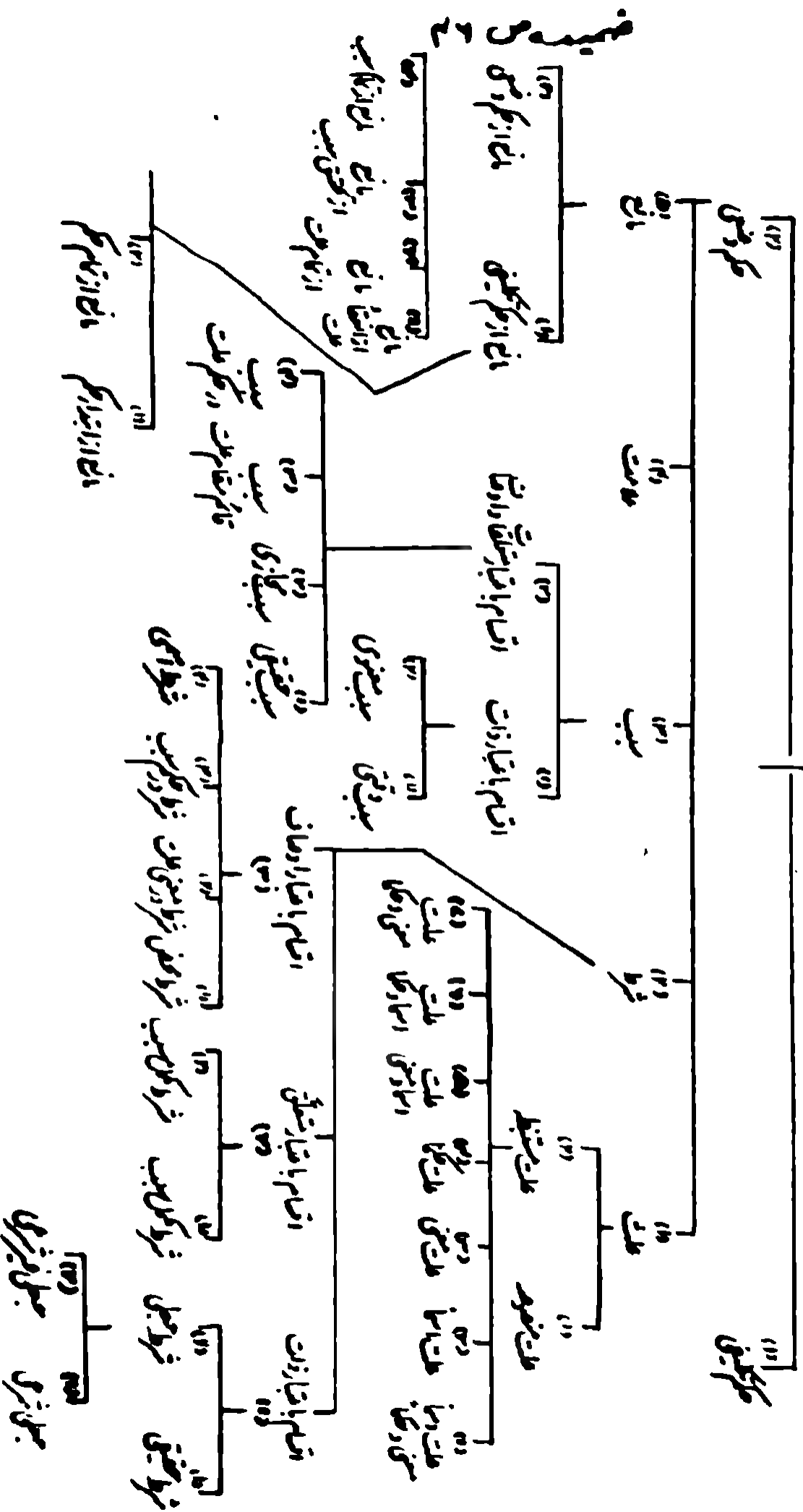
پانچ ہیں: چار باعتبار اثبات اور ایک باعتبار نفی:

(الف) علت۔ (ب) سبب۔ (ج) شرط۔ (د) علامت۔ (ه) مانع۔ (۱)

(۱) التوضیح ص/ ۳۶ و ۳۶، فوائج ج/ ۱، ص/ ۵۳ و ۶۱، حسامی ص/ ۱۲۵، نور، ص/ ۲۷۰۔

(☆) احکام تکلیفیہ اور احکام وضعیہ کے درمیان فرق چند وجہوں سے ہے: اول یہ کہ احکام تکلیفیہ کا مقصد بندوں کو ان احکام کا مکلف بنانا ہوتا ہے، خواہ کرنے یا نہ کرنے کا اور خواہ اختیار کا، اور احکام وضعیہ میں محض سبب و مسبب اور شرط و مشروط وغیرہ کے درمیان ربط و تعلق کا بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ حکم تکلفی بندوں کے زیر قدرت ہوتا ہے اور ان سے اس کا حصول و وجود مطلوب ہوتا ہے، اور حکم وضعی میں یہ ضروری نہیں ہے، وہ یا تو زیر قدرت ہی نہیں ہوتا ہے جیسے زوال شمس وغیرہ اور اگر زیر قدرت ہوتا ہے تو وجود مطلوب نہیں ہوتا جیسے وجوب زکوٰۃ کے لیے بقدر نصاب مال کہ بقدر نصاب مال کا جمع کرنا قدرت میں تو ہے مگر یہ مطلوب نہیں کہ بندے اتنا مال جمع کریں تاکہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو (اصول الخلاف ص/ ۱۰۳)۔ سوم یہ کہ حکم تکلفی کے لیے کسی حکم وضعی کا ہونا ضروری ہے لیکن حکم وضعی کے لیے مکلف ہونا ضروری نہیں جیسے بچہ کی حرکات و افعال تکلیف سے تو خالی ہوتے ہیں کہ بچہ مکلف نہیں ہوتا لیکن وضع سے خالی نہیں ہوتے، چنانچہ ان پر بعض احکام مرتب ہوتے ہیں۔ چہارم حکم وضعی کسی فعل کا جز نہیں ہوتا بلکہ اصل فعل سے باہر ہوتا ہے اور حکم تکلفی فعل کا جز بھی ہوتا ہے، جیسے نماز ایک فریضہ ہے اور اس کے اعمال "احکام تکلیفیہ" کی مختلف اقسام کے تحت آتے ہیں، اور نماز کی فریضیت کا سبب جو کہ "وقت" ہے، وہ اعمال نماز میں شامل نہیں، یعنی نماز کا جز نہیں ہے۔

حکم رب



(الف) علت

۱- تعریف:

(الف) لغوی: ایسا وصف جس کی وجہ سے کسی چیز کی اصلی حالت میں تغیر پیدا ہو، اور نقص لاحق ہو، اسی لیے ”بیماری اور خلل اور نقص“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱)، جمع علل آتی ہے۔

(ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس کے وجود میں موثر ہو۔ (۲)

یعنی ایسا وصف کہ جو کسی عمل کا جز نہ ہو بلکہ اس سے باہر ہو، لیکن جب وہ وصف پایا جائے تو وہ حکم ضرور پایا جائے اور اگر وہ وصف نہ پایا جائے تو یہ ضروری نہ ہو کہ وہ حکم بھی نہ پایا جائے، اس لیے کہ ایک معلول و حکم کی ایک سے زائد بھی علتیں ہو سکتی ہیں، لہذا اگر ایک موجود نہ ہو تو دوسری موجود ہو سکتی ہے۔ (۳)

۲- حکم:

معلول و حکم کا اس پر مرتب ہونا، یعنی علت کے پائے جانے پر حکم کا پایا جانا اور علت کے مرتکب کا قابل مواخذہ ہونا۔

۳- مثال:

(الف) بیع ملکیت کی علت ہے، لیکن بیع کے بغیر بھی ملکیت ثابت ہو سکتی ہے۔

(ب) قتل قصاص کی علت ہے (۴) اس لیے قاتل گرفت کا مستحق ہوتا ہے۔

۴- اقسام و دیگر تفصیلات:

مزید تفصیلات انشاء اللہ قیاس کی بحث میں آئیں گی، اس لیے کہ علت،

(۱) نظامی ص/ ۱۲۷، ارشاد، ص/ ۴۰۶۔ (۲) فواع ج/ ۲، ص/ ۳۰۴۔ (۳) فواع ج/ ۲، ص/ ۲۸۲، ۲۷۰، الفروع ص/ ۳۱۹۔ (۴) حاسی ص/ ۱۲۸، نور، ص/ ۲۷۳۔

۶۰
 قیاس کا بنیادی رکن ہے، یہاں تو یہ ذہن نشین کر لیں کہ علت کی اپنی ذات و حقیقت کے اعتبار سے سات اقسام ہیں، ہر ایک سے متعلق تفصیلات و احکام ہیں، جن کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے۔

(ب) سبب

۱- تعریف
 (الف) لغوی: کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ و وسیلہ، اسی لیے راستہ رسی اور بیڑھی وغیرہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے (۱)، جمع اسباب۔
 (ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس حکم تک پہنچانے کا کسی طرح ذریعہ بنے۔
 لیکن نہ تو اس وصف کی طرف حکم کے وجوب کی نسبت ہو اور نہ اس کے

وجود کی۔

۲- حکم:

اس پر کوئی مواخذہ و گرفت نہیں۔

۳- مثال:

چور کو کسی کے مال کا پتہ بتانا، جس کے نتیجہ میں وہ اسے چرا لے، تو اس چوری کا سبب، خبر دینے والے کا خبر دینا ہے، اور محض ایسی خبر کوئی جرم اور قابل گرفت و مواخذہ حرکت نہیں ہے، اس لیے کہ صرف خبر نہ تو چوری کے لیے موجب ہوتی ہے اور نہ موجد، بلکہ اس خبر کے بعد چور اپنے ارادے سے چوری کیا کرتا ہے۔ (۲)

۴- اقسام:

سبب میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) سبب کی ذات کے اعتبار سے۔

(ب) سبب کے اوصاف و متعلقات کے اعتبار سے۔

(الف) اقسام باعتبار ذات:

دو ہیں: ۱- سبب وقتی۔ ۲- سبب معنوی۔ (☆)

۱- سبب وقتی:

کسی وقت کا کسی حکم کے لیے سبب ہونا جیسے اوقات نماز کے لیے اور رمضان روزوں کے لیے۔

۲- سبب معنوی:

کسی معنوی امر کا کسی حکم کے لیے سبب ہونا، جیسے نصاب کا مالک ہونا، وجوب زکوٰۃ کے لیے۔

(ب) اقسام باعتبار اوصاف:

چار ہیں: ۱- سبب حقیقی۔ ۲- سبب مجازی۔ ۳- سبب در حکم علت۔ ۴- سبب

قائم مقام علت۔

ان میں سے آخری دو کا حکم علت (۱) کا حکم ہے یعنی ان کے پائے جانے پر

(☆) فوارج ج/۱، ص/۶۱۔ (۱) سبب و علت کے درمیان فرق: (الف) اکثر حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ علت بلا واسطہ اثر انداز ہوتی ہے اور سبب کا اثر بالواسطہ ہوتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہر سبب حکم (یعنی سبب) تک پہنچنے کا محض راستہ و ذریعہ ہوتا ہے، ورنہ حکم کا وجود اس کی علت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے جو حکم و سبب کے درمیان ضروری ہوتی ہے، مثلاً خریدنا باندی کے جسم کی ملکیت کا ذریعہ ہے اور اگر وہ مسلمان یا کتابیہ ہو تو اس سے مخصوص فائدہ اٹھانے کی ملکیت کا بھی اول کے حق میں خریدنا علت ہے، اس لیے کہ خریدنا اس کے لیے بلا واسطہ مؤثر ہے اور دوم کے حق میں سبب ہے کہ اس کے لیے مؤثر بالواسطہ ہے، اس لیے کہ مخصوص انتفاع کی ملکیت جسم و ذات کی ملکیت کے واسطے سے ہوتی ہے (نور، ص/۲۷۳)۔ (ب) یوں بھی کہا گیا ہے کہ اگر کسی مؤثر وصف اور اس کے حکم کے درمیان تعلق از روئے عقل سمجھ میں آتا ہو، تو وصف کو "علت" اور حکم کو "معلول" کہتے ہیں، اور اگر یہ تعلق عقلاً سمجھ میں نہ آتا ہو تو وصف کو سبب اور حکم کو "سبب" کہتے ہیں جیسے نماز کے حق میں وقت سبب ہے، اس لیے کہ دونوں کا تعلق سمجھ میں نہیں آتا اور خریدنا ملکیت کی علت ہے، اس لیے کہ دونوں کا ربط و تعلق سمجھ میں آتا ہے۔ (ج) بعض حضرات دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے (المصادر الشرعیہ ص/۵۰)۔

حکم مرتب ہوتا ہے اور مرتب مستحق مواخذہ و گرفت ہوتا ہے اور قسم دوم پر بھی کوئی مانع نہ پائے جانے کی صورت میں حکم مرتب ہوتا ہے، اور قسم اول پر نہیں ہوتا، اوپر جو تعریف اور حکم و مثال مذکور ہے وہ قسم اول ہی سے متعلق ہے۔ (۱)

(ج) شرط

۱- تعریف:

(الف) لغوی: علامت اور لازمی علامت (۲)، جمع شروط۔

(ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی کہ جس پر اس حکم کا وجود

موقوف ہو۔ (۳)

بایں معنی کہ حکم اسی وقت پایا جائے جب وہ وصف پایا جائے اور جب وہ وصف نہ پایا جائے تو وہ حکم بھی نہ پایا جائے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جب کبھی وصف پایا جائے تو حکم بھی پایا جائے، اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ جو چیز حکم کے وجوب میں مؤثر ہے وہ موجود نہ ہو۔

۲- حکم:

وصف مذکور کے پائے جانے پر حکم مذکور کا پایا جانا۔

۳- مثال:

سال کا گزرتا و وجوب زکوٰۃ کے لیے، کہ زکوٰۃ اسی وقت واجب ہوگی جبکہ بقدر نصاب مال پر سال گزر جائے اور اگر سال نہ گزرے تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی اور سال گزر جائے لیکن مال بقدر نصاب نہ ہو تو بھی فرض نہ ہوگی، اس لیے کہ بقدر نصاب مال زکوٰۃ کے وجوب کے لیے مؤثر ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں موجود نہیں۔

(۱) حسامی ص/۱۲۵-۱۲۷، نور، ص/۲۷۰-۲۷۳، التوضیح ص/۶۲۶-۶۳۳۔ (۲) نظامی ص/۱۳۲، شامی ج/۱، ص/۵۹۔ (۳) فواتح ج/۲، ص/۳۰۳۔

۴- اقسام:

شرط میں تین تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) ذات شرط کے اعتبار سے۔ (ب) متعلق شرط کے اعتبار سے۔

(ج) اوصاف شرط کے اعتبار سے۔

(الف) تقسیم اول باعتبار ذات:

شرط کی اس کی ذات و حقیقت کے اعتبار سے دو اقسام ہیں:

۱- شرط حقیقی۔ ۲- شرط جعلی۔

۱- شرط حقیقی:

وہ شرط جو فطری و غیر اختیاری ہو، جیسے علم کے لیے زندگی۔

۲- شرط جعلی:

وہ شرط ہے جو فطری نہ ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

جعلی شرعی اور جعلی غیر شرعی۔

(الف) جعلی شرعی:

وہ غیر فطری شرط جسے شارع نے تجویز کیا ہو، جیسے نکاح کے حق میں گواہ۔

(ب) جعلی غیر شرعی:

وہ غیر فطری شرط جسے انسان اپنا نہیں۔ (۱)

(ب) تقسیم دوم باعتبار متعلق:

شرط کا جس چیز سے تعلق ہوتا ہے یعنی جس چیز کے لیے اس کا اعتبار ہوتا

ہے، اس کے لحاظ سے بھی شرط کی دو اقسام ہیں:

(۱) فروع، ج/۱، ص/۶۱، مذکرہ، ص/۲۱-۲۲، درمختار و شامی ج/۱، ص/۵۹، ان میں سے اول احکام وضعیہ میں

سے ہے، اس لیے کہ یہ احکام تکلیفیہ کی داعی و باعث بنتی ہے اور دوسری کا تعلق احکام تکلیفیہ سے ہے۔

۱- شرط مکمل سبب - ۲- شرط مکمل مسبب -

۱- شرط مکمل سبب:

وہ شرط ہے جو سبب کو پایہ تکمیل تک پہنچا کر اس کے حکم کے ظہور کا ذریعہ بنے، جیسے نصاب کی ملکیت و وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے اور اس کے لیے سال کا اُزرا شرط ہے۔

۲- شرط مکمل مسبب:

وہ شرط جو مسبب یعنی سبب پر مرتب ہونے والے حکم کو مکمل کرے جیسے نماز کے لیے طہارت، کہ نماز مسبب ہے اور اس کی تکمیل طہارت پر موقوف ہے۔

اول کو ”شرط وجوب“ سے اور دوم کو ”شرط صحت“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ (۱)

(ج) تقسیم سوم باعتبار اوصاف:

شرط کے اوصاف کے اعتبار سے شرط کی چار اقسام ہیں:

۱- شرط محض - ۲- شرط در معنی علت - ۳- شرط در حکم سبب - ۴- شرط اسمی۔

ان میں سے پہلی شرط حقیقی ہے اور تعریف و مثال کا تعلق اسی سے ہے، یہ

علت و سبب کے درجہ میں نہیں ہوتی بلکہ علت کا مؤثر ہونا اس پر موقوف ہوتا ہے،

دوسری علت کے حکم میں اور تیسری ”سبب“ کے حکم میں ہوتی ہے اور چوتھی قسم کو محض

ظاہر و نام کے اعتبار سے شرط کہہ دیا جاتا ہے، ورنہ اس کا پہلی تینوں اقسام میں سے کسی

سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جیسے کسی چیز کے لیے دو شرطیں قرار دی جائیں تو اس شے

کا وجود محض ایک کے پائے جانے پر موقوف نہیں ہوتا، بلکہ جب دوسری پائی جاتی

ہے تب وہ پائی جاتی ہے، دوسری شرط حقیقی ہوتی ہے اور پہلا شرط رسمی یعنی نام کی

اور ظاہری۔ (۲)

(۱) مذکرہ۔ (۲) فواع ج/۲، ص/۳۰۶ ۳۰۸، التوجیح ص/۶۳۱-۶۳۳، حاشی ص/۱۳۲-۱۳۵، نور،

(د) علامت

۱- تعریف:

کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس حکم کے جاننے کا ذریعہ ہو۔ (۱)
لیکن نہ تو وہ اس حکم کے وجود میں مؤثر ہو، اور نہ وجوب میں اور نہ ہی اس پر حکم موقوف ہو، بس یہ کہ اس کے ذریعہ اس حکم کو جانا جائے۔

۲- حکم:

اس وصف کے پائے جانے پر اس حکم کا جاری ہونا جس کے لیے اسے علامت قرار دیا گیا ہو۔

۳- مثال:

(الف) نماز کے اوقات کی علامات جن سے وقت کی آمد یعنی نماز کے سبب وجوب کو جانا جاتا ہے۔

(ب) زنا کی صورت میں سنگساری کی سزا کے لیے احسان یعنی محسن ہونا (جس کا مطلب ہے زانی کا آزاد، مسلمان اور عاقل بالغ نیز شادی شدہ ہونا) کہ یہ اس زانی کی سزا کے لیے علامت ہے۔ (۲)

(۱) (الف) اکثر حضرات نے مثال مذکور کو شرط کی پانچویں قسم شرط بدرجہ علامت کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، انہوں نے شرط کی پانچ اقسام قرار دی ہیں، بقول صاحب فوائج شرحی و بزودی کے علاوہ متقدمین و متاخرین کا یہی مذہب ہے (فوائج ج ۲/ص ۳۰۹، التوضیح ص ۶۳۳، حسامی ص ۱۳۵، نور، ص ۲۷۹)۔ (ب) اصلاً حکم کی نسبت علت کی طرف ہوتی ہے، اگرچہ علت العلہ کی طرف کیوں نہ ہو اور اگر یہ کسی طرح ممکن نہ ہو تو سبب محض کی طرف ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو شرط کی طرف ہوتی ہے۔ (ج) حکم علت کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ علت موہد و مؤثر ہوتی ہے اور سبب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور شرط کے بعد وجود میں آتا ہے اور علامت سے پہچانا جاتا ہے، مثلاً نماز کی علت ارشاد باری "اقیموا الصلاة" ہے اور وقت اس کا سبب ہے، طہارت اس کی شرط ہے اور اعمال علامات ہیں (اصول و عمدہ ص ۱۰۶) (۲) فوائج ج ۲/ص ۳۰۴، التوضیح ص ۶۳۳، حسامی ص ۱۳۵، نور، ص ۳۸۰۔

(ہ) مانع

۱- تعریف:

(الف) لغوی: روکنے والا، جمع موانع۔

(ب) اصطلاحی: کسی حکم سے متعلق وہ وصف خارجی جو اس کو وجود میں آنے

سے روکے۔

یعنی اس کا پایا جانا اس حکم کے عدم وجود میں مؤثر ہو، اور نہ پائے جانے پر

تو حکم کا وجود ضروری ہو، نہ عدم وجود۔

۲- حکم:

وصف مذکور کے پائے جانے کی صورت میں اس سے متعلق حکم کا نہ پایا جانا۔

۳- اقسام:

دو ہیں: (الف) مانع از حکم وضعی۔ (ب) مانع از حکم تکلفی۔

(الف) مانع از حکم وضعی:

۱- تعریف:

وہ مانع جو کسی حکم وضعی کے وجود کو روکے۔

۲- صورتیں:

اس کی چار ہیں: (الف) انعقاد علت سے مانع۔ (ب) تمام علت سے

مانع۔ (ج) تحقیق سبب سے مانع۔ (د) تمام سبب سے مانع۔

(الف) انعقادِ علت سے مانع:

ایسا وصف جو علت کی علیت کو روکے یعنی اس کو علت نہ بننے دے، جیسے آزاد

شخص کو بیچنا، کہ اس کی آزادی، بیع جو کہ ملکیت کی علت ہے، اس کے انعقاد سے مانع ہوتی ہے، لہذا بیع منعقد نہیں ہوتی۔

(ب) تمام علت سے مانع:

وہ وصف جو علت کو تام و مکمل ہونے سے روکے، جیسے غیر کی ملکیت کا بیچنا، کہ اس صورت میں بیع منعقد تو ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جو مال بیچا جا رہا ہے اسے بیچا جاسکتا ہے، لیکن بیع تام و مکمل نہیں ہوتی، اس لیے کہ مالک کی اجازت کے بغیر ہوتی ہے۔

(ج) تحقیق سبب سے مانع:

ایسا وصف جو سبب کو سبب بننے سے روکے، جیسے نصاب، وجوب زکوٰۃ کا سبب ہے، لیکن اگر صاحب نصاب پر بقدر نصاب یا اس سے کچھ کم قرض ہو تو قرض نصاب کو اس کے حق میں وجوب زکوٰۃ کا سبب بننے سے روک دیتا ہے، اور اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

(د) تمام سبب سے مانع:

ایسا وصف جو سبب کے وجود کے بعد اس کے تام و مکمل ہونے سے مانع ہو، جیسے نصاب کا سال پورے ہونے سے پہلے ضائع ہو جانا، سبب یعنی نصاب کے ہوتے ہوئے اس کو مکمل ہونے سے روک دیتا ہے۔

(ب) مانع از حکم تکلفی:

۱- تعریف:

وہ مانع جو کسی حکم تکلفی کے وجود کو روکے۔

۲- اقسام:

تین ہیں: (الف) مانع از ابتداء حکم۔ (ب) مانع از لتمام حکم۔ (ج) مانع از لزوم و دوام حکم۔

(الف) مانع از ابتداء حکم:

ایسا وصف جو سرے سے حکم کے ترتب کو روکے جیسے خیار شرط کے ساتھ بیع کہ اختیار حکم بیع یعنی ملکیت کے ترتب کو روکتا ہے۔

(ب) مانع از تمام حکم:

وہ وصف جو حکم کے وجود کے بعد اس کے تام ہونے کو روکے، جیسے خیار رویت کے ساتھ بیع، کہ اس صورت میں بیع پر اس کا حکم یعنی ملکیت مرتب ہوتی ہے، مگر بیع تام و مکمل نہیں ہوتی۔

(ج) مانع از لزوم و دوام حکم:

وہ وصف جو حکم کے وجود کمال کے بعد اس کے لزوم اور بقاء کو روکے، جیسے ”خیار عیب“ (۱) کے ساتھ بیع، کہ اس صورت میں بیع کا حکم تام و مکمل تو ہوتا ہے، مگر یہ اختیار اس کے لزوم و بقاء سے روکتا ہے یعنی بیع کو ختم کر دینے کا حق باقی رہتا ہے۔ (۲)

(۱) (الف) ”خیار شرط“ کا مطلب ہے: کسی چیز کا اس شرط کے ساتھ بیچنا کہ تمین دن تک سوچ لیں کہ بیچنا یا خریدنا ہے یا نہیں۔ (ب) ”خیار رویت“ کا مطلب ہے: کسی ایسی چیز کو جسے خریدنے والے نے دیکھا نہ ہو، خریدنے کے بعد اگر دیکھنے پر پند نہ آئے تو واپس کرنے کا اختیار ہونا۔ (ج) ”خیار عیب“ کا مطلب ہے کسی چیز کو عیب سے خالی سمجھ کر خریدنا اور بعد میں عیب کا علم ہونے کی وجہ سے سامان کو لوٹا دینے کا اختیار ہونا۔ (۲) فوائج ج/۲، ص ۲۸۱، اصول الشاشی ص ۱۰۲-۱۰۳، لور، ص ۲۳۹، مذکرہ، موانع کی مذکورہ اقسام و تفصیلات کسی کتاب میں یکجا نہیں بیان کی گئی ہیں، لیکن تتبع و تحقیق اسی تفصیل کی مقتضی ہے۔

اصل اول

قرآن مجید

	مقدمہ	-۱
(تقسیم اول)	باب اول	-۲
(تقسیم دوم)	باب دوم	-۳
(تقسیم سوم)	باب سوم	-۴
(تقسیم چہارم)	باب چہارم	-۵
(تقسیم پنجم)	باب پنجم	-۶
	خاتمہ	-۷

مقدمہ

۱- تعریف قرآن:

(الف) لغوی لفظ "قرآن" - یا تو قرآنہ یعنی پڑھنے کے معنی میں ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ "بِأَنَّ عِبْرَةَ حَمَلَةَ وَفُرَاتَةَ" (۱) (بلاشبہ اس کا تعلق برتاؤ اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے) میں ہے۔

۲- یا مقررہ یعنی پڑھے جانے والے کے معنی میں، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ "بِأَنَّ كُرْسِيَّ ذُو الْقُرْسِيِّ أَعْرَبُ" (۲) (ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے) میں ہے۔ (۳)

(ب) اصطلاحی اللہ تعالیٰ کی جانب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہوئی کتاب جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر آج تک بغیر کسی شک و شبہ کے تواتر کے ساتھ نقل ہوتی چلی آ رہی ہے، اور آج قرآن سب سے بڑے صحائف میں موجود ہے۔ (۴)

۲- قرآن کا مصداق:

صرف وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جنہیں ہم بجا قرآن پڑھتے اور یاد کرتے ہیں، بلکہ ان الفاظ کے ساتھ ان کے معانی بھی اس کا مصداق ہیں جنہیں ہم سمجھتے اور سمجھنے میں، اور اصل کلام خداوندی بھی جس کو ان الفاظ کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے، جسے اصطلاح میں "کلام نفسی" کہا جاتا ہے، یعنی وہ کلام جو حروف و الفاظ

(۱) سورہ القیامہ: ۱۰۱ (۲) سورہ عرف: ۱۰۳ (۳) سورہ انعام: ۱۰۱ (۴) سورہ انعام: ۱۰۱ (۵) سورہ انعام: ۱۰۱
اقوال ذرا ہے جاتے ہیں (۶) سورہ انعام: ۱۰۱ (۷) سورہ انعام: ۱۰۱ (۸) سورہ انعام: ۱۰۱

صورت نہیں اختیار کرتا، رہی اس کی حقیقت تو اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ (۱)

۳۔ الفاظ قرآن باعتبار نقل:

تین قسم کے ہیں: (الف) متواتر۔ ۲۔ مشہور۔ ۳۔ شاذ و آحاد۔

(الف) متواتر:

جن کو عہد نبوی سے ایک بڑی تعداد نقل کرتی چلی آرہی ہے۔

(ب) مشہور:

جس کے ناقل ابتداء عہد میں کم ہوں اور بعد میں زائد ہو جائیں۔

(ج) شاذ و آحاد:

جس کے ناقل ایک دو افراد ہوں اور اس کی نقل کسی عہد میں معروف و

مشہور نہ ہو۔

تعریف میں ذکر کردہ قید ”تواتر کے ساتھ نقل“ سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ قرآن کے نام سے جس لفظ کی نقل تواتر کے ساتھ نہ ہو، وہ اصطلاحی طور پر قرآن نہیں کہلائے گا، یعنی وہ الفاظ جن کی نقل شہرت کے ساتھ ہے یا دو ہی ایک افراد اس کے ناقل ہیں، وہ اصطلاحی قرآن نہیں ہیں، اصطلاحی قرآن، قراء سبعہ اور قراء عشرہ کی قراءتیں ہیں، قراءات مشہورہ اور شاذہ اس میں شامل نہیں، جیسے حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما کی بعض قراءات۔

البتہ قراءات مشہورہ اور شاذہ کے درمیان حکم کے اعتبار سے یہ فرق کیا جاتا ہے کہ اول سے احکام کے حق میں استدلال کیا جاتا ہے، دوم سے نہیں، مثلاً قرآن کریم کے متواتر الفاظ میں کفارہ قسم کے تین روزوں اور رمضان کی قضاء روزوں کا ذکر ہے، اس قید کے بغیر کہ ان کو پے در پے رکھا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں دونوں کے ساتھ ایسے لفظ کی قراءت منقول ہے کہ جس کا مفہوم پے در پے ان روزوں کا رہنا ہے، مگر کفارۃ قسم کے روزوں کے ساتھ اس قید کی قراءت مشہور اور رمضان کے روزوں کی بابت شاذ ہے، اس لیے اول میں پے در پے روزے رکھنے کا حکم ہے، دوم میں نہیں۔ (۱)

۴- آیات احکام:

جن کا علم فقیہ کے لیے ضروری ہے، پانچ سو ہیں۔ (۲)

۵- اصولیین کا موضوع بحث:

قرآن کریم کے الفاظ ہیں، جو معانی کے جاننے کا ذریعہ ہیں، اگرچہ کلام سے اصل مقصود اس کے معانی ہی ہوتے ہیں اور اصولیین بھی معانی سے ہی بحث کرتے ہیں، مگر وسیذہ ہونے کی وجہ سے ان کی تمام تر تحقیقات کا مدار الفاظ ہی ہیں۔ (۳)

۶- الفاظ قرآن کی تقسیمات و اقسام:

الفاظ قرآن میں اصولیین پانچ تقسیمات جاری کرتے ہیں، اول معنی موضوع لہ کے اعتبار سے، دوم معنی کے ظہور کے اعتبار سے، سوم معنی کے خفاء کے اعتبار سے، چہارم معنی مستعمل و مراد کے اعتبار سے، پنجم لفظ سے متکلم کی مراد کو سمجھنے کی صورتوں و طریقوں کے اعتبار سے اور چونکہ ہر تقسیم کے تحت چار چار اقسام نکلتی ہیں، اس لیے کل بیس اقسام ہوتی ہیں۔ (۴)

(۱) فوائج ج ۲، ص ۱۵-۱۶، التبیح ص ۶۹، منال القرآن ج ۱، ص ۲۰۔ (۲) نور، ص ۶، المدخل ص ۲۱ و ۳۱۳، تفسیر النصوص ج ۱، ص ۵۳، فوائج ج ۲، ص ۲۶۳۔ (۳) نور، ص ۱۱، منال ج ۱، ص ۱۶۔ (۴) نور، ص ۱۱-۱۳، حسامی و نظامی ص ۴۔

ادوات الیه

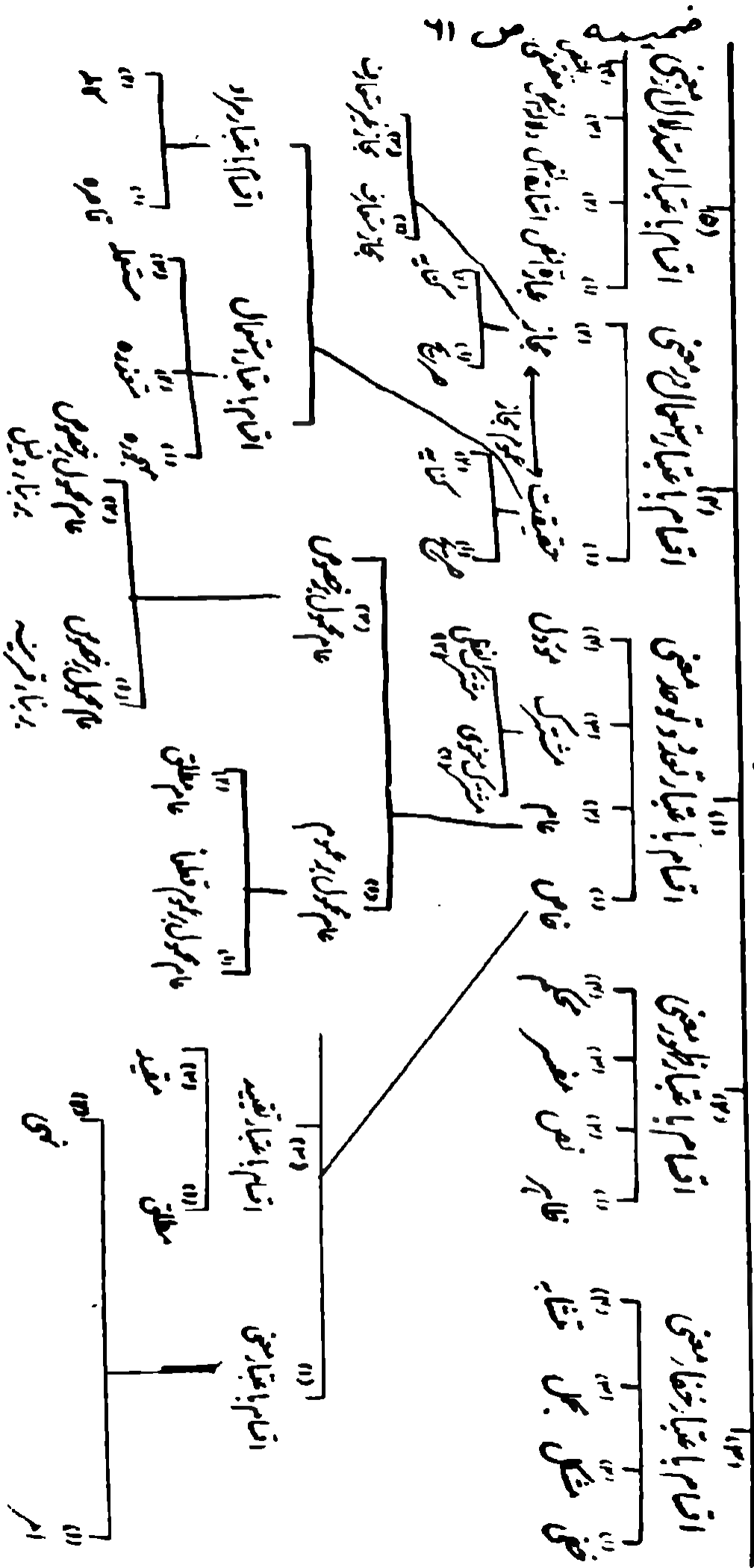
اجتهاد

ایمان

لفظ

قرآن کریم

سنت



باب اول

در

تقسیم اول

(معنی موضوع لہ کے اعتبار سے)

معنی موضوع لہ یعنی وہ معنی جس کے لیے لفظ کو وضع و اختیار کیا جاتا ہے، اس معنی کے اعتبار سے لفظ کی چار اقسام ہیں:

۱- خاص - ۲- عام - ۳- مشترک - ۴- مؤؤل - (☆)

ان میں سے اول و دوم اور سوم و چہارم ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں۔

خاص	در بیان	فصل اول
عام	//	فصل دوم
مشترک	//	فصل سوم
مؤؤل	//	فصل چہارم

فصل اول

خاص

۱- تعریف:

خاص وہ لفظ ہے جس کو کسی ایک معنی پر اطلاق کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

۲- توضیح:

خاص کا ایک معنی پر اطلاق کے لیے وضع کیا جاتا ہے، یہ متعصب نہیں رکھتا کہ اس کا اطلاق جس معنی پر ہوتا ہے، اس کا مصدرق فرد واحد ہوتا ہے، بلکہ اس کا مصدرق جمع بہت سے افراد پر بھی ہوتا ہے، مگر خاص میں ان افراد پر نظر نہیں ہوتی بلکہ اس ایک حقیقت و مفہوم پر ہوتی ہے جو ان افراد میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں، اس لیے خاص کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں:

(الف) خاص جنسی:

وہ لفظ جس کو ایک جنس کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے انسان۔

(ب) خاص نوعی (مذکر):

وہ لفظ جس کو ایک نوع کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے مرد اور عورت۔

(ج) خاص ایجابی: ایسے خاص جن کو دو یا دو سے زیادہ معنیوں کے ساتھ ساتھ استعمال کیا جاسکے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو ایجابی خاص کہتے ہیں۔ (د) خاص مطلق: ایسے خاص جن کو کوئی ایک معنی ہی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو مطلق خاص کہتے ہیں۔ (ه) خاص کمالی: ایسے خاص جن کو کمالی معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو کمالی خاص کہتے ہیں۔ (و) خاص مقابلی: ایسے خاص جن کو مقابلی معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو مقابلی خاص کہتے ہیں۔ (ز) خاص ترکیبی: ایسے خاص جن کو ترکیبی معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو ترکیبی خاص کہتے ہیں۔ (ح) خاص تفریقی: ایسے خاص جن کو تفریقی معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو تفریقی خاص کہتے ہیں۔ (ط) خاص استثنائی: ایسے خاص جن کو استثنائی معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو استثنائی خاص کہتے ہیں۔ (ث) خاص شکی: ایسے خاص جن کو شکی معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو شکی خاص کہتے ہیں۔ (جھ) خاص تلمیحی: ایسے خاص جن کو تلمیحی معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو تلمیحی خاص کہتے ہیں۔ (چ) خاص کنایہ: ایسے خاص جن کو کنایہ معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو کنایہ خاص کہتے ہیں۔ (چھ) خاص عین: ایسے خاص جن کو عین معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو عین خاص کہتے ہیں۔ (چٹ) خاص مجاز: ایسے خاص جن کو مجاز معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو مجاز خاص کہتے ہیں۔ (چچ) خاص استعارہ: ایسے خاص جن کو استعارہ معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو استعارہ خاص کہتے ہیں۔ (چجھ) خاص تشبیہ: ایسے خاص جن کو تشبیہ معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو تشبیہ خاص کہتے ہیں۔ (چچھ) خاص استمطاف: ایسے خاص جن کو استمطاف معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو استمطاف خاص کہتے ہیں۔ (چچھ) خاص استمطاف: ایسے خاص جن کو استمطاف معنی ہے، جیسے انسان اور وحش۔ ایسے خاص کو استمطاف خاص کہتے ہیں۔

”انسان“ اور ”مرد و عورت“ باوجود اس کے کہ ان کے افراد بہت ہیں، خاص ہیں، اس لیے کہ ان کی وضع میں ان افراد میں مشترک حقیقت و مفہوم کا لحاظ کیا گیا ہے۔

(ج) خاص فردی:

وہ لفظ جو ایک فرد یا شی واحد کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے اشخاص و مقامات وغیرہ کے نام۔

(د) خاص وصفی:

وہ لفظ جس کو کسی ایک وصف کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے علم و جہل۔

(ه) خاص عددی:

وہ لفظ جس کو کسی متعین عدد و گنتی کے لیے وضع کیا گیا ہو، جیسے اسماء عدد یعنی وہ

الفاظ جو اعداد و شمار کو بتاتے ہیں۔ (۱)

۳- احکام:

(الف) خاص کا مدلول قطعی، ہر قسم کے احتمالات سے خالی اور اس پر عمل

لازم ہوتا ہے۔

(ب) اگر کوئی دلیل خاص کے مدلول کے قطعی نہ ہونے پر دلالت کرے تو

= بنیادی غرض خدمت ہے، اور عورت سے متعلق بنیادی غرض محبت ہے، اس لیے تمام مرد ایک نوع اور تمام عورتیں ایک نوع ہیں اور ”انسان“ چونکہ دونوں کو شامل ہے اور دونوں سے متعلق فوائد مختلف ہیں، اس لیے جنس ہے، جبکہ مناطقہ اس کو نوع کہتے ہیں (نور، ص ۱۳)۔

(۱) مذکورہ تفصیلات سے واضح ہو گیا ہے کہ خاص کا مصداق فرد واحد بھی ہوتا ہے، اور ایسا مفہوم بھی جس کا اطلاق ایک سے زائد افراد بلکہ پوری جماعت پر ہو، چنانچہ انسان اور مرد و عورت کا مصداق پوری جماعت ہے، اسی طرح اعداد کا مصداق بھی ایک سے زائد افراد ہوتے ہیں جو حقیقتاً ایک سے زائد ہوتے ہیں، مگر ایک مفہوم کے صادق آنے کی وجہ سے ایک مانے جاتے ہیں، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ خاص کی وحدت کبھی حقیقی ہوتی ہے اور کبھی اعتباری، اسماء اعداد وغیرہ کی وحدت اعتباری ہے (تفسیر ج ۲، ص ۱۶۲، التوضیح ج ۱، ص ۳۳، قر، ص ۱۳)۔

وہ قطعی نہیں ہوگا۔ (۱)

(ج) اگر کوئی خبر واحد یا قیاس مفہوم کے اعتبار سے خاص کے مخالف ہو کہ اس سے خاص کے بالکل برخلاف کوئی مضمون ثابت ہوتا ہو، یا خاص کے مفہوم پر کوئی اضافہ ہوتا ہو، تو اگر اصول کی رو سے دونوں پر عمل کی کوئی صورت نکلتی ہو، تو دونوں پر عمل کریں گے، ورنہ حدیث و قیاس کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (۲)

۴۔ امثلہ برائے توضیح احکام:

(الف) نماز کی بابت حکم ہے: ”یا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا“ رکوع و سجود کا ایک خاص مفہوم ہے، رکوع کا حاصل ہے کسی قدر سر کو جھکا لینا، جس کی حقیقت میں طمانینت یعنی رکوع کی کیفیت مسنونہ داخل نہیں، اس لیے جس حدیث میں اس کے بغیر نماز نہ ہونے کا ذکر ہے، دونوں کو یوں جمع کریں گے کہ اصل حقیقت تو فرض ہے اور طمانینت واجب ہے۔ (۳)

(ب) عدت کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ”والمطلقات یتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء“ (۴) (اور طلاق والی عورت میں تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رہیں)۔

لفظ ”قروء“ کے معنی حیض و طہر دونوں کے ہیں، اور حیض مؤنث اور طہر مذکر استعمال ہوتا ہے، قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ثلاث کا لفظ چونکہ تاء کے ساتھ یعنی مؤنث استعمال ہوا ہے، اس لیے عربیت کی رو سے لفظ قروء کو یہاں طہر کے معنی میں قرار دیا جائے، مگر چونکہ اس صورت میں ثلاث کا جو خاص مفہوم تین کا ہے وہ نہیں پورا ہوتا، اس لیے اس قیاس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ (۵)

(۱) کشف الاستار ج ۱، ص ۸۹-۸۰، احوال السنہ فی ج ۱، ص ۱۲۸، حرمای ص ۵۱۔ (۲) اصول اشاعی ص ۶۔ (۳) کشف ج ۱، ص ۹۱، اصول اشاعی ص ۱۰-۱۱۔ (۴) سورہ بقرہ ۲۸۔ (۵) کشف ج ۱، ص ۸۰، اصول ج ۱، ص ۱۲۸، نور ص ۱۲۔

۵- اقسام:

خاص کی بہت سی اقسام ہیں لیکن فقہاء خاص طور سے چار اقسام سے بحث کرتے ہیں: امر و نہی اور مطلق و مقید، اس لیے کہ اکثر و بیشتر آیات و احکام کا انہیں چاروں سے تعلق ہے، اور ان میں بھی پہلی دو کیونکہ احکام شرع جتنے ہیں ان کا حاصل یا تو کرنے کا مطالبہ ہے یا نہ کرنے کا، اول کو ”امر“ اور دوم کو ”نہی“ کہتے ہیں (۱)، اس لیے ان چاروں اقسام سے متعلق تفصیلات ذکر کی جا رہی ہیں:

بحث اول: در بیان امر۔ (☆)

بحث دوم: در بیان نہی۔

بحث سوم: در بیان مطلق و مقید۔

(۱) المدخل ص ۱۶۰-۱۶۱، تفسیر ج ۲ ص ۱۶۱-۱۶۲، نور ص ۲۳۔

(۲) چونکہ اصولین کی نظر اصلاً معانی پر ہوتی ہے، اس لیے وہ امر و نہی کے معنیوں سے بحث نہیں کرتے جو فعل مضارع میں کسی قدر ترجمہ سے بنا کرتے ہیں، بلکہ ان سے حاصل ہونے والے معنی و مفہوم اور ان کے مملولات کے قدر مشترک سے بحث کیا کرتے ہیں۔

مبحث اول

امر

۱- تعریف:

- (الف) لغوی: امر، بمعنی حکم کرنا، اور حکم جمع اوامر۔
 (ب) اصطلاحی: برتری کی بنیاد پر کسی کام کا لزومی طور پر مطالبہ کرنا۔ (۱)
 برتری خواہ حقیقی ہو یا فرضی، یعنی یہ کہ مطالبہ کرنے والا خود محسوس کرتا ہے،
 حالانکہ برتری اسے حاصل نہ ہو۔ (۲)

۲- احکام:

- (الف) امر کے لیے صیغہ امر یعنی کسی ایسے لفظ کا ہونا ضروری ہے جو مذکورہ
 بالا مفہوم کی ادائیگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (۳)
 (ب) امر اصلاً اور عام طور سے لزوم یعنی فرضیت و وجوب کے لیے آتا ہے،
 خواہ کسی چیز کی بابت ممانعت کے بعد ہو یا اس کے بغیر، قرآن کی بنا پر کبھی دوسرے
 معانی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ (۴)
 (ج) محض امر، مامور بہ کی تکرار کا تقاضا نہیں کرتا، کسی حکم میں تکرار کا ثبوت
 دوسری نصوص اور قرآن و اسباب کی وجہ سے ہوتا ہے، مثلاً نماز کا ہر دن میں پانچ مرتبہ
 پڑھنا فرض ہے، اس کے سبب یعنی وقت کی تکرار کی وجہ سے۔ (۵)

فواع ج ۱/ ص ۳۶۹، نور، ص ۲۳-۲۵۔ (۲) نور، ص ۲۵۔ (۳) فواع ج ۱/ ص ۱۱، ۳۶۷، نظامی ص ۲۸، نور،
 ص ۲۵۔ (۴) فواع ج ۱/ ص ۱۱، ۳۷۳، ۳۷۹، نور، ص ۲۷، کشف ج ۱/ ص ۱۲۰، امر کے صیغوں اور دوسرے
 معانی کا ذکر آگے آرہا ہے۔ (۵) کشف ج ۱/ ص ۱۲۳، فواع ج ۱/ ص ۳۸۰، نور، ص ۳۱۔

- (د) نفس مامور بہ کے ساتھ اس کے مقدمات بہ لازم ہوتے ہیں، جیسے وضو نماز کے مقدمات میں سے ہے، تو نماز کی طرح وہ بھی لازم ہے۔ (۱)
- (ه) امر کے ذریعہ لزوم کبھی ایک متعین چیز کا اور کبھی چند معلوم چیزوں سے کسی ایک کا ہوتا ہے، جیسے قسم کے کفارہ میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، ان کو کپڑا پہنانا اور ایک غلام کو آزاد کرنا، ان تینوں میں سے کسی ایک کا کرنا ضروری ہے۔ (۲)
- (و) شرعاً ہر مامور بہ کے اندر حسن کا پایا جانا ضروری ہے۔ (۳)

۳- امر کے صیغے:

- یعنی وہ الفاظ جو ”امر“ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں:
- (الف) فعل امر، خواہ غائب کے لیے ہو یا حاضر کے لیے۔
- (ب) اسم فعل، جو امر کے معنی میں ہو، جیسے ”دونک“ وغیرہ۔
- (ج) مصدر، جو فعل امر کے قائم مقام ہو، جیسے ”فضرب الرقاب“ (۴)
- میں ضرب ”اضر بوا“ فعل امر کا قائم مقام ہے، اسی لیے مفہوم ہے: ”گردنیں مارو۔“
- (د) غیر فعل امر، جو طلب کے معنی میں مستعمل ہو، جیسے ”والوالدات یرضعن“ (۵) (اور مائیں دودھ پلائیں) میں ”یرضعن“ جو اصلاً فعل مضارع ہے، مگر یہاں طلب یعنی امر کے مفہوم میں ہے۔ (۶)

۴- فعل امر کے معانی:

فعل امر متعدد معانی میں مستعمل ہوتا ہے، جن کی تعداد بیس تک بتائی جاتی ہے، مگر اس کا اصل اور عمومی طور پر مراد لیا جانے والا مفہوم وجوب و لزوم کا ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے، دوسرے معانی کا مراد لینا قرآن پر موقوف ہے، جن کی تفصیلات آپ کو کتب بلاغت میں مل جائیں گی اور بہت سی کتب فقہ میں بھی۔ (۷)

(۱) فوارج ج ۱/۱، ص ۹۵۔ (۲) ایضاً ص ۶۶۔ (۳) التوضیح ص ۳۷۱۔ (۴) سورہ محمد ۴/۱۔ (۵) سورہ بقرہ ۲۳۳۔ (۶) تفسیر ج ۲/۱، ص ۲۳۵۔ (۷) فوارج ج ۱/۱، ص ۳۷۲، کشف ج ۱/۱، ص ۱۰۷، قرہ ص ۲۷۱۔

۵- فعل امر سے استجاب و اباحت کا ثبوت:

فعل امر کے دوسرے معانی میں سے اہم اور فقہ سے تعلق رکھنے والے، معانی ہیں: استجاب و اباحت، کہ امر کبھی کبھی قرآن کی بنا پر ان میں سے کسی ایک پر دلالت کرتا ہے:

(الف) استجاب کی مثال:

جیسے ”كَاتِبُوْهُ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا“ (۱) حکم ہے کہ اگر غلاموں میں بہتری محسوس کرو تو ان سے کچھ لے کر ان کی آزادی کا معاملہ کراؤ، یہ حکم استجابی ہے۔

(ب) اباحت کی مثال:

”كُلُوْا وَاَشْرَبُوْا“ (۲) کھاؤ اور پیو۔ (۳)

۶- تقسیمات:

امر میں پانچ تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) باعتبار حسن۔ (ب) باعتبار پابندی وقت۔ (ج) باعتبار تعیین

ذات مامور بہ۔ (د) باعتبار تحدید مقدار۔ (ه) باعتبار ذات مامور بہ۔

(الف)

امر کی تقسیم اول

(باعتبار حسن مامور بہ)

مامور بہ کے ”حسن“ کے اعتبار سے امر کی دو اقسام ہیں:

۱- حسن لعینہ اور ۲- حسن لغیرہ۔

۱- حسن لعینہ:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ کا جس کا حسن ذاتی ہو، بالواسطہ نہ ہو۔

(ب) صورتیں:

اس کی دو صورتیں ہیں:

اول وہ فعل جس کا حسن اس کی وضع کے اعتبار سے ہو، یعنی جس کی وضع و حقیقت میں حسن داخل ہو، جیسے ایمان، منعم حقیقی کے شکر کی بجا آوری ہے، اور نماز تعظیم پر مشتمل اقوال کے مجموعہ کا نام ہے اور انعام و احسان کرنے والے کا شکر یہ ادا کرنا اور تعظیم و تکریم اپنی حقیقت کے اعتبار سے عمدہ و پسندیدہ افعال ہیں۔

البتہ ایمان اور نماز میں باعتبار حکم یہ فرق ہے کہ ایمان کا مطالبہ اور حسن کسی حال میں نہیں ساقط ہوتا، اور نماز کا مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے، خواہ اس کو ادا کر لینے کی وجہ سے ہو یا خود آمر کے معاف کر دینے کی وجہ سے، جیسے حائض و نفساء (حیض و نفاس والی عورت) کے حق میں۔

دوم وہ فعل جس کا حسن بالواسطہ ہو، اور وہ فعل جو حسن کا واسطہ بن رہا ہو، غیر اختیاری ہو، جیسے زکوٰۃ و روزہ وغیرہ کہ ان کا حسن ذاتی نہیں بلکہ زکوٰۃ کا حسن حاجت مند کی حاجت کو پورا کرنے اور روزہ کا حسن، اللہ کے لیے نفس کو خواہشات سے روکنے کی وجہ سے ہے، اور حاجت مند کی حاجت و نفس کی خواہشات بندوں کے اختیار کی چیزیں نہیں ہیں۔

۲- حسن لغیرہ:

وہ مامور بہ جس کا حسن ذاتی نہ ہو، بالواسطہ ہو۔

اور جو فعل حسن کا واسطہ بن رہا ہو، وہ اختیاری ہو، پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

اول مامور بہ کو ادا کرنے کی وجہ سے وہ غیر جو واسطہ بن رہا ہو، وہ بھی ادا ہو جائے، جیسے ”نماز جنازہ“ کا حسن، میت کے اسلام کی تعلیم کی تعظیم کی وجہ سے ہے، نماز پڑھنے سے اس کی تعظیم ہو جاتی ہے۔

دوم مامور بہ کو ادا کرنے کے بعد اس واسطہ کو بھی ادا کرنے کی ضرورت ہو، حسن کے لیے واسطہ بن رہا ہو، جیسے نماز جمعہ کے لیے سعی کا حسن، نماز جمعہ کی وجہ سے ہے، سعی کے بعد، نماز جمعہ کی ادائیگی بھی لازم ہے، محض سعی کر لینے سے چھٹی نہیں ہوتی۔

(ج) احکام:

حسن لعینہ کا وجوب خود اس کو کرنے یا کسی عارض کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، جیسا کہ نماز کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے، اور حسن لغیرہ کا وجوب و مطالبہ غیر کے وجوب پر موقوف ہوتا ہے۔ (۱)

(ب)

امر کی تقسیم دوم

(وقت کی پابندی و عدم پابندی کے اعتبار سے)

وقت کی پابندی اور عدم پابندی کے اعتبار سے مامور بہ کی دو اقسام ہیں:
۱۔ مطلق۔ ۲۔ موقت۔

۱۔ مطلق:

(الف) تعریف:

۱۔ لغوی: خالی و آزاد۔

۲- اصطلاحی: وہ مامور بہ جس کی ادائیگی کے لیے کسی خاص وقت کی پابندی نہ ہو۔

(ب) حکم:

مامور بہ کا مطالبہ اور لزوم فوری نہیں ہوتا، تاخیر کی گنجائش و اجازت ہوتی ہے، اور تعمیل مطلوب و مستحب، بشرطیکہ تاخیر کی وجہ سے فوت نہ ہو جائے، یعنی کرنے سے رہ نہ جائے۔

(ج) مثال:

زکوٰۃ، اس کی ادائیگی کے لیے کوئی وقت لازمی طور پر متعین نہیں ہے، سال پورا ہونے پر اس کا وجوب ہوتا ہے، ادائیگی جب چاہے کر لے، سال پورا ہونے سے پہلے یا سال پورا ہوتے ہی، یا اس کے کچھ یا کافی عرصہ بعد، مگر ادائیگی سے رہ نہ جائے۔

۲- موقت: (اس کو ”مقید“ بھی کہتے ہیں)

(الف) تعریف:

۱- لغوی: وہ چیز جس کا وقت متعین کر دیا گیا ہو۔

۲- اصطلاحی: وہ مامور بہ جس کی ادائیگی کے لیے کوئی خاص وقت متعین ہو۔

(ب) حکم:

مختلف اقسام کے اعتبار سے مختلف ہے، تفصیل آرہی ہے۔

ویسے اگر وقت گنجائش رکھتا ہو تو اس حد تک تاخیر جائز ہے کہ وقت کے ختم

ہونے سے پہلے اسے ادا کر لے اور اگر وقت تنگ ہو تو فوری ادائیگی ضروری ہے۔

(ج) اقسام:

چار ہیں: ۱- وقت ظرف اور سبب وجوب و شرط ادائیگی ہو۔ ۲- وقت معیار

اور سبب وجوب ہو۔ ۳- وقت سرف معیار ہو۔ ۴- وقت معیار اور ظرف ہو۔

قسم اول:

۱- تعریف:

وہ مامور بہ جس کے لیے وقت ظرف بھی ہو اور سبب و وجوب و شرط ادا بھی۔

ظرف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مامور بہ پورے وقت کو گھیرے نہ ہو، یعنی وقت کے اندر اس طور پر ادا ہو کہ اس کی ادائیگی کے بعد وقت کا کچھ حصہ بچ رہے اور اگر آدمی چاہے تو وقت کے اندر اس مامور بہ کے جیسا کوئی دوسرا عمل کر سکے۔

سبب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وقت مامور بہ کے وجوب میں مؤثر ہو، شرط ادا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بغیر یعنی اس سے پہلے مامور بہ کی ادائیگی صحیح نہ ہو۔

۲- حکم:

نیت کے ذریعہ اس مامور بہ کی تعیین ضروری ہے۔

۳- مثال:

فرض نماز، مامور بہ موقت ہے، اور اس کے اوقات میں تینوں چیزیں پائی جاتی ہیں۔

وقت نماز کے لیے ظرف بھی ہوتا ہے کہ کسی نماز کی ادائیگی میں اس کا پورا وقت نہیں صرف ہوتا، بلکہ چھ حصہ نہ ور بچ رہتا ہے اور وقت نماز کے لیے سبب و وجوب بھی ہے اور وقت ہی نماز ہے وجوب کا باعث ہوتا ہے اور وقت شرط ادا بھی ہے کہ وقت آئے بغیر ولی نماز ادا نہیں ہوتی، لہذا وجوب ولی نماز پر بھی بانی نیت کے ذریعہ اس کی تعیین لڑینی چاہیے کہ یہ فلاں نماز ہے۔

قسم دوم:

۱- تعریف:

وہ موقت جس کے لیے وقت معیار اور سبب وجوب ہو۔
 معیار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مامور بہ پورے وقت کو گھیرے ہو۔
 لہذا اس کے علاوہ اس جیسا کوئی دوسرا عمل اس وقت میں نہ کیا جاسکے حتیٰ کہ
 وقت کی درازی و کوتاہی کے اعتبار سے مامور بہ کے اندر بھی درازی و کوتاہی پیدا ہو۔
 ۲- حکم:

ایسا مامور بہ، خود اسی مامور بہ کی نیت یعنی فرضیت کی تصریح کے ساتھ اور
 وصف میں غلطی کے ساتھ کہ فرض کے بجائے نفل کہہ دیا جائے، نیز مطلق اس کی نیت
 کہ بس عمل کا تو دھیان کیا جائے مگر فرض و نفل کی کوئی قید نہ ہو، تینوں صورتوں میں ادا و
 صحیح ہو جاتا ہے، یہی نہیں بلکہ اگر قصد انا مامور بہ کے بجائے دوسرے کی نیت کرے تو
 بھی بعض صورتوں میں ”فرض مامور بہ“ کی ہی ادائیگی ہوتی ہے۔
 اس مامور بہ کے وقت میں نہ تو اس جیسا کوئی دوسرا عمل واجب ہو سکتا ہے اور
 نہ ہی اس کی ادائیگی صحیح ہے بلکہ اسی مامور بہ کا ادا کرنا ضروری ہے۔

۳- مثال:

رمضان کا روزہ۔

وقت اس کے لیے معیار بھی ہے کہ روز پورے وقت کو گھیرے ہوتا ہے اور
 اس کے وقت یعنی طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک نہ تو دوسرا روزہ
 واجب ہو سکتا ہے، اور نہ ادا ہو سکتا ہے اور وقت اس کا سبب وجوب بھی ہے اور خواہ
 فرض روزہ کی نیت کرے یا غلطی سے نفل بہہ دے، یا کسی دوسرے واجب روزہ کی
 نیت کرے، یا صرف روزہ کی نیت کرے، اسی روزہ کی ادائیگی ہوگی۔

قسم سوہا

۱- تعریف:

وہ موقت جس کے لیے وقت صرف معیار ہو۔

۲- حکم:

نیت میں تعیین ضروری ہے، اور وقت کے آنے سے پہلے ہی نیت کرنا بھی، اس لیے کہ اسی وقت میں اس جیسا دوسرا عمل لازم بھی ہو سکتا ہے اور اداء بھی۔

۳- مثال:

رمضان کے قضا روزے، اور وہ نذر روزہ جس کے لیے وقت متعین نہ کیا گیا ہو، ان کے لیے وقت صرف ”معیار“ ہے، اور ان کی ادا نیگی کے لیے نیت میں تعیین ضروری ہے کہ آج فلاں روزہ رکھا جا رہا ہے اور رات سے یعنی کم از کم طلوع صبح صادق سے پہلے نیت کرنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ جس دن یہ روزہ رکھا جائے اس دن دوسرا روزہ واجب بھی ہو سکتا ہے اور اداء صحیح بھی۔

قسم چہارم:

۱- تعریف:

وہ موقت جس کے لیے وقت معیار و ظرف ہو۔

معیار بایں معنی کہ پورے وقت میں اس جیسا ایک ہی عمل واجب ہو اور ایک ہی ادا کیا جاسکے۔ اور ظرف بایں معنی کہ اس کی ادا نیگی کے بعد وقت بچ رہے۔

۲- حکم:

اس مامور بہ کی نیت سے بھی ادا ہو جاتا ہے اور مطلق اس عمل کی نیت سے بھی یعنی واجب کی قید لگائے بغیر بھی۔

۳- مثال:

حج، وقت اس کے لیے معیار بھی ہے اور ظرف بھی۔
 معیار یوں ہے کہ پوری زندگی میں ایک مرتبہ فرض ہوتا ہے اور اس کی
 ادائیگی کے جو اوقات متعین ہوں، ان میں ایک ہی حج کیا جاسکتا ہے۔
 ظرف یوں کہ پوری عمر اور پورے اوقات کو اعمال حج گھیرے نہیں ہوتے،
 فرض حج کی ادائیگی فرض کی نیت سے بھی ہو جاتی ہے اور مطلق حج کی نیت سے
 بھی، دوسرے واجب یا نفل کی نیت کر لینے سے فرض حج ادا نہیں ہوتا۔ (۱)
 ان چار اقسام میں سے دوسری میں بے عذرتا تاخیر جائز نہیں ہے، اس لیے کہ
 فرض روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ متعین ہے، البتہ نماز کو وقت کے اندر فوراً نہ
 پڑھنا، قضا و نذر روزوں کی تاخیر اور حج کی تاخیر جائز ہے، بشرطیکہ یہ اعمال ادائیگی سے
 رہ نہ جائیں اور نماز قضا نہ ہو جائے۔

(ج)

تقسیم سوم

(مامور بہ کے تعین و عدم تعین کے اعتبار سے)

یہ ضروری نہیں ہے کہ مامور بہ ہمیشہ کوئی ایک متعین چیز ہو، اس لیے مامور بہ
 کے تعین کے اعتبار سے مامور بہ کی دو اقسام ہیں: ۱- مامور بہ معین۔ ۲- مامور بہ مخیر۔
 ۱- مامور بہ معین:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جس کی ایک صورت شارع و شریعت نے متعین کر دی ہو۔

(۱) فوایح ج/۱/ص/۶۹-۷۳، ۱۸۳، شف ن/۱/ص/۲۵۱ و ما بعد، التحریر ج/۱/ص/۳۱۵-۳۱۶، حسامی و نظامی
 ص/۳۵۴۳۰۔

(ب) حکم:

مامور بہ پر عمل کے لیے اس صورت کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

(ج) مثال:

نماز، روزہ وغیرہ۔

(د) تشبیہ:

”مامور بہ معین“ میں تعین کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱- ہر حال و ہر شخص کے لیے ایک ہی صورت ہو، جیسے اوپر کی مثالیں کہ ہر حال و ہر شخص کے لیے ہیں۔

۲- یوں تو مامور بہ کی متعدد صورتیں ہیں، مگر مکلف کے الگ الگ حالات کے اعتبار سے کوئی ایک متعین و مطلوب ہو، جیسے کفارہ ظہار“ (۱) میں تین چیزیں ہیں، مگر مختلف حالات کے اعتبار سے ایک ہی ایک مطلوب ہوتی ہے، اگر قدرت ہو تو غلام آزاد کرنا، اس کی قدرت نہ ہو اور طاقت ہو تو پے در پے ساٹھ روزے رکھنا اور یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا۔

۲- مامور بہ مخیر: (جسے مبہم بھی کہہ دیا کرتے ہیں)

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جو چند صورتوں کے درمیان دائر ہو اور شریعت نے ان صورتوں کو متعین کر کے کسی ایک پر عمل کا اختیار دیا ہو۔

(ب) حکم:

کسی ایک پر عمل سے مطالبہ پورا ہو جاتا ہے۔

(۱) ظہار کا حاصل یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو اس سے مخصوص انتفاع کے حق میں اپنی ماں کی مانند قرار دے لے، یعنی ماں سے تشبیہ دے کر حرام قرار دے لے تو اس کو یہ کفارہ ادا کرنا ہوتا ہے۔

(ج) مثال:

کفارہ قسم، جس کی شریعت نے تین صورتیں ذکر کر کے کسی ایک پر عمل کا اختیار دیا ہے، دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، یا کپڑا پہنانا، یا ایک غلام کو آزاد کرنا، البتہ اگر کوئی آدمی تینوں میں سے کسی کو نہ کر سکے تو تین روزے رکھے۔ (۱)

(د)

تقسیم چہارم

(مامور بہ کی تحدید و عدم تحدید کے اعتبار سے)

مامور بہ کے کرنے کے وقت و مقدار کی تحدید اور تعین و عدم تعین کے اعتبار سے مامور بہ کی دو اقسام ہیں: ۱- محدود۔ ۲- غیر محدود۔

۱- محدود:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جس کے لیے شریعت نے کسی وقت یا مقدار و عدد کو متعین کر دیا ہو۔

(ب) حکم:

شریعت کی متعین کردہ حد کے مطابق کسی کمی و اضافہ کے بغیر مامور بہ کو کرنا۔

(ج) مثال:

نماز و روزہ، کہ ان کی مقدار بھی متعین ہے اور وقت بھی، اور دونوں کی پابندی مطلوب ہے۔

۲- غیر محدود:

(الف) تعریف:

وہ مامور بہ جس کا مطالبہ کسی وقت و مقدار کی تعیین کے بغیر ہو، یعنی یہ بتایا جائے کہ کتنا کرنا ہے اور کب تک۔

(ب) حکم:

موقع و محل کے تقاضے کے مطابق کسی وقت و پابندی کے ساتھ بغیر مقصد کے حاصل ہونے تک کرتے رہنا۔

(ج) مثال:

جہاد، ایسے ہی امر بالمعروف (بھلائی کا حکم) و نہی عن المنکر (برائی سے روکنا)، ان امور کے لیے نہ تو کوئی وقت متعین ہے اور نہ مقدار، حسب ضرورت جب تک مقصد حاصل نہ ہو، جس کی خاطر شریعت نے ان کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، انھیں کرتے رہنے کا حکم ہے۔ (۱) (☆)

(۱) مذکرہ۔ (۶۶) (الف) پانچویں تقسیم مامور بہ کی ذات کے اعتبار سے باہم معنی ہے کہ اس کے کرنے کا مطالبہ سب سے ہے یا بعض سے، اس لحاظ سے بھی مامور بہ کی دو اقسام ہیں ۱- یعنی ۲- کفائی۔ ۱- یعنی وہ مامور بہ جس کا ہر ایک سے کرانا مطلوب ہو، جیسے فرض نمازیں۔ ۲- کفائی: وہ مامور بہ جس کو اگر بعض بھی کر لیں تو سب بری قرار پائیں، جیسے نماز جنازہ۔ تفصیل فرض کے تحت فرض اور فرض کفائیہ کے عنوان سے گزر چکی ہے۔ (ب) ذکر کیا جا چکا ہے کہ امر عموماً لزوم کا تقاضا کرتا ہے، اسی لزوم کو اصولیین عام طور سے واجب سے تعبیر کرتے ہیں اور فرض دو واجب کی بحث میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ”واجب“ فرض اصطلاحی اور ”واجب اصطلاحی دونوں کو شامل ہوتا ہے، اس لیے خیال رہے کہ مامور بہ سے متعلق مباحث کا تعلق ”فرض“ و ”واجب“ دونوں سے ہوگا۔

اقسام وجوب

امر سے وجوب کا ثبوت ہوتا ہے اور وجوب کے دو مراحل یا دو اقسام ہیں:

۱- نفس وجوب۔ ۲- وجوب اداء۔

۱- نفس وجوب:

(الف) تعریف:

کسی حکم کا انسان پر لازم ہونا۔

(ب) ذریعہ ثبوت:

سبب کا وجود کہ سبب ”نفس وجوب“ کا باعث بنا کرتا ہے۔

(ج) حکم:

واجب کو کر لینے پر واجب ذمہ سے ادا و ساقط ہو جاتا ہے اور نہ کرنے پر نہ تو

ادا نیگی کا مطالبہ ہوتا ہے اور نہ ہی قضا کا حکم لگتا ہے۔

(د) مثال:

زکوٰۃ کے لیے بقدر نصاب مال کا ہونا، ”نفس وجوب“ کا سبب ہے، کسی

کے پاس اتنا مال ہونے پر اس کے ذمہ میں زکوٰۃ کا وجوب ہوتا ہے، بایں معنی کہ اگر

زکوٰۃ دے دے تو ادا ہو جائے گی، لیکن ادا نیگی کا مطالبہ نہیں ہوتا، ایسے ہی نماز کا وقت

آجانے پر نفس وجوب کا تحقق ہو جاتا ہے، مگر وقت کے آتے ہی ادا نہ کرنے پر قضا کا

حکم نہیں لگتا۔

۲- وجوب اداء:

(الف) تعریف:

کسی حکم کی ادائیگی کا لازم ہونا۔

(ب) ذریعہ ثبوت:

امر، یعنی اس کے کرنے کا حکم و مطالبہ کہ امر سے نفس وجوب کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ وجوب ادا کا ثبوت ہوتا ہے، مثلاً نماز کا ”نفس وجوب“ وقت کی وجہ سے اور زکوٰۃ کا ”نفس وجوب“ بقدر نصاب مال کی وجہ سے ہوتا ہے، مگر دونوں کی ادائیگی کا مطالبہ نص قرآنی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ (۱)

(ج) شرط:

مامور کا مامور بہ کی ادائیگی پر قادر ہونا۔

اور قدرت کی دو اقسام ہیں: ۱- قدرت قاصرہ، ۲- قدرت کاملہ۔

۱- قدرت قاصرہ: (☆)

(الف) تعریف:

مامور بہ کو ادا کر سکنے کی کم سے کم قوت و صلاحیت۔

(ب) حکم:

۱- یہ قدرت ہر مامور بہ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، اس کے بغیر بندے سے کسی فعل کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں ہوتا۔ ۲- نیز یہ کہ اس کا حقیقتاً پایا جاتا

(۱) فروع ج ۱، ص ۸۴-۸۵، نظامی و نظامی ص ۳۵، التوحیح ص ۲۲۹-۲۳۲۔

(۲) قدرت قاصرہ و قہارہ، ”قدرت مطلقہ“ (ہر قسم کی قید و شرط سے خالی قدرت) اور ”قدرت مکتبہ“ (مامور بہ کی ادائیگی پر قادر بنانے والی، قابو و ملاحظہ کرنے والی قدرت) سے بھی تعبیر کرتے ہیں، جیسے ”قدرت کاملہ“ کے لیے ”قدرت مکتبہ“ اور ”قدرت مطلقہ“ (مامور بہ کی ادائیگی میں ہولت پیدا کرنے والی قدرت) کی تعبیرات بھی آتی ہیں (نور، ص ۴۸-۴۹، حسامی، ص ۴۰-۴۱)۔

ضروری نہیں بلکہ اس کے وجود کا وہم بھی کافی ہے۔

(ج) مثال مع توضیح:

اگر کوئی انسان کسی نماز کے وقت کے ایسے حصے میں نماز کی فرضیت کا اہل ہو کہ صرف تحریمہ کہنے کی گنجائش ہو تو اس سے نماز کی ادائیگی کا مطالبہ ہو جاتا ہے، مثلاً اس وقت میں کوئی بچہ بالغ ہو جائے، عورت حیض و نفاس سے پاک ہو جائے، کافر مسلمان ہو جائے، ان سب سے نماز کا مطالبہ ہو جاتا ہے، اگرچہ وقت میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ وقت کے اندر پوری نماز ادا کی جاسکے۔

اس لیے کہ اگرچہ عادت و عام حالات کے اعتبار سے اس مختصر سے وقت میں پوری نماز کا ادا کرنا ممکن نہیں ہوتا، مگر یہ امکان اور وہم ضرور ہوتا ہے کہ کسی طرح یہ مختصر وقت اتنا طویل ہو جائے کہ نماز وقت کے اندر ادا ہو جائے جس کی صورت یہ ہے کہ خلاف عادت یعنی کرامت کے طور پر وقت دراز ہو جائے۔

۲- قدرت کاملہ:

(الف) تعریف:

مامور بہ کو سہولت کے ساتھ ادا کرنے کی قدرت و صلاحیت۔

(ب) حکم:

۱- واجب کے باقی و برقرار رکھنے کے لیے اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔

۲- اکثر عبادات مالیہ کی ادائیگی کا مطالبہ اس پر موقوف ہے۔ ۳- اس کا حقیقتاً پایا جانا

ضروری ہے، محض فرضی و وہمی وجود کافی نہیں۔ (۱)

(۱) انسان سے جب کوئی مطالبہ ہوتا ہے تو یا تو جس چیز کا مطالبہ ہوتا ہے، بعینہ اسی کو ادا کر کے سبکدوش ہوتا ہے یا اس کے بدل اور مثل عوض کو پیش کرنے جو مطلوب ہو میں اس امر کو یا اس کے کرنے کو 'اداء' اور بدل یا بدل کے کرنے کو 'قضاء' کہتے ہیں، البتہ بعض حضرات 'اداء و قضاء' کا تعلق امر یعنی 'وجوب' سے اور بعض مامور بہ یعنی 'واجب' سے بتاتے ہیں، اسی لیے لہذا کیا ہے میں مامور بہ یا اس کا کرنا اور مثل مامور بہ یا اس کا کرنا، بہر حال وجوب و واجب سے ان دونوں کا تعلق ہے اس لیے ان کی تفصیلات 'اداء و قضاء' عناوین کے تحت ذکر کی جا رہی ہے۔

(ج) مثال مع توضیح:

زکوٰۃ کے حق میں نصاب نفس و جوب کا سبب ہے، اور اس کا نامی (بڑھنے والا اور بڑھنے کی صلاحیت رکھنے والا) ہونا اور حولی (سال بھر کا ہونا) و جوب ادا کے لیے شرط ہے، اور یہ دونوں امور قدرت کاملہ کے قبیل سے ہیں، زکوٰۃ کا مطالبہ اسی وقت ہوتا ہے جبکہ نصاب میں یہ دونوں وصف حقیقتاً پائے جائیں، یعنی مال یا تو واقعتاً زیادہ ہوا ہو یا فطرۃ یہ صلاحیت رکھتا ہو کہ اس کی پیدائش نفع و زیادتی کے معاملہ کے لیے ہوئی ہو، جیسے سونا و چاندی و روپیہ و پیسہ کہ اللہ نے فطرۃ ان کو مال و دولت کمانے کا ذریعہ بنایا ہے۔

اور ساری دنیا کا خرید و فروخت کا معاملہ اصلاً انہیں سے متعلق ہے۔

اور مال پر سال بھی گزر گیا ہو، یعنی درمیان سال میں مال برابر ہاتھ میں موجود رہا ہو، اگرچہ نصاب سے کم ہی کیوں نہ ہو، البتہ سال پورا ہونے کے موقع پر نصاب کے برابر کچھ بھی کم نہ ہو۔

اگر کوئی مال نامی نہ ہو کہ نہ تو فطرۃ زیادہ ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو اور نہ زیادہ کیا گیا ہو، تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا وجوب نہیں ہوگا۔

نیز اگر سال پورا ہونے کے موقع پر مال نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں ہوگا، اگر سال پورا ہونے کے موقع پر نصاب پورا ہے اور زکوٰۃ کے مطالبہ کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کی گئی اور پھر کسی طرح سارا مال تباہ و ہلاک ہو جائے تو زکوٰۃ کا وجوب باقی نہیں رہے گا، بلکہ ختم ہو جائے گا۔ (۱)

ادا

۱- تعریف:

عین مامور بہ کو کرنا۔ (۱)

تنبیہ:

یہ تعریف عام مامورات کی رعایت سے ہے کہ ان میں موقت بھی ہیں اور مطلق بھی، موقت کے پیش نظر وقت کی قید لگے گی اور یوں کہیں گے:

”عین مامور بہ کو اس کے وقت کے اندر کرنا۔“

بلکہ یہ تعریف غیر واجبات کو بھی شامل ہے کہ ان کا بھی اگر مطالبہ ہے تو اگرچہ مطالبہ لزوم کے ساتھ نہ ہو اور وہ سنت و نفل ہوں، مگر اپنے موقع و وقت پر ان کا کرنا بھی اداء ہی کہلائے گا (۲)، اور واجب کے پیش نظر تعریف میں واجب کی قید لگے گی۔

۲- اقسام:

دو ہیں: (الف) اداء محض۔ (ب) اداء مشابہ قضاء۔

(الف) اداء محض:

۱- تعریف:

وہ ادائیگی جس میں قضا سے کوئی مشابہت نہ پائی جائے۔

۲- اقسام:

اس کی بھی دو قسمیں ہیں: (الف) اداء کامل۔ (ب) اداء قاصر۔

(۱) نور، ص ۳۳، التوضیح ص ۳۲۸۔ (۲) التوضیح ص ۳۲۸، فواخ ج ۱/ ص ۸۵، کشف ج ۱/ ص ۱۳۱۔

(الف) اداء کامل:

۱- تعریف:

مامور بہ کو اس کی تمام صفات مشروعیت کے ساتھ کرنا۔

۲- حکم:

ذمہ کا بری ہونا اور مطالبہ کا ساقط ہونا۔

۳- مثال:

نماز کو وقت کے اندر باجماعت ادا کرنا۔

(ب) اداء قاصر:

۱- تعریف:

مامور بہ کی صفات مشروعیت میں خلل کے ساتھ مامور بہ کو کرنا۔

۲- حکم:

اگر کسی ذریعہ سے نقص و خلل کی تلافی ہو سکے تو کی جائے گی، ورنہ ادا شمار کر لیا جائے گا اور بالقصد کوتاہی کرنے پر صفات مشروعیت کا جیسا درجہ ہو اس کے اعتبار سے گناہ و گرفت ہوگی۔

۳- امثلہ:

(الف) نماز کو وقت کے اندر تنہا ادا کرنا (تلافی ناممکن)۔

(ب) نماز کی صفات مشروعیت میں کوتاہی کے ساتھ نماز کی ادائیگی مثلاً

سورہ فاتحہ کے بغیر (تلافی بذریعہ سجدہ سہویا لوٹا کر)۔ (۱)

(۱) اعادہ: (الف) تمہید: دوسری مثال کی تلافی کی صورتیں ذکر کی گئی ہیں: اول یہ کہ سجدہ سہو سے کام لیا جائے۔ دوم یہ کہ نماز دوبارہ پڑھی جائے، بہت سے حضرات نے دوسری صورت کو واجب کی ایک مستقل قسم قرار دے کر اعادہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔ (ب) تعریف: فعل اول کے مثل کا تمام صفات مشروعیت کے =

(ج) بے طہارت طواف کرنا (تلافی بذریعہ دم یعنی قربانی) اور ان صورتوں میں کوتاہی کا ارتکاب اگر بالقصد ہو تو گناہ و مواخذہ ہوگا۔ (۱)

(ب) اداء مشابہ قضاء:

یعنی ادائیگی کی ایسی صورت جو بعض وجوہ سے ادا ہے اور بعض وجوہ سے قضا ہے۔

۱- تعریف:

و ادب و جس کیفیت کے ساتھ ادا کرنے کا التزام کیا ہو، اس کیفیت کے خلاف ادا کرنا۔

۲- حکم:

جس کیفیت کا التزام کیا گیا ہو، صورتاً اس کا باقی نہ رہنا، البتہ نوعیت و مقدار کا باقی رہنا۔

۳- مثال مع توضیح:

لاحق کی فوت شدہ نماز، کہ لاحق ابتداء جماعت سے امام کے ساتھ نماز میں

= کے ساتھ (نواجیح ج ۱ ص ۸۵، کشف ج ۱ ص ۱۳۵)۔ (ج) حکم پہلی مرتبہ کرنے میں رہ جانے والے شخص کو نہ مرتبہ پہلے پہلے و نہ بعد سے بڑی مرتبہ۔ (د) فرائض میں خلل "سننات مشرکیت" میں خلل اداء قاصر و راجحہ کے منوں کے تحت آتا ہے "فرائض میں خلل" کے ساتھ کسی کام کو کرنا یا نہیں کرنا، اس صورت میں دوسری مرتبہ اس کام کا کرنا پہلی ہی ادائیگی کے حکم میں ہوتا ہے، اس لیے کہ پہلی مرتبہ کی ادائیگی کسی درجہ میں بھی معتبر نہیں تھی۔ و سننات میں خلل کی صورت میں پہلی مرتبہ بھی معتبر ہوتی ہے۔ (ہ) اعادہ کا وجوب و استحباب سننات مشرکیت کے تین حصے ہیں، بہت، سنن اور مستحبات، ان میں سے کسی ایک میں بھی کوتاہی ہو تو سننات کے تحت آتی ہے، البتہ واجبات میں نفل کو تلافی کی ہیئت زیادہ ہے، اسی لیے اس صورت میں مجدد ہو کر کیا ہے و راجحہ کی صورت ہو تو "دفعہ" جب ہوتا ہے، اگر سنن و مستحبات میں کوتاہی ہو تو اعادہ مستحب ہوتا ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے ذکر کیا ہے (نواجیح ج ۱ ص ۸۵، کشف ج ۱ ص ۱۳۵، شامی ج ۱ ص ۳۸۶-۳۸۷)۔

(۱) اصول الشافعی ص ۳۱-۳۲، حسامی و نظامی ص ۳۵۱-۳۵۲، التوضیح ص ۳۶۰-۳۶۱۔

شریک ہوتا ہے، اور امام کے ساتھ ہی پوری نماز کے ادا کرنے کا التزام کرتا ہے (۱)، اس لیے کہ امام کی اقتداء کی نیت کرتا ہے، پھر اسے کوئی حدت پیش آجاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو وضو کے لیے جانا پڑتا ہے، اس وقت میں اس سے امام کی اقتداء اور بسا اوقات نماز کا بھی کچھ حصہ چھوٹ جاتا ہے، جسے وہ امام کے سلام کے بعد پورا کرتا ہے اور جس کیفیت کے ساتھ ادائیگی کا التزام کیا تھا یعنی امام کی اقتداء میں اور اس کے پیچھے، اس کیفیت کے بغیر ادا کرتا ہے۔

یہ نماز ادائیوں ہے کہ وقت کے اندر پڑھی گئی اور قضا یوں کہ جس کیفیت کے ساتھ ادائیگی کا التزام کیا گیا تھا وہ باقی نہیں رہی، یعنی امام کی اقتداء اور اس کے پیچھے ساتھ ساتھ نماز کا ادا کرنا باقی نہ رہ سکا۔

ادا ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ فوت شدہ حصہ کو پورا کر لینے پر مطالبہ ختم ہو جاتا ہے، اور قضاء کا فائدہ یہ ہے کہ اب نماز کی نوعیت نہیں بدل سکتی یعنی اگر لاحق مسافر ہو اور امام بھی مسافر رہا ہو اور فوت شدہ حصہ کی ادائیگی کے وقت لاحق اقامت کی نیت کر لے تو بھی اسے دو ہی رکعتیں پڑھنی ہوں گی، چار نہیں پڑھے گا، اس کی مسافرت کی نماز اقامت کی نماز سے نہیں بدلے گی۔ (۲)

۳۔ اداء کی تعریف و تفصیلات معاملات کے حق میں:

آپ نے اداء کی جو تعریف اور تفصیلات ملاحظہ فرمائی ہیں، ان کا تعلق عبادات سے ہے۔

معاملات یعنی حقوق العباد میں بھی ان امور کا اعتبار ہے، تفصیل حسب

ذیل ہے:

(۱) جماعت کی نماز میں شریک ہونے والے لوگ امام کے علاوہ مقتدی، لاحق اور مسبوق کہلاتے ہیں۔
 ۱۔ مقتدی: جو شروع نماز سے آخر نماز تک برابر امام کے ساتھ شریک رہے۔ ۲۔ لاحق: جو شروع سے شریک ہو اور درمیان میں کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے نماز کا کچھ حصہ امام کے ساتھ ادا نہ کر سکے۔ ۳۔ مسبوق: جو کم از کم ایک رکعت ہو جانے کے بعد شریک ہو۔ (۲) حسامی ص/ ۳۷، نور ص/ ۳۶-۳۷، التوضیح ص/ ۳۶۱۔

(الف) تعریف ادا باعتبار معاملات:
عین واجب کو اس کے مستحق کے سپرد کر دنا۔

(ب) امثلہ:

۱- اداء کامل کی:

کسی کے غصب کردہ مال کو بعینہ اس کی اصل حالت میں مالک کو لوٹانا۔

۲- اداء قاصر کی:

کسی کے غصب کردہ غلام کو اس حال میں واپس کرنا کہ اس کے اوپر کسی کا کوئی حق واجب ہو چکا ہو۔

۳- اداء مشابہ قضاء کی:

مہر میں دوسرے کے غلام کا دینا طے کرنے کے بعد، اس غلام کو خرید کر عورت کے سپرد کرنا، یہ اداء ہے، بایں معنی کہ وہی غلام دیا گیا ہو جو طے کیا گیا تھا، اور قضاء بایں معنی ہے کہ جس وقت مہر میں دینا طے کیا گیا تھا، دوسرے کی ملکیت میں تھا اور دیتے وقت خود شوہر کی ملکیت تھا، تو ملکیت کے بدلنے کی وجہ سے گویا غلام بدل گیا (۱)، اس لیے کہ حکم یہی ہے کہ ملکیت بدلنے کی وجہ سے مال بدلا ہوا شمار ہوتا ہے۔

قضاء

۱- تعریف:

مثل واجب کو کرنا۔ (۱)

تنبیہ:

یہ تعریف عام مامورات کے اعتبار سے ہے، موقت مامور بہ جیسے نماز وغیرہ کے حق میں کہیں گے۔

مثل واجب کو غیر وقت میں کرنا۔ (۲)

۲- توضیح:

واجب کے مثل کا مطالبہ اس وقت طے ہوتا ہے جبکہ عین واجب کونہ کیا جاسکا ہو، خواہ قصداً ہو یا سہواً اور خواہ کرنے کی قدرت رہی ہو، پھر نہ کیا ہو، یا قدرت ہی نہ رہی ہو، اس لیے رہ گیا ہو، اور قدرت کا نہ ہونا خواہ شرعی مانع کی وجہ سے ہو، جیسے حیض روزہ کے حق میں۔

یا مانع عقلی کی وجہ سے ہو جیسے نماز کے حق میں نیند کہ سو گیا، اس لیے نماز وقت

پر ادا نہ کر سکا۔ (۳) (☆)

(۱) نور، ص/۳۳، التوضیح ص/۳۳۵۔ (۲) فوائج ج/۱، ص/۸۵، کشف ج/۱، ص/۱۳۵۔ (۳) فوائج ۱/۸۵۔ (☆) مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہے کہ وجوب قضاء کا مدار وجوب اداء پر ہے، جس کے حق میں وجوب ادا پایا جائے گا، اسی پر قضاء کا وجوب ہوگا، مثلاً جو مسلمان نماز کے وقت کو اس حال میں پائے کہ اس سے نماز کا مطالبہ ہو اور وہ نہ پڑھ سکے تو اس پر قضاء ہوگی، مثلاً عورت اگر نماز کے وقت کی آخری گھڑیوں میں بھی حیض سے پاک ہو جائے تو اس سے نماز کا مطالبہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے، لہذا اس پر قضاء ہوگی اور اگر پورا وقت گزر جائے اور وہ پاک نہ ہو تو چونکہ اس پر اداء کا وجوب نہیں ہوگا، اس لیے قضاء کا وجوب بھی نہیں ہوگا، اسی لیے آپ پڑھیں گے کہ قضاء کے وجوب کا سبب وہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے اداء کا وجوب ہو (فوائج ج/۱، ص/۸۰، حاشی ص/۳۵-۳۶، نور، ص/۳۳-۳۵، التوضیح ص/۳۵۲)۔

۳- اقسام:

دو ہیں: (الف) قضاء محض۔ (ب) قضاء مشابہ اداء۔

(الف) قضاء محض:

۱- تعریف:

مثل واجب کی اس طور پر ادائیگی کہ اس میں ادا کا کوئی پہلو نہ پایا جائے۔

۲- اقسام:

یا صورتیں اس کی بھی دو ہیں:

(الف) قضا بمثل معقول۔ (ب) قضا بمثل غیر معقول۔ (۱)

(الف) قضا بمثل معقول:

۱- تعریف:

واجب کو ایسے مثل کے ذریعہ ادا کرنا کہ اس مثل اور اصل واجب کے درمیان مماثلت و یکسانیت عقلاً سمجھ میں آتی ہو۔

۲- ذریعہ ثبوت:

وہ نصوص جو اداء کی موجب ہوتی ہیں۔

۳- اقسام مثل معقول:

کی بھی دو ہیں۔ اول مثل معقول کامل اور دوم مثل معقول ناقص۔

اول مثل معقول کامل:

وہ مثل جو صورت و معنی دونوں کے اعتبار سے واجب سے مماثل ہو جیسے نماز

باجماعت کے ہائے نماز باجماعت۔

ووم مثل معقول قاصر:

وہ مثل جو معنی کے اعتبار سے واجب کے مماثل (مشابہ) ہو، صورت سے اعتبار سے نہیں، جیسے نماز باجماعت کی جگہ تنہا نماز۔

۳- احکام قضاء بمثل معقول:

اصل یہ ہے کہ قضاء میں مثل معقول کامل اختیار کیا جائے، یعنی مثل صوری، معنوی دونوں موجود ہو، تو وہ مقدم و بہتر ہے، ورنہ مثل معنوی کافی ہوگا۔

(ب) قضاء بمثل غیر معقول:

۱- تعریف:

واجب کو ایسے مثل کے ذریعہ ادا کرنا کہ مثل اور اصل واجب کے درمیان مماثلت متشکل میں نہ آتی ہو، بلکہ شریعت نے مثل بتایا ہو۔

۲- ذریعہ ثبوت:

اس کے وجوب کے لیے وجوب ادا پر دلالت کرنے والی آیت و نص کافی نہیں، بلکہ دوسری نص کی ضرورت ہوتی ہے، جو واجب و مثل کے درمیان شریعتی مماثلت کو بتاتی ہو۔

۳- حکم:

واجب کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس کو اختیار کیا جائے گا، جبکہ حالت کی بنا پر یہی تعیین ہو۔

۴- مثال:

روزہ کے بدلہ فدیہ کہ جب کسی کے لیے قضاء روزوں کی ادائیگی روزے کے مہینے نہ ہو تو وہ اس کی بجائے فدیہ کی ایک خاص مقدار بطور فدیہ ادا کرے گا، مثلاً

روزہ عملی عبادت ہے، اس کے درمیان اور فدیہ جو ایک مالی چیز ہے، اس کے درمیان مماثلت عقلاً سمجھ میں نہیں آتی، مگر آیات و احادیث سے یہی حکم ثابت ہے۔

(ب) قضاء شبیہ اداء:

۱- تعریف:

واجب کو اس طور پر کرنا کہ بعض وجوہ سے قضا اور بعض وجوہ سے اداء ہو۔

۲- حکم:

یہ صورت ادا کی کفایت کرے گی۔

۳- مثال:

تکبیرات عیدین کی قضاء، اگر کوئی شخص کھڑے ہونے کی حالت میں تکبیر نہ کہہ سکے اور موقع ہو تو رکوع کی حالت میں تکبیر کہے گا، یہ قضاء ہے بایں معنی کہ اپنے اصل محل یعنی قیام کی حالت میں نہیں ہے، اور اداء ہے بایں معنی کہ رکوع نصف قیام ہے، اس لیے گویا قیام کی حالت میں ہی ان کو ادا کیا گیا۔ (۱)

۴- تفصیلات قضاء باعتبار حقوق العباد:

مذکورہ بالا تعریف و تفصیل عبادات کے اعتبار سے ہے، حقوق العباد کے اعتبار سے تفصیل درج ذیل ہے۔

(الف) تعریف:

اپنے پاس سے واجب کے مثل کو اس کے مستحق کے سپرد کرنا۔

(ب) امثلہ باعتبار اقسام:

۱- قضاء بمثل معقول کامل، گیہوں کے بدلہ گیہوں دینا۔

۲- قضاء بمثل معقول قاصر، کپڑے کی جگہ اس کی قیمت، کہ کسی چیز کی قیمت

(۱) التوضیح ص/ ۳۶۱-۳۶۳، حسنی و نظامی ص/ ۲۸، نور، ص/ ۳۸-۳۹، اصول و عمدہ ص/ ۳۳-۳۶۔

معنی اس کا مثل سمجھی جاتی ہے۔

۳۔ قضاء بمثل غیر معقول، قتل یا زخم کا خون بہا و معاوضہ، کہ انسانی جسم و اعضاء اور اس کے مقابلہ میں دیا جانے والا مال و معاوضہ دونوں کے درمیان عقلاً کوئی مماثلت و مناسبت نہیں ہے، مگر شریعت کا حکم یہی ہے۔

۴۔ قضاء شبیہ ادا، مہر میں طے کردہ ایک غلام کی جگہ اس کی قیمت دینا، یہ بایں معنی قضاء ہے کہ اصل طے شدہ کا مثل ہے، اور بایں معنی اداء ہے کہ غلام متعین نہیں، اس لیے اگر غلام ہی دیا جائے تو متوسط درجہ کا دیا جائے گا، اور سامانوں میں درجات کا تعین قیمت پر موقوف ہے، اس لحاظ سے قیمت ہی اصل ہے۔

لہذا اس کا دینا عین واجب کا دینا ہے۔ (۱)

مبحث دوم نہی

۱- تعریف:

(الف) لغوی: روکنا، منع کرنا۔

(ب) اصطلاحی: برتری کے ساتھ لازمی طور پر کسی کام کے نہ کرنے کا

مطالبہ کرنا۔

برتری خواہ حقیقی ہو کہ واقعۃً پائی جاتی ہو یا فرضی کہ مطالبہ کرنے والا خود سمجھتا

و محسوس کرتا ہو۔

۲- ذریعہ ثبوت:

وہ الفاظ ہیں جن سے لازمی طور پر کسی کام کے کرنے کی ممانعت اور نہ

کرنے کا مطالبہ کیا جائے، جن کی چار اصولی صورتیں ہیں:

(الف) فعل نہی، یعنی وہ الفاظ و افعال جو اپنی صورت کے اعتبار سے اسی

معنی کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

(ب) ممانعت پر دلالت کرنے والے کلمات یعنی وہ الفاظ و افعال جن

کے لغوی معنی روکنے و منع کرنے کے ہیں، جیسے نہی (منع کیا، روکا) اور منع اور

حرم وغیرہ یا رکنے و باز رہنے کے معنی ہیں، جیسے کف، امتنع، أترك و ذر و ذع

وغیرہ۔

(ج) وہ خبر یہ جملے و افعال جن کو اسی مفہوم کے لیے استعمال کیا گیا ہو، جیسے
 ”حرمت علیکم امہانکم“ کا لغوی مفہوم رکنے اور باز رہنے کا نہیں ہے، بلکہ بطور
 بیان واقعہ کے ہے، مگر یہاں یہی مفہوم مراد ہے۔

(د) کسی چیز کی بابت حلت کی نفی و انکار جیسے ”لایحلی لکم ان ترضوا
 النساء کرھا“ (جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ) (۱)

۳- احکام:

(الف) نبی سے اصلاً اور عموماً ہمیشہ کے لیے حرمت کا ثبوت ہوتا ہے، خواہ
 نبی کسی چیز سے متعلق اس کے وجوب کے بعد ہو یا وجوب کے بغیر۔ (۲)
 یہ حرمت کبھی بمقابلہ فرض اور کبھی بمقابلہ وجوب یعنی کراہت تحریمیہ کی
 صورت میں ہوتی ہے۔

(ب) نبی سے کراہت تزیہیہ کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔ (۳)
 (ج) قرآن کی بنا پر نبی کا استعمال دوسرے معانی میں بھی ہوتا ہے، تفصیل
 بلاغت کی کتابوں اور اصول فقہ کی بڑی کتابوں میں ملے گی۔ (۴)
 (د) نبی منہی عنہ یعنی امر ممنوع کے حق میں ”قیح“ یعنی برائی و ناپسندیدگی کا
 تقاضا کرتا ہے، اسی قیح کی یا یوں کہے کہ قیح کے اعتبار سے خود منہی عنہ کی دو اقسام ہیں:
 (الف) قیح لعینہ۔ (ب) قیح لغیرہ۔ (۵) (۶)

(۱) تفسیر النور ج ۲، ص ۳۷۸۔ (۲) فوائج ج ۱، ص ۲۹۶-۳۰۶، آخر ج ۱، ص ۳۲۹۔ (۳) تفسیر
 ج ۲، ص ۳۸۲-۳۸۹۔ (۴) شنف ج ۱، ص ۲۵۶، فوائج ج ۱، ص ۳۹۵، تفسیر ج ۲، ص ۳۷۹، ص ۳۸۶
 ص ۳۶۔ (۵) شنف ج ۱، ص ۲۹۰-۲۹۱۔ (۶) (۷) (۸) (۹) (۱۰) (۱۱) (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵) (۱۶) (۱۷) (۱۸) (۱۹) (۲۰)
 کے تحت ہا اور عبارت ہا میں درج معانی میں ہے، باقی میں سے کراہت تحریمیہ کا ثبوت ہوتا ہے قرآن کی
 بناء پر جبلی سے جس عبارت قیح سے ثبوت ہوتا ہے، جیسے کہ کراہت تزیہیہ کے لیے ان تمام اقسام کا ثبوت ہے تم اس کا
 بھی استعمال ہوتا ہے۔

(الف)

فتیح لعینہ

۱- تعریف:

وہ امر ممنوع جس کا فتیح خود اس کے اندر پائے جانے والے کسی وصف کی وجہ سے ہو۔

۲- اقسام: اس کی بھی دو ہیں:

(الف) فتیح لعینہ وضعاً۔ (ب) فتیح لعینہ شرعاً۔

(الف) فتیح لعینہ وضعاً (جس کو "فتیح لذاتہ" بھی کہتے ہیں):

۱- تعریف:

وہ امر جو اپنی ذات و وضع کے اعتبار سے فتیح ہو۔ یعنی مثل اس کے فتیح کا تقاضا کرتی ہے۔

۲- مثال:

کفر و شرک، اپنی وضع کے اعتبار سے ہی فتیح ہیں، اس لیے کہ ان کی وضع محسن کی ناشکری، اور اس نسبت سے اللہ کی نافرمانی و ناشکری کے لیے مثل ان کو برا کہتی ہے۔

(ب) فتیح لعینہ شرعاً: (جس کو "فتیح لومضہ" بھی کہتے ہیں)

۱- تعریف:

وہ امر جس کو شریعت نے کسی وصف کی وجہ سے برا بتایا ہو، اگرچہ مثل اس کی برائی و نہ بچھتی ہو۔

۲- صورتیں: اس کی بھی دو ہیں:

(الف) قبیح بر بناء عدم اہلیت اور (ب) قبیح بر بناء عدم محلّیت۔

(الف) قبیح بر بناء عدم اہلیت:

۱- تعریف:

وہ امر جس کو شریعت نے عدم اہلیت کی وجہ سے قبیح بتایا ہو۔

۲- مثال:

حالت ناپاکی میں نماز، کہ نماز ایک پسندیدہ عمل ہے، عقل ہر حال میں اسے اچھا ہی سمجھتی ہے، اس لیے کہ وہ محسن کے شکر کی بجا آوری ہے، مگر اس حال میں شریعت نے اسے قبیح بتا کر ممنوع قرار دیا ہے، بایں معنی کہ محدث (ناپاک شخص) کو نماز کی ادائیگی کا اہل نہیں قرار دیتی۔

(ب) قبیح بر بناء عدم محلّیت:

۱- تعریف:

وہ امر جس کو شریعت نے کسی عمل کا محل نہ ہونے کی وجہ سے قبیح بتایا ہو۔

۲- مثال:

آزاد کو بیچنا، کہ بیچنا عقلاً ایک پسندیدہ و جائز امر ہے، مگر شریعت نے اس بیع کو ممنوع قرار دیا ہے، بایں معنی کہ آزاد کو خرید و فروخت کا محل نہیں قرار دیتی، ایسے ہی مردار اور شراب و خون وغیرہ کو بیچنا۔

۳- حکم:

قبیح لعینہ کی تمام اقسام کا یہ ہے کہ کسی حال میں اور کسی کے لیے جائز نہیں، یعنی اقسام احکام میں سے حرام کے تحت داخل ہے اور اس کی حرمت منسوخ نہیں ہوتی۔ (۱)

(۱) الشف ج ۱، ص ۲۶۲، حامی ص ۴۶، اسول ص ۴۶، فواع ج ۱، ص ۳۰۵ و ۳۰۶، غیر انصوس

(ب)

فتیح لغیرہ

۱- تعریف:

وہ امر ممنوع جس کا فتیح خود اس کے ذاتی وصف کی وجہ سے نہ ہو بلکہ تعلق رکھنے والی کسی چیز کی وجہ سے اسے فتیح قرار دیا گیا ہو۔

۲- اقسام:

دو ہیں: (الف) فتیح لغیرہ باعتبار وصف۔ (ب) فتیح لغیرہ باعتبار جمع۔

(الف) فتیح لغیرہ باعتبار وصف:

۱- تعریف:

وہ امر جس کا فتیح کسی غیر مشروع وصف کو اختیار کر لینے کی وجہ سے ہو۔

۲- حکم:

ایسا امر اپنی ذات و اصل کے اعتبار سے صحیح و مشروع اور اس وصف کے

اعتبار سے غیر مشروع ہوتا ہے۔ (۱)

اس لیے ایسے معاملات کو ختم کر دینا چاہیے، اگر ختم نہ کیا جائے تو اس پر

(۱) عبادت میں عید و بقرہ عید کا روزہ اس کی مثال ہے کہ نفس روزہ ایک پسندیدہ معصوب عمل ہے، اور عید و بقرہ عید کا دن اللہ کی جانب سے عام مہمانی یعنی کھانے پینے کی اجازت کا دن ہے، اور روزہ دن کوئی رکھا جاتا ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ روزہ بھی رکھے اور اس دن کا اتنا سنا بھی پورا کرے، اس لیے کہ روزہ پورے دن رہتا ہے، اور وقت روزہ سے لیے وصف کے درجہ میں ہے، اس لیے اس دن روزہ رکھنا اللہ کی نیابت سے امراتوں اور روزہ کے ساتھ ایک غیر مشروع وصف و اختیار رہتا ہے، اگر لڑکی روزہ رکھے تو اسے توڑ دینا چاہیے اور توڑنے کی وجہ سے قصاص واجب نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ روزہ شہر نہیں ہوا، البتہ اگر کسی نے ان دونوں دنوں سے روزہ کی نذر لینی و دونوں میں روزہ رکھا تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی۔ (اتحریر، ج ۱، ص ۳۳۳، التوضیح، ج ۱، ص ۲۱۶-۲۱۷، نور و قمر، ص ۶۱-۶۲، سامی و نظامی ص ۴۰)۔

احکام مرتب ہوتے ہیں، مگر حکم شرع کا خیال نہ رکھنے کا گناہ بھی پڑتا ہے۔

۳- مثال:

کسی ایسی شرط کے ساتھ خرید و فروخت جسے شریعت منع کرتی ہے، یہ ممنوع ہے، اگر کرے تو ختم کر دینا چاہیے، اگر چہ لین دین ہو چکا ہو، اور اگر لین دین کے بعد ختم نہ کیا جائے تو جانین کو ملکیت کا فائدہ ہوگا مگر شریعت کی ممانعت کا لحاظ نہ کرنے کے گناہ کے ساتھ۔ (۱)

(ب) قبیح لغیرہ باعتبار جمع: (☆)

۱- تعریف:

وہ امر ممنوع جس کو شریعت نے کسی غیر کے ساتھ پائے جانے کی وجہ سے

قبیح قرار دیا ہو۔

۲- حکم:

ممانعت کے باوجود ایسا کام کر لینے پر معتبر قرار پاتا ہے اور اس پر احکام

مرتب ہوتے ہیں، مگر شرع کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے قباحت کے ساتھ۔

۳- مثال:

اذان (۲) جمعہ سے لے کر نماز جمعہ کے ختم ہونے تک خرید و فروخت اور

تمام وہ کام جو نماز سے مشغول رکھیں۔

ایسے تمام معاملات و کام منع ہیں، لیکن اس وقت میں کیے گئے خرید و فروخت

(۱) حسامی مع نظامی ص/ ۴۷۔ (۲) عبادات میں اس کی مثال کسی کی غصب کردہ زمین میں پڑھی جانے والی نماز

ہے، نماز ایک مشروع عمل ہے مگر غصب کردہ زمین میں پڑھنے کی وجہ سے اس میں قباحت پیدا ہوگی، حالانکہ نماز

اپنی ملکیت میں یا دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے ساتھ بھی پڑھی جاسکتی ہے، تاہم ایسی نماز معتبر ہے اور

اس کو توڑنے کا حکم نہیں ہے۔ (حسامی مع نظامی ص/ ۴۶)۔

(☆) بعض لوگ اول کو بیع بر بناء خارج لازم اور دوم کو بیع بر بناء خارج غیر لازم بھی کہتے ہیں۔

صورت و مفہوم میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

۲- مثال:

قتل، زنا، چوری، یہ افعال شریعت کی آمد سے پہلے موجود تھے، شریعت نے ان کے حق میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔

(ب) افعال شرعیہ:

۱- تعریف:

وہ افعال جن کی موجودہ صورت و حکم سے تعارف شریعت کے ذریعہ ہوا، خواہ وہ شریعت کی آمد سے پہلے رہے ہوں اور شریعت نے ان کے حق میں کچھ تبدیلی کی ہو، یا ان کا وجود و علم ہی شریعت کے ذریعہ ہوا ہو۔

۲- مثال:

نماز کو کسی ایسے وصف کے ساتھ ادا کرنا کہ نفس نماز اور فریضہ ذمہ سے ساقط ہو جائے اور وہ وصف باعث گناہ قرار پائے، جیسے غضب کردہ زمین پر نماز پڑھی جائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے، فریضہ ادا ہو جاتا ہے مگر کراہت تحریمی کے گناہ کے ساتھ۔
(ج) احکام:

۱- افعال حسیہ کی ممانعت قبیح لعینہ کے تحت آتی ہے، اس لیے کسی صورت میں اور کسی کے لیے جائز نہیں ہوتے، یعنی ممنوع افعال حسیہ حرام ہوتے ہیں۔

۲- افعال شرعیہ کی ممانعت قبیح لغیرہ کی دونوں اقسام کے تحت آتی ہے (۱)

(۱) (الف) کبھی افعال حسیہ کی ممانعت قبیح لغیرہ پر بھی محمول ہوتی ہے جیسے حالت حیض میں وطی کہ یہ عمل حنا برا اور مذموم ہے مگر دلیل شرعی کی بنا پر اسے قبیح لغیرہ قرار دیا گیا ہے، اور وہ دلیل آیت ہے جس میں حیض کے ”اذی“ یعنی باعث تکلیف امر ہونے کی وجہ سے اس سے روکا گیا ہے۔ (ب) کبھی قرآن کی بنا پر افعال شرعیہ کی ممانعت قبیح لعینہ پر محمول ہوتی ہے، ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کسی فعل شرعی کو اس طور پر کیا جائے کہ وہ کسی درجہ میں بھی صحیح و معتبر نہ ہو، یعنی اس کے فرائض یا صحت کے شرائط میں کوئی کمی رہ جائے جیسے ناپاکی کی حالت میں نماز یا قبلہ رخ کیے بغیر نماز۔ (حسامی مع نظامی ص/۴۶-۴۷، تفسیر ج/۲ ص/۳۹۶-۳۹۸، التوضیح ج/۱ ص/۲۱۶)۔

یعنی ممنوع افعال شرعیہ مکروہ ہیں، خواہ مکروہ تحریمی ہوں یا مکروہ تنزیہی۔ (۱)
 ۵- نہی اور فساد:

کبھی فقہاء ممنوع طریقہ پر کسی کام کے کرنے پر ”فساد“ کا حکم لگاتے ہیں، اور اس کے مقابلہ میں ”صحت“ کی تعبیر لاتے ہیں۔

یہ دونوں تعبیرات عبادات کے حق میں بھی استعمال ہوتی ہے اور معاملات کے حق میں بھی اور دونوں کے اعتبار سے فقہاء ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں فرق کرتے ہیں، تفصیل ملاحظہ ہو:

(الف) عبادات کے حق میں:

۱- صحت:

کسی عبادت کا اس طور پر کرنا کہ اس کا مطالبہ ذمہ سے ساقط ہو جائے۔

۲- فساد:

کسی عبادت کو اس طور پر انجام دینا کہ مطالبہ ذمہ سے ساقط نہ ہو۔

(ب) معاملات کے حق میں:

۱- صحت:

کسی معاملہ کا اس طور پر کرنا کہ اس سے مقصود حکم اس پر مرتب ہو۔

۲- فساد:

کی دو شقیں ہیں:

ایک کو فساد محض اور دوسری کو بطلان سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۱) کشف ج/۱، ص/۲۵۶، تفسیر ج/۲، ص/۳۸۹-۳۹۰، ۳۹۸، التوضیح ج/۱، ص/۳۱۶-۳۱۷،
 اتمریر ج/۱، ص/۳۳۰۔

(الف) فساد محض:

۱- تعریف:

کسی معاملہ کا اس طور پر کرنا کہ اصل کے اعتبار سے منعقد اور وصف کے اعتبار سے غیر منعقد ہو۔

۲- حکم:

قباحت و گناہ کے باوجود مفید حکم ہونا۔

۳- مثال:

فتیح لغیرہ کی پہلی دونوں صورتوں میں اسی قسم کا فساد پایا جاتا ہے۔

(ب) بطلان:

۱- تعریف:

معاملہ کا اس طور پر کرنا کہ اصل یا وصف کسی اعتبار سے منعقد نہ ہو۔

۲- حکم:

کسی اعتبار سے مفید نہ ہونا بلکہ موجب گناہ ہونا۔

۳- مثال:

فتیح لعینہ کی صورتیں اس کے تحت آتی ہیں، مثلاً آزاد آدمی یا شراب وغیرہ

کو بیچنا۔

فقہاء قسم اول کے معاملات کو عموماً ”فاسد“ اور دوم کے معاملات کو عموماً

”باطل“ کا عنوان دیتے ہیں (۱)، اور عبادات میں نیز نکاح میں فساد و بطلان کے

درمیان عموماً فرق نہیں کرتے، بلکہ فرق کا انکار کیا ہے، نماز کے فاسد و باطل ہونے کا

نیز نکاح کے فاسد و باطل ہونے کا ایک ہی مفہوم ہے۔

(۱) لغیر ج ۲/ص ۴۰۸-۴۱۰، کشف ج ۱/ص ۲۵۸-۲۵۹، التوضیح ج ۱/ص ۲۱۹-۲۲۰۔

۳- احکام:

مطلق کو اس کے اطلاق پر رکھنا اور مقید کو قید پر یعنی مطلق پر کسی قید سے اضافہ کے بغیر اور مقید پر قید کی رعایت کے ساتھ عمل کرنا۔ (۱)

لہذا مطلق پر عمل کے لیے خاص کے مصداق افراد میں سے کسی ایک پر عمل کافی ہے اور مقید پر عمل کے لیے کسی ایسے افراد کی ضرورت ہوگی جس میں مذکورہ قید پائی جاتی ہو۔

۴- امثلہ:

قسم اور قتل دونوں کے کفارہ میں ایک غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے، البتہ قسم کے کفارے میں محض غلام کا ذکر ہے، کوئی قید نہیں لگی ہے، اور قتل کے کفارے میں غلام کے ساتھ مؤمن ہونے کی قید لگی ہے۔

اس لیے قسم کے کفارے میں کوئی بھی غلام آزاد کیا جاسکتا ہے، مسلمان ہو یا کافر، اور قتل کے کفارے والے غلام کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

۵- مطلق کا مقید حمل:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز جس کا بیان و ذکر چند مواقع پر ہوتا ہے، اس سے متعلق نصوص میں اطلاق و تقیید دونوں آتے ہیں، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت حال میں اطلاق پر عمل کیا جائے یا تقیید پر اور چونکہ ہر ایسی نص جس میں کسی حکم کو بیان کیا گیا ہو، دو چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے، ایک حکم دہ سری حکم کا سبب اور اطلاق و تقیید کا تعلق دونوں میں سے ہر ایک سے ہو سکتا ہے، حکم میں اطلاق و تقیید کی کل چار

(۱) (فوائد جہاد، ص ۳۶۱-۳۶۲، التوضیح ص ۱۶۹، المدخل ص ۲۱۲، اصول الخلاف ص ۵۰)۔
 (۲) یہ تقیید ہوتی ہے جب اختیار کی ہے اور یہ ذہن نشین رہنے کے مطلق، مقید کا تعلق خاص فردی سے نہیں
 ہوتا ہے۔ (تقریر جہاد، ص ۱۸۷)۔

(۱) (تقریر جہاد، ص ۱۹۲-۱۹۳، التوضیح ص ۱۶۹)۔

صورتیں نکلتی ہیں، جن کے الگ الگ احکام ہیں:

(۱) متحد السبب متحد الحکم۔ (ب) متحد السبب مختلف الحکم۔

(ج) مختلف السبب متحد الحکم۔ (د) مختلف السبب مختلف الحکم۔

ان میں سے پہلی میں مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہیں، یعنی مطلق کو مقید قرار دیتے ہیں، اور باقی تین میں نہیں، اور سبب کے ساتھ دونوں کے تعلق کی ایک صورت ہے، تفصیل ملاحظہ ہو۔

(الف) متحد السبب متحد الحکم:

یعنی ایک چیز سے متعلق حکم و سبب دونوں ایک ہوں۔

اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کریں گے، جیسے قرآن مجید میں حرام اشیاء کے ضمن میں ”خون“ کا تذکرہ ہے، سورہ مائدہ میں اس کا ذکر بغیر کسی قید اور سورہ انعام (۱) میں ”مفسوح“ یعنی بننے والے کی قید لگی ہے، اور حکم یعنی خون کی حرمت اور اس کا سبب یعنی نجاست و قباحت ایک ہیں، اس لیے مطلق کو مقید قرار دیا جائے گا، اور اگر یہ معلوم ہو کہ کون پہلے اور کون بعد میں ہے تو بعد والی نسل کو ناسخ اور پہلے والی کو منسوخ قرار دیں گے۔ (۲)

(ب) متحد السبب مختلف الحکم:

یعنی ایک چیز سے متعلق سبب تو ایک ہو مگر حکم مختلف ہو۔

جیسے وضو (۳) و تیمم، طہارت کی صورتیں ہیں، ان کا سبب ایک ہے، یعنی ارادہ نماز اور حکم مختلف کہ وضو کا چار اعضاء سے اور تیمم کا دو ہی سے تعلق ہے، ایک کو دوسرے پر نہیں محمول کریں گے۔

(ج) مختلف السبب متحد الحکم:

یعنی اسباب متعدد و مختلف ہوں اور حکم ایک ہو۔

(۱) المائدہ/۳، الانعام/۱۳۵۔ (۲) فواح ج ۱، ص ۶۲-۶۳، المدخل ص ۲۱۴۔ (۳) المائدہ/۶۔

جیسے قتلِ خطا اور قسم دونوں کے کفارے میں غلام کے آزاد کرنے کا ذکر ہے، اول کے ساتھ ایمان کی قید لگی ہے اور دوم کے ساتھ نہیں اور اسباب متعدد ہیں، یعنی قتل اور قسم، اور حکم ایک ہے، یعنی غلام کی آزادی، مطلق کو مقید نہیں قرار دیں گے، قتل میں قید ایمان کا لحاظ ضروری ہے اور کفارہ قسم میں نہیں۔

(د) مختلف السبب مختلف الحکم:

یعنی اسباب بھی مختلف ہوں اور احکام بھی، مثلاً چوری کی سزا اور وضو، دونوں کے سلسلہ میں ہاتھ کا ذکر ہے، چوری کے سلسلہ میں بغیر کسی قید کے اور وضو کے سلسلہ میں کہنیوں کی قید لگی ہے (۱) اور اسباب بھی مختلف ہیں، کہ ایک جگہ چوری ہے اور ایک جگہ ارادہ نماز، اور احکام بھی، کہ چوری میں ہاتھ کا کاٹنا ہے اور وضو میں دھلنا ہے، اس صورت میں بھی مطلق کو اپنے حال پر رکھیں گے اور چوری کی سزا میں وضو کی آیت کی وجہ سے کہنیوں کی قید نہیں لگے گی۔

(ہ) اسباب کے ساتھ اطلاق و تقیید:

کی صورت میں حکم ایک ہوتا ہے، اور اس میں بھی مطلق کو مقید نہیں قرار دیتے، بلکہ دونوں پر عمل کرتے ہیں، مثلاً صدقہ فطر کے سبب کے سلسلہ میں بعض احادیث میں محض کفالت و پرورش کی بنیاد پر صدقہ فطر دینے کا حکم ہے، غلام خواہ کافر ہو یا مسلم اور بعض میں اسلام کی قید لگی ہے (۲) تو مطلق کو مقید نہیں قرار دیں گے، اور ہر غلام خواہ مسلمان ہو یا کافر سب کی جانب سے صدقہ فطر ادا کیا جائے گا۔ (۳) (☆)

(۱) النساء/۹۲، المائدہ/۸۹۔ (۲) باب صدقۃ الفطر، مشکوٰۃ، اطلاق والی ابوداؤد و نسائی کی روایت ہے۔ (۳) فواتح ج/۱، ص/۳۶۱-۳۶۶، حسامی و نظامی ص/۲۵-۲۷، نور و قمر ص/۱۵۸-۱۶۰، کشف ج/۱، ص/۲۰۸-۲۰۱، تفسیر ج/۲، ص/۲۰۸-۲۱۶۔ (☆) شرائط حمل: (الف) کوئی دلیل حمل سے یعنی مطلق کو مقید ماننے و قرار دینے سے مانع نہ ہو۔ (ب) مطلق و مقید پر عمل و جمع کی کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو۔ (ج) حمل کی وجہ سے حکم کی ذات و عدد میں کوئی تبدیلی نہ ہو، بس حال و وصف بدل جائے۔ (د) مقید کے ساتھ کوئی ایسی تصریح و بیان نہ ہو جو اس قید کو خاص قرار دے۔ (ہ) اگر ایسے امر کا تذکرہ متعدد مواقع پر ہو تو مطلق یعنی بغیر کسی قید کے ہو۔ (و) حمل کا تعلق امر و اثبات سے ہو، نہی و نفی سے نہ ہو۔ (تفسیر ج/۱، ص/۲۲۸، فواتح ج/۱، ص/۳۶۱، التوضیح ص/۱۶۹)۔

فصل دوم

عام

(لفظ کی معنی موضوع لہ کے اعتبار سے دوسری قسم)

۱- تعریف:

وہ لفظ جس کو ایک معنی و مفہوم کے غیر محصور افراد کے لیے ایک ہی مرتبہ میں وضع کیا گیا ہو۔ (۱)

۲- عام و مطلق کے درمیان فرق:

یہ ہے کہ عام بیک وقت اپنے تمام افراد کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور مطلق کا اطلاق اپنے افراد میں سے کسی ایک غیر متعین پر ہوتا ہے، اس لیے ایک کے بجائے دوسرا بطور بدل (۲) یعنی دوسرے کی جگہ مراد ہوتا ہے، جیسے ”تحریر رقبتہ“ میں۔

(۱) کشف ج ۱، ص ۱۳۳، التوضیح ص ۸۱، تفسیر ج ۲، ص ۱۰، اصول الخلاف ص ۱۸۱۔ (۲) (الف) تعریف ضرورت میں ایک ہی معنی و مفہوم کے افراد کی قید سے ایک جنس و نوع کے افراد مراد ہیں، اور یہ قید اس لیے کافی لگتی ہے کہ عام سے معنی میں ایک ہوتے ہیں، جیسے خاص کے اہل فرق وضع میں افراد کے لحاظ و عدم لحاظ کا ہونا ہے۔ (ب) عام سے یہ تصور افراد کے مجموعہ ہونے کی اصولی دوسورتیں ہیں اول لفظ کا ہر تبار سینڈ موم کا متشخص ہونا یعنی اس کا سینڈ مورت ہی موم و جماعت کے لیے ہو جیسے تمام الفاظ جمع، دوم لفظ کے معنی کا عام ہونا امر پڑ سینڈ جماعت سے لیے نہ ہو، چہ اس کی بھی دوسورتیں ہیں اول معنی موضوع لہ کا چوڑی جماعت پر صادق ہو یا ایسے شخص یا جاننا ہیے قوم و ربط وغیرہ جو الفاظ جن و تین اور اس سے راجح افراد سے لیے وضع کیا گیا ہے۔ (التوضیح ص ۱۲۸، نظائری ص ۵، نورس ص ۶)۔

”رقبہ“ مطلق ہے، عام نہیں، اس لیے کہ اس سے کوئی ایک فرد مراد ہے، اور لفظ ”رقاب“ عام ہے کہ اس سے تمام افراد مراد ہیں۔ (۱) (☆)

۳۔ الفاظ عموم:

۱۔ وہ تمام اسماء جن پر ”ال“ استغراقی داخل ہو، خواہ جمع کی کوئی قسم ہو، اور اسم جمع و اسم جنس ہو یا اسم مفرد۔

۲۔ جمع نکرہ۔ نزد بعض۔

۳۔ وہ اسماء جن پر ”ال“ جنسی داخل ہو۔ نزد بعض۔

۴۔ واحد یا جمع جو معرفہ کے طرف مضاف ہو، اور اضافت استغراق کے

لیے ہو۔

۵۔ اسماء شرط۔ ۶۔ اسماء استفہام۔

۷۔ اسماء موصولہ، خواہ کوئی صیغہ و صورت ہو، جبکہ ان کا استعمال متعین افراد

کے لیے نہ ہو۔

۸۔ نکرہ نفی کے تحت۔ ۹۔ نکرہ شرط کے تحت۔

۱۰۔ نکرہ جس کی صفت کوئی عام وصف ہو۔

۱۱۔ نکرہ اثبات کے تحت، بعض مواقع پر، جیسے ”علمت نفس ما

أحضرت“ ای علمت کل نفس ما أحضرت۔

۱۲۔ وہ اسماء جن کی طرف کل (۲) یا جمع یا ان کے جیسے الفاظ کی اضافت ہو۔

(۱) تفسیر ج ۲/ص ۱۱-۱۲، ارشاد، ص ۱۰/۱۰۔ (۲) کل کا مضاف الیہ اسم نکرہ بھی ہوتا ہے اور معرفہ بھی، اگر نکرہ مفرد مضاف الیہ ہو تو عموم افراد کا فائدہ دیتا ہے، یعنی مضاف الیہ کے تمام افراد پر دلالت کرتا ہے، ”کل عبد“ سے تمام غلام مراد ہیں اور اگر مفرد معرفہ ہو تو عموم اجزاء کا فائدہ دیتا ہے یعنی مضاف الیہ کے تمام اجزاء پر دلالت کرتا ہے جیسے ”کل العبد“ کہ اس سے غلام کے بدن کے تمام اجزاء و اعضاء مراد ہوتے ہیں۔ (نور، ص ۷۶)۔

(☆) اصولیین کی اصطلاح میں اسی مضمون کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ عام کا عموم شمولی اور مطلق کا بدلی ہوتا ہے۔ (تفسیر ج ۲/ص ۱۱-۱۲، ارشاد، ص ۱۰/۱۰)۔

۱۳- تمام وہ اسماء جو جماعت و جمعیت کے معنی دیتے ہیں، جیسے معشر،

معاشر، عامۃ، كافة، قاطبة، رهط، قوم، جماعة، جمع، جميع وغيرہ۔ (۱)

۴- اقسام واحکام:

(الف) عام کا ایک عام حکم یہ ہے کہ عمل کے حق میں لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، اور اس سبب کا نہیں جو اس لفظ عام کے لیے کسی حکم کے بیان کا باعث بنا ہو، بہت سے احکام کی آیات کا نزول خاص واقعات کی بناء پر محض افراد کے حق میں ہوا ہے، مگر چونکہ الفاظ عام ہیں، اس لیے حکم عام قرار دیا گیا ہے، مثلاً چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کی آیت خاص واقعہ پر نازل ہوئی ہے، مگر حکم عام رکھا گیا ہے، اس لیے کہ لفظ عام ہے۔ (۲)

(ب) اس کے علاوہ احکام عام کی اقسام کے اعتبار سے مختلف ہیں اور عام کی اصولی دو اقسام ہیں:

۱- عام محمول برعموم۔ ۲- عام محمول برخصوص۔

۱- عام محمول برعموم:

(الف) تعریف:

وہ عام جو اپنے عموم پر محمول ہو اور اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہ ہو۔

(ب) صورتیں: اس کی دو ہیں: ۱- عام محمول برعموم قطعاً۔ ۲- عام مطلق۔

۱- عام محمول برعموم قطعاً:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کو تخصیص سے مانع کسی قرینہ کی وجہ سے عموم پر محمول کیا جائے۔

(۱) فوائج ج ۱/ ص ۲۶۸، ۲۶۹، التوضیح ص ۱۲۸-۱۶۶، نور وقر، ص ۷۳-۸۲، تفسیر ج ۲/ ص ۱۲-۱۸، المدخل ص ۱۳۶- (۲) فوائج ج ۱/ ص ۲۹۰، التوضیح ۱۶۹۔

۲- عام معمول بر خصوص:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کے بعض افراد کو حکم مذکور سے باہر قرار دیا جائے۔

(ب) صورتیں:

اس کی بھی دو ہیں:

۱- عام مخصوص بر بناء قرینہ۔ ۲- عام مخصوص بر بناء دلیل۔

۱- عام مخصوص بر بناء قرینہ:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کے بعض افراد کو کسی قرینہ (۱) کی وجہ سے حکم مذکور سے باہر قرار

دیا گیا ہو۔

(ب) حکم:

قرینہ کی بناء پر جن افراد کے حق میں اسے خاص کیا گیا، ان کے حق میں ”خاص“ اور ”عام“ کی قسم اول کی مانند ہے، یعنی قطعیت کے ساتھ اس کا اعتبار اور اس پر عمل ضروری ہے۔

(ج) مثال:

”وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا“ (۲)

(اور لوگوں پر خدا کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اس کا حج کرے)۔

اس میں لفظ ”الناس“ عام ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم تمام انسانوں

اور کم از کم تمام مسلمانوں کے لیے ہو، لیکن قرینہ عقلیہ کی وجہ سے یہ لفظ مخصوص پر معمول

(۱) قرینہ سے یہاں لفظی قرینہ نہیں مراد ہے بلکہ عقل، جس وعادت یا لفظ کے حقیقی مفہوم میں نقص یا زیادتی وغیرہ۔

(نور و قمر، ص/۷۰، التلویح، ص/۱۱۹۔ (۲) آل عمران/۹۷۔

ہے، اور اس سے بعض افراد مراد ہیں، یعنی بالغ و عاقل مسلمان اس لیے کہ بچے اور
مجنون پر کوئی فریضہ و مطالبہ عائد نہیں ہوتا۔

۲- عام مخصوص بر بناء دلیل:

(الف) تعریف:

وہ عام جس کے بعض افراد کو کسی دلیل کی وجہ سے حکم مذکور سے خارج قرار دیا
گیا ہو۔

(ب) حکم:

ایسا عام ”ظنی“ شمار ہوتا ہے، جن افراد کو دلیل کے ذریعہ نکال دیا گیا، ان کے
علاوہ جو رہ جائیں ان کے حق میں عمل واجب ہوتا ہے، اس احتمال کے ساتھ کہ شاید کسی
دوسری دلیل کی وجہ سے مزید کچھ افراد نکل جائیں، اور اگر کوئی دلیل ایسی مل جائے جو
مزید کچھ افراد کے باہر ہونے پر دلالت کرے تو ان کو بھی باہر قرار دیا جائے گا۔

(ج) مثال:

”وَأَجَلٌ لَّكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ“ (۱) جن عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں
ہے، ان کے ذکر کے بعد اس آیت میں ان کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح کی حلت کو
بیان کیا گیا ہے، مگر دوسری نصوص سے مزید کچھ عورتوں کا بھی استثناء ثابت ہے، اس
لیے یہ نص جس میں لفظ ”ما“ عام ہے، خصوص پر محمول ہے، جس کی دلیل دوسری
نصوص ہیں۔ (۲)

(۱) النساء۔ (۲) التوبہ، ص: ۱۱۹-۱۲۱، تفسیر ج: ۲، ص: ۱۰۲-۱۰۳، کشف ج: ۱، ص: ۲۹۳، فواح ج: ۱، ص: ۳۰۸،
عام مذکورہ دو اصولی و ظنی چارہ اقسام احقر نے ترتیب دی ہیں جس کی بنیاد التوسیع، تفسیر النصوص اور نور و قمر میں مذکور
تفصیلات ہیں۔

تخصیص

۱- تعریف:

کسی دلیل کی بناء پر عام کو اس کے افراد میں منحصر کرنا (۱) ذرا وضاحت کے ساتھ یوں کہیے:

کسی دلیل کی بناء پر عام کو اس کے معنی موضوع لہ یعنی عموم سے خصوص کی طرف پھیرنا۔ (۲)

۲- شرائط:

دو ہیں: (الف) دلیل تخصیص (عام کو خاص قرار دینے والی دلیل) کا اس عام سے متصل ہونا جسے وہ خاص قرار دے رہی ہو۔

(ب) مستقل ہونا، یعنی وہ کلام جس میں عام مخصوص مذکور ہے، دلیل تخصیص، اس کا جزء نہ ہو، خواہ کلام ہی نہ ہو، یا کلام ہو مگر مستقل جملہ کی صورت میں ہو، جملہ کے جزء کی حیثیت میں نہ ہو۔ (۳)

۳- مثال برائے توضیح:

ایک شخص کا کسی سے یوں کہنا ”فلاں چیز کسی کو نہ دینا اور زید کو دینا“ اس میں دو جملے ہیں، پہلا فلاں چیز کسی کو نہ دینا، جس میں ”کسی“ عام لفظ ہے، دوسرا جملہ جو کہ

(۱) نواع ج/۱/ص/۳۰۰، تفسیر ج/۲/ص/۷۸۔ (۲) کشف ج/۱/ص/۳۰۶، المدخل ص/۱۹۸۔
 (۳) بلکہ اگر دوسرا جملہ متصل نہ ہو تو نسخ کہتے ہیں اور متصل ہو مگر مستقل نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ مانا جاتا ہے، گویا کہ کہنے والے نے صرف یہ کہا ہے کہ زید کو دو اور کسی کا تذکرہ ہی نہیں کیا ہے۔ (المدخل ص/۲۰۳-۲۰۴، تفسیر ج/۲/ص/۱۰۰-۱۰۱، کشف ج/۱/ص/۳۰۷، التوضیح ج/۱/ص/۴۲-۴۳)۔

پہلے سے ملا ہوا بھی ہے اور مستقل بھی، اس نے اس عام کو خاص کر دیا ہے، اور زید کو حکم مذکور سے نکال دیا ہے، اگر دوسرا جملہ کچھ وقفہ کے بعد کہا جائے تو یہ حیثیت نہیں ہوگی جیسے کہا گریوں کہا جائے کہ ”کسی کو نہ دینا، بجز زید کے“ تو یہ صورت بھی اصطلاحاً تخصیص نہیں کہلائے گی (۱)، اس لیے کہ ”بجز زید کے“ پورا جملہ نہیں ہے۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جن افراد کو نکالا جاتا ہے، وہ کبھی معلوم و متعین ہوتے ہیں، اور کبھی مجہول یعنی غیر معلوم، جیسے مثال مذکور میں اگر یوں کہا جائے کہ ”کسی کو نہ دینا اور اپنی قوم کے ایک آدمی کو دے دینا“ تو یہاں قوم کا جو ایک آدمی نکالا گیا وہ مجہول ہے، متعین نہیں ہے، اور اگر نام لے کر کہا جائے جیسا کہ پہلی مثال میں ہے تو نکالا جانے والا فرد معلوم و متعین ہوگا۔

۴- تنبیہ:

یہ دونوں شرطیں اولین تخصیص کے لیے ہیں، اور اگر کسی عام میں ان دونوں شرطوں کی جامع دلیل سے ایک مرتبہ تخصیص ہو جائے تو بعد کی تخصیصات کے لیے یہ شرطیں نہیں۔ (۲)

۵- حکم:

”عام مخصوص“ کے احکام آپ کے سامنے آچکے ہیں:

(الف) اگر عام کو قرینہ عقلیہ وغیرہ کی وجہ سے خاص قرار دیا جائے تو قطعی

ہی رہتا ہے، جیسا کہ عام کا اس وقت حکم ہوتا ہے، جبکہ وہ مخصوص نہ قرار دیا گیا ہو۔

(ب) اگر عام کو کسی دلیل قوی کی بناء پر خاص قرار دیا جائے تو وہ قطعی نہیں رہ جاتا۔

بلکہ ظنی قرار پاتا ہے (۳) اور تخصیص ایک مرتبہ کے بعد دلائل کی وجہ سے

دوبارہ و سہ بارہ بھی ہو سکتی ہے۔

(۱) التوضیح ج ۱/ص ۴۲، فواع ج ۱/ص ۳۰۰-۳۰۲، کشف ج ۱/ص ۳۰۶۔ (۲) فواع ج ۱/ص ۳۳۹،

۳۵۷، نور، ۲۰۲-۲۰۳۔ (۳) التوضیح ج ۱/ص ۱۲۱۔

۶۔ تخصیص کی حد:

ذکر کیا جا چکا ہے کہ تخصیص کی حقیقت عام کے بعض افراد کو حکم مذکور سے باہر قرار دینا ہے، اور ایک عام میں دلائل کی بناء پر متعدد مرتبہ تخصیص کا عمل جاری ہو سکتا ہے، لیکن تخصیص کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تخصیص برابر جاری رہے، حتیٰ کہ عام کے تحت ایک فرد بھی نہ رہ جائے، اس لیے کہ یہ نوبت آنے پر لفظ عام مخصوص نہیں رہ جائے گا بلکہ متروک ہو جائے گا، یعنی اس پر عمل کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہے گی اور یہ ممنوع و مذموم ہے کہ کسی حکم پر عمل بالکل ترک کر دیا جائے، اس وجہ سے تخصیص کی ایک حد متعین ہے اور وہ یہ کہ:

تخصیص اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک کہ نص متروک العمل نہ ہو یعنی اس پر عمل ترک نہ ہو، یعنی اس عام کے تحت کم از کم ایک فرد باقی رہے اور اگر جمع نکرہ جیسے رجال و نساء یا ہم معنی جمع الفاظ جیسے رہط اور قوم وغیرہ میں تخصیص ہو تو کم از کم تین افراد اس کے تحت رہ جائیں تاکہ جمع کا کم از کم جو مصداق ہے وہ پایا جاسکے۔ (۱)

۷۔ مختصات: (یعنی وہ امور جن میں تخصیص ہوتی ہے)

قرآن و حدیث کی نصوص و عبارات ہیں۔

۸۔ مختصات: (یعنی وہ امور جو تخصیص کا باعث ہوتے ہیں)

۱۔ قرآن مجید۔ ۲۔ حدیث متواتر۔ ۳۔ حدیث مشہور۔ ۴۔ خبر واحد۔

۵۔ اجماع متواتر۔ ۶۔ اجماع مشہور۔ ۷۔ اجماع آحادی۔ ۸۔ فعل رسول۔

۹۔ تقریر رسول۔ ۱۰۔ قول صحابی۔ ۱۱۔ فعل صحابی۔ ۱۲۔ تقریر صحابی۔ ۱۳۔ عرف عملی۔

۱۴۔ عرف قولی۔ ۱۵۔ عقل و قیاس۔ (۲)

(۱) نواحیح ابی ۳۰۶-۳۰۷، التوحیح ص ۱۳۳ و ۱۳۵، نور ص ۸۲-۸۳۔ (۲) نواحیح ابی ۳۵۵-۳۶۰، البدیع ص ۲۱-۲۲، نواحیح ابی ۸۵-۹۳، متواتر، مشہور، خبر واحد، حدیث و اجماع اور تقریر، عرف و قیاس سب کی تفصیلات و تعریفات آگے آنے والی ہیں۔

البتہ یہ خیال رہے کہ یہ امور ہر حال میں اور ہر عام کے لیے تخصیص کا باعث نہیں بنتے، بلکہ چونکہ بعض عام قطعی ہوتا ہے اور بعض ظنی۔
قطعی:

جو قرآن مجید یا مشہور و متواتر حدیث میں ہو، اور اس میں کوئی تخصیص نہ ہوئی ہو۔

ظنی:

وہ عام جو اوپر مذکور کسی صورت کے مطابق ہو، اور اس میں تخصیص ہو چکی ہو، نیز جس کا ذکر عام احادیث میں ہو۔

”عام قطعی“ کی پہلی تخصیص کے لیے تخصیص کا قطعی ہونا ضروری ہے، اس لیے اس کی تخصیص صرف کسی دوسری آیت یا حدیث متواتر و مشہور یا اجماع متواتر و مشہور کے ذریعہ ہو سکتی ہے، نیز جس (۱) اور عقل و عرف کے ذریعہ بھی۔

عام معمول بر خصوص کی دونوں اقسام کی مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

اور ”عام ظنی“ نیز ”عام قطعی“ کی مزید تخصیصات کے لیے دلیل کا قطعی ہونا

ضروری نہیں ہے، اس لیے مذکورہ تمام امور کے ذریعہ تخصیص ہو سکتی ہے۔ (۲)

۹۔ تخصیص و تقیید کے درمیان فرق:

لفظ کے عموم کو ختم کرنے کی ایک صورت تقیید ہے، جس کی تفصیلات آپ مطلق اور مقید کی بحث میں ملاحظہ فرما چکے ہیں، تخصیص و تقیید کے درمیان یہ فرق تو ظاہر ہے کہ تخصیص کا تعلق عام سے اور تقیید کا مطلق سے ہے اور عام و مطلق کے درمیان فرق ہے، مزید یہ کہ:

(الف) تخصیص کا مفہوم ہے: ”لفظ کے لغوی مفہوم میں تصرف کرنا۔“

(۱) جس کے ذریعہ تخصیص جیسے ملکہ سبا کی بابت فرمایا گیا ”و اوتبت من کل شیء“ لفظ ”شیء“ کے تحت مملکت سلیمان بھی داخل تھی مگر ظاہر ہے کہ وہ مراد نہیں، جس اس کی نفی کرتی ہے، عرف کی مثال انڈے سے ہر انڈا مراد نہیں ہوتا۔ (۲) المدخل ص/ ۲۱۹، فوائج ج/ ۱، ص/ ۳۳۹، ۳۵۷۔

اور تقييد ہے: ”لغوی مفہوم پر کسی قيد و مفہوم کا اضافہ۔“

جیسے ”الرجل“ کا ایک لغوی مفہوم ہے، اس کے ساتھ ”الغنی“ یا ”الفقير“ وغیرہ کی قيد لگا دی جائے تو ”الرجل“ کے مفہوم کے ساتھ ایک ایسے مفہوم کا اضافہ ہو جائے گا جس پر صرف لفظ ”الرجل“ دلالت نہیں کرتا۔

اور تخصیص کی صورت یہ ہے کہ اس لفظ کا مصداق جتنے افراد ہوں، ان میں سے کچھ کو کم کر دیا جائے۔

(ب) تخصیص کے بعد بھی عام کا اصل مصداق و مفہوم ہی معتبر و معمول بہ رہتا ہے، اور تقييد کی صورت میں اس کے ساتھ دوسرے مفہوم کی قيد لگ جاتی ہے۔

(ج) مقید از قبیل کلام ہی ہوتا ہے، اور تخصیص غیر کلام بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ تخصیص کی تفصیلات سے ظاہر ہے۔

(د) تخصیص اگر کلام ہو تو جملہ ہونا ضروری ہے، اور مقید (قيد پر دلالت کرنے والا) غیر جملہ بھی ہو سکتا ہے۔ (۱)

فصل سوم

مشترک

۱- تعریف:

مشترک وہ لفظ ہے جس کو دو یا دو سے زائد معانی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔ (۱)

۲- عام و مشترک کے درمیان فرق:

(الف) عام کا موضوع لہ یعنی وہ معنی جس کے لیے اس کو اپنایا جاتا ہے،

ایک ہوتا ہے، اور مشترک کا موضوع لہ متعدد ہوتا ہے۔

یعنی مشترک متعدد معانی پر دلالت کرتا ہے، جب کہ عام ایک ہی معنی پر

دلالت کرتا ہے، البتہ معنی کا مصداق متعدد افراد ہوتے ہیں۔

(ب) عام کی وضع ایک مرتبہ اور مشترک کو اس کے موضوع لہ معانی کے

لیے اکثر (۲) ایک سے زائد مرتبہ وضع کیا جاتا ہے۔

(ج) عام کے مدلول میں تعدد ہوتا ہے، مگر حصر نہیں ہوتا اور مشترک کا مدلول

متعدد ہونے کے ساتھ محصور بھی ہوتا ہے۔

(۱) فوارج ج/۱، ص/۱۹۸، کشف ج/۱، ص/۱۳۳، معانی سے موضوع لہ مراد ہے جس کا مصداق ذوات و اشیاء بھی ہوتی ہیں اور افعال و اوصاف بھی، مثلاً لفظ عین کا مصداق ذوات ہیں، آنکھ، سورج، جاسوس وغیرہ اور لفظ اخفاء کا مصداق ہے چھپانا و ظاہر کرنا (عمدہ ص/۱۲، نظامی ص/۶) ایسے ہی ”من“ وغیرہ حروف جارہ کے متعدد معانی آتے ہیں۔ (۲) اکثر کی قید اس لیے ہے کہ مشترک معنوی کی وضع میں تعدد نہیں ہوتا بلکہ اصل معنی موضوع لہ کے مناسب مشترک رکھنے والے متعدد امور میں اس کا استعمال ہوتا ہے، جیسا کہ آپ مشترک معنوی اور اسباب اشتراک کی تفصیلات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(د) عام سے اس کے مدلول تمام افراد بیک وقت مراد لیے جاسکتے ہیں اور مشترک کے مدلول متعدد معانی میں سے صرف ایک ہی کو ایک وقت میں مراد لیا جاسکتا ہے۔ (۱)

۳- اسباب اشتراک (یعنی وہ امور جو کسی لفظ کے متعدد معانی میں استعمال کا باعث بنتے ہیں):

(الف) واضح کا مختلف ہونا، ملک و قوم کے اعتبار سے، کہ ایک قوم و علاقہ کے لوگ کسی لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کرتے ہیں، دوسری قوم و علاقے کے لوگ اسی لفظ کو کسی دوسرے معنی کے لیے وضع کرتے ہیں۔

(ب) ایک ہی قوم و علاقے کے لوگوں کا ایک ہی لفظ کو مختلف اوقات میں مختلف معانی میں استعمال کرنا۔

(ج) کسی لفظ کے معنی حقیقی کے بجائے معنی اصطلاحی میں استعمال کرنا، جیسے شریعت اور علوم و فنون کی اصطلاحات۔

(د) معنی حقیقی کے بجائے معنی مجازی میں اس طور پر استعمال کہ مجازی معنی بھی بمنزلہ حقیقت ہو جائیں۔

(ه) دونوں معانی کے درمیان کسی ایسی مناسبت کا ہونا جو کسی لفظ کے اصل معنی کے پیش نظر دونوں معانی کے لیے اس لفظ کے استعمال کا باعث ہو، اور بعد میں ہر دو کے لیے اسے موضوع سمجھ لیا جائے۔ (۲)

۴- اقسام:

دو ہیں: (الف) مشترک لفظی۔ (ب) مشترک معنوی۔

(الف) مشترک لفظی: (جس کو مشترک لغوی بھی کہتے ہیں)

۱- تعریف:

وہ مشترک جو مختلف اشیاء و معانی کو تعبیر کرنے کے لیے کئی مرتبہ میں ضمن یا
گیا ہو۔

۲- مثال:

لفظ عین کہ اس کو آنکھ، چشمہ، گھٹنہ وغیرہ مختلف اشیاء کے لیے متعدد مرتبہ
وضع کیا گیا ہے۔

(ب) مشترک معنوی:

۱- تعریف:

وہ مشترک جس کو کسی ایسے مفہوم و معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، جو چند
چیزوں کے درمیان مشترک ہو اور اس مناسبت سے ہر ایک کے لیے الگ الگ اس کا
استعمال کیا جائے، اس طور پر کہ یہ سمجھا جانے لگے کہ اس لفظ کو ان معانی میں سے ہر
ایک کے لیے مستقلاً وضع کیا گیا ہے۔

۲- مثال:

لفظ ”قرآن“ اصل میں اس کا موضوع لہ ہر ایسا وقت ہے جس میں کسی کام کے
ہونے یا کرنے کی عادت بن جائے، اسی مناسبت سے: (الف) باری سے آنے
والے بخار۔ (ب) حینس۔ (ج) طہر وغیرہ سب کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے،
اس لیے کہ سب میں مذکورہ مفہوم یعنی کسی وقت میں کسی خاص کام کی عادت بن جانا
پایا جاتا ہے۔

اسباب اشتہاک کی پہلی چار صورتوں پر مشتمل مشترک ”مشترک لغوی“ اور
آخری صورت پر مشتمل ”مشترک معنوی“ کہلاتا ہے۔ (۱)

(۱) قرآن مجید میں یہ اشتہاک کی دو صورتیں مذکور ہیں جن میں سے پہلی ہے۔

۵۔ حکم مشترک:

ایک وقت میں ایک سے زائد معانی نہیں مراد لیے جاسکتے بلکہ ایک ہی معنی کا کسی موقع کے لیے تعین نہ ہو، عمل کے حق میں توقف کیا جائے گا اور کسی ایک معنی کے راجح قرار پانے پر، اس پر عمل کیا جائے گا۔ (۱)

۶۔ ذرائع رجحان:

مشترک کے چند معانی میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینے کے ذرائع ہیں:

(الف) سبق کلام (کلام کا نزشتہ حصہ)۔

(ب) سیاق کلام (کلام کا اگلا حصہ)۔

(ج) موقع کلام۔

مثلاً جو لفظ شریعت میں یا کسی علم و فن میں کوئی خاص مفہوم رکھتا ہو تو شرعی کتابوں اور اس علم کی کتابوں میں اس سے وہی معروف معنی مراد لیے جائیں گے، البتہ اگر کوئی قرینہ لغوی معنی کے مراد لینے پر موجود ہو تو لغوی معنی مراد ہوں گے۔

(د) لفظ کے حقیقی معنی اور موقع کی مناسبت۔ (۲)

۷۔ امثله:

(الف) اسم مشترک۔ جیسے عین۔

(ب) فعل مشترک۔ جیسے "عسعر" (آگے بڑھنا اور پیچھے ہونا، دونوں معانی)۔

(ج) حرف مشترک۔ "میں" جس کے نئی معنی آتے ہیں۔ (۳)

(د) قرآن کریم میں مطلقہ کی حدت تین قرآن میں فرمانی گئی اور قرآن "حیض و"

طہ" دونوں معانی کے لیے آتا ہے۔ احناف نے نور و فخر کے ذریعہ اسے حیض کے معنی

قرار دیا ہے۔ (۴)

(۱) فرائض ج ۱، ص ۲۰۱، ج ۲، ص ۲۰۰، موقع ص ۸۰۔ (۲) نور ص ۸۸، ص ۸۹۔ (۳) نور ص ۸۸، ص ۸۹۔ (۴) نور ص ۸۸۔

فصل چہارم

موؤول (☆)

۱- تعریف:

وہ لفظ مشترک جس کے کسی ایک معنی کو قرآن ظنیہ کی بناء پر باعتبار مراد راجح

قرار دیا جائے۔ (۱)

قرآن ظنیہ سے قیاس، خبر واحد اور مشترک کی ترجیح کے ذکر کردہ ذرائع

مراد ہیں۔

۲- حکم:

عمل کرنا لازم ہے، مگر خطا کے احتمال کے ساتھ، اس لیے کہ ممکن ہے کہ

دوسرے معنی مراد ہوں، جیسے ہم نہ سمجھ سکے ہوں۔ (۲)

۳- مثال:

مشترک کی مثال میں قرء کے جب ایک معنی متعین ہو گئے یعنی حیض تو وہ

موؤول قرار پایا۔

(۱) نور، ۸۵، التوحیح، ۸۸، نظام، ۶، عمدہ، ۱۳/س- (۲) اسی لیے موؤول ظنی الدلالہ شمار ہوتا ہے۔

(۲) ماہی، ۸۵۔ نور، ۸۵۔

(۳) موؤول یعنی موضوع لہ کے اعتبار سے لفظ کی چوتھی قسم ہے اور مشترک تیسری اور موؤول دراصل مستقل کوئی قسم

نہیں ہے، جیسا کہ تعریف سے آپ کو معلوم ہو جائے گا، اسی لیے بعض مضرات نے تین ہی اقسام کو ذکر کیا ہے۔

۴۔ تعبیر:

مشترک کے چند معانی میں سے کسی ایک کے رجحان کے بعد جیسے اس کو مؤول کہا جاتا ہے، ایک صورت میں اسے مفسر بھی کہا جاتا ہے۔

(الف) تعریف:

وہ مشترک جس کے کسی ایک معنی کی تعیین کسی دلیل قطعی کے ذریعہ ہو۔
دلیل قطعی کے تحت قرآن و حدیث کی دلیل قطعی کے علاوہ خود متکلم کا بیان بھی شامل ہے۔

(ب) حکم:

اس پر بغیر کسی احتمال کے عمل لازم ہوتا ہے۔ (۱)

(ج) مثال:

کوئی شخص اپنی گفتگو میں لفظ ”عین“ کو استعمال کرے جو کہ کئی معنی میں آتا ہے (آنکھ، پانی کا چشمہ وغیرہ) اور ساتھ ہی یہ کہہ دے کہ میں نے اس سے آنکھ یا جاسوس یا پانی کا چشمہ مراد لیا ہے۔

بالفاظ دیگر آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ کسی ایک معنی کی تعیین کے اعتبار سے مشترک کی دو اقسام ہیں:

ا) تعیین گمان غالب کے ساتھ ہو تو اسے ”مؤول“ اور اگر قطعیت کے ساتھ ہو تو ”مفسر“ کہتے ہیں۔

باب دوم تقسیم دوم (باعتبار ظہور معنی)

معنی کے ظاہر و واضح ہونے کے اعتبار سے لفظ کی چار اقسام ہیں، اور یہ چاروں اقسام دراصل ظہور کے مراتب کے اعتبار سے ہیں، یعنی:

۱- ظاہر۔ ۲- نص۔ ۳- مفسر۔ ۴- محکم۔

اور یہ چاروں گزشتہ اقسام کے بالمقابل نہیں ہیں، بلکہ یہ چاروں ان میں سے کسی کے ساتھ بھی پائے جاسکتے ہیں۔

۱- ظاہر:

(الف) تعریف:

وہ لفظ جس کے معنی کو سننے والا سنتے ہی مزید کسی غور و فکر کے بغیر سمجھ لے۔

(ب) حکم:

عمل کرنا واجب ہے، مگر اس احتمال کے ساتھ کہ شاید اس لفظ میں کوئی تاویل یا تخصیص ہو یا منسوخ ہو۔

(ج) مثال:

”أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ کہ ہر سننے والا اس سے بیع کی حلت

اور ربا کی حرمت کو سمجھ لیتا ہے، تاہم اس میں بھی کسی تاویل و تخصیص ناسخ کا احتمال موجود ہے۔

۲- نص:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: عبارت کلام، صریح کلام۔

۲- اصطلاحی: وہ ظاہر جو مقصود کلام بھی ہو، یعنی ایسا لفظ جس کے معنی کو مخاطب سنتے ہی سمجھ لے اور متکلم اسی معنی کو بیان کرنے کے لیے اس لفظ و کلام کو لایا ہو۔ (☆)

(ب) حکم:

تاویل و نسخ کے امکان کے ساتھ عمل کرنا واجب ہے۔

(ج) مثال:

مثال سابق ”نص“ کی بھی مثال ہے، اس لیے کہ اس کے ذریعہ بیع کی حالت اور ربا کی حرمت کو بیان کر کے دونوں کے درمیان فرق کو سمجھانا مقصود بھی ہے۔

۲- مفسر:

(الف) تعریف:

وہ ظاہر جو مقصود کلام ہونے کے ساتھ اس قدر واضح ہو کہ تاویل و تخصیص کے احتمال سے خالی ہو۔

خواہ یہ وضاحت خود لفظ کے معنی کی وجہ سے ہو یا اللہ اور اس کے رسول کے بیان کی وجہ سے ہو اور رسول کا بیان خواہ قولی ہو یا فعلی۔

(ب) اس پر دلیل یہی ہے یعنی قرآن و حدیث کی دلیل کو بھی کہتے ہیں، بلکہ اجماع کو بھی کہہ دیتے ہیں۔
(نواعج/ج ۲/ہ ۱۹)۔

(ب) حکم:

عمل واجب ہے، البتہ نسخ کا احتمال رہتا ہے۔

(ج) مثال:

”قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً“ (تمام مشرکوں سے جنگ کرو)، معنی کے ظہور اور مشرکین کے ساتھ قتال کے حکم کو بیان کرنے کی غرض کے ساتھ ”کافہ“ کی قید کی وجہ سے تخصیص کے احتمال سے خالی ہے، اس لیے مفسر ہے نیز ”أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ“ جیسی آیات میں ”صلوٰۃ و زکوٰۃ“ کے الفاظ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریح و بیان (۱) فرمادینے کی وجہ سے، ہر قسم کی تاویل سے خالی ہیں اور مفسر ہیں۔

(د) اقسام: دو ہیں:

۱- اول وہ مفسر جو اپنے لفظ و صیغہ ہی کی رو سے تاویل و تخصیص کے احتمال سے خالی ہو، جیسے اعداد کہ ان میں تاویل و تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

۲- وہ مفسر جو لفظاً اس کا احتمال رکھتا ہو اور کسی قطعی تصریح و دلیل کی وجہ سے اس کا یہ احتمال ختم کر دیا جائے، ایسا مفسر اصطلاحی طور پر کبھی عام ہوتا ہے، جس میں تخصیص کے احتمال کو ختم کیا جاتا ہے، جیسے ”فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ“ میں ملائکہ عام ہے، ”کلہم“ کی قید لگا کر اس میں تخصیص کے احتمال کو ختم کر دیا گیا ہے، اور کبھی مجمل ہوتا ہے، جس کی توضیح کی جاتی ہے اور اس سے تاویل کے احتمال کو ختم کیا جاتا ہے، جیسے کہ دوسری مثال ایسے ہی آیت ”فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ“ کے ساتھ ”أَجْمَعُونَ“ کی قید لگا کر اس تاویل کے احتمال کو ختم کیا گیا ہے کہ فرشتوں نے سجدہ الگ الگ کیا، یا ایک ساتھ، اس لفظ نے متعین کر دیا کہ انہوں نے ایک ساتھ سجدہ کیا۔ (۲)

(۱) ظاہر ہے کہ قرآن کلام الہی ہے، اس لیے کسی ایسے لفظ کے حق میں خود خداوندی تصریح کا اعتبار ہوگا، نہ کہ بندوں میں سے کسی کی تشریح و توضیح کا، مگر چونکہ شرحیات کے باب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان و فرمان ایک ہی شمار ہوتا ہے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیانات کا حکم بھی خداوندی تصریحات کا ہے، جیسا کہ مثالوں سے ظاہر ہے۔ (۲) کشف ج/۱، ص/۵۰، نظامی، ص/۸، تفسیر ج/۱، ص/۱۶۸، ۱۶۹، اصول ص/۱۴۔

۴۔ محکم:

(الف) تعریف:

۱۔ لغوی: پختہ، مضبوط۔

۲۔ اصطلاحی: وہ ظاہر جو مقصود کلام ہونے کے ساتھ تاویل و تخصیص اور نسخ

ہر احتمال سے خالی ہو۔

(ب) حکم:

بغیر کسی احتمال و تردد کے عمل لازم ہے۔

(ج) اقسام:

دو ہیں: ۱۔ محکم لذاتہ۔ ۲۔ محکم لغیرہ۔

۱۔ محکم لذاتہ:

وہ محکم جو اپنے معنی کے اعتبار سے احکام کے مخالف اوصاف سے خالی ہو اور اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

(الف) عبارت میں کوئی ایسا لفظ موجود ہو جو ابدیت (ہمیشگی یعنی کبھی

منسوخ نہ ہونے) کو بتاتا ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے

نکاح کی ممانعت والی آیت ”وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْا اَزْوَاجَهُمْ مِنْۢ بَعْدِہٖ اَبْدًا“ (۱) (اور نہ

یہ کہ ان کی بیویوں سے ان کے بعد کسی سے نکاح کرو) کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے

کہ یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہے۔

(ب) نفس مضمون ہی نسخ کا احتمال نہ رکھتا ہو، مثلاً اس کا تعلق عقائد یا

اصول اخلاق سے ہو، جیسے ”اِنَّ اللّٰهَ عَنِیْ کَلِّیْ سَبِّیْ قَدِیْرٌ“۔

۲- محکم لغیرہ:

جو لفظ و معنی کے اعتبار سے محکم نہ ہو، یعنی نسخ کا امکان و گنجائش رکھتا ہو، مگر علم نسخ کے آنے سے پہلے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو جانے کی وجہ سے وہ نسخ سے محفوظ ہو کر ابدی قرار پا گیا ہو، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد گزشتہ تینوں اقسام یعنی ظاہر نص و مفسر بھی اب نسخ کے حق میں محکم ہیں۔

۵- چاروں اقسام کا باہمی ربط:

یہ ہے کہ ہر بعد کی قسم میں پہلی قسم کے مفہوم کی پوری پوری رعایت ہوتی ہے، جیسا کہ تعریفات میں واضح کر دیا گیا ہے، چنانچہ نص کی تعریف میں ظاہر کی اور مفسر کی تعریف میں ظاہر نص، دونوں کی اور محکم میں سابق تینوں اقسام یا ان کی حقیقتوں کی قید لگی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ کبھی یہ چاروں ایک ہی عبارت میں جمع ہو جاتی ہیں، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ”فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ“ (پس سارے کے سارے فرشتوں نے سجدہ کیا)، مفہوم کے واضح ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے، اور شیطان کے علاوہ تمام فرشتوں کے سجدہ کو بیان کرنے کی غرض کے پیش نظر نص ہے اور چونکہ لفظ ”کلہم“ پوری جماعت کے سجدہ کرنے کو اور لفظ ”أجمعون“ بیک وقت سجدہ کرنے کو بتا رہا ہے، اور اس نے انفرادی سجدہ کے احتمال کو ختم کر دیا ہے، اس لیے مفسر ہے۔

اور چونکہ ایک واقعہ کا بیان ہے جس میں نسخ کا امکان و سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اس لیے محکم ہے۔

۶- مراتب:

(لیکن اسی باہمی تعلق کے ساتھ یہ بھی ہے کہ) چاروں میں فرق مراتب ہے، اسی ترتیب کے اعتبار سے جس ترتیب سے ان کو ذکر کیا گیا ہے، یعنی اول سے چہارم کی طرف اول سب سے کم تر اور محکم سب سے برتر ہے، اس فرق مراتب کا

یایوں کہیے اس کے فائدہ کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جبکہ کسی چیز سے متعلق ان میں سے دو یا چند کا تعارض ہو تو قوی ترین کو اختیار کیا جاتا ہے اور اسی پر عمل ہوتا ہے، جیسے ”أَجَلَ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ“ (۱) (ان کے سوا دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں)۔ چار سے زائد بیویوں کے رکھنے کے جواز کے حق میں ظاہر ہے، اور ”فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنِي وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ“ (۲) (جو عورتیں تم کو پسند ہیں دو دو یا تین تین یا چار چار ان سے نکاح کر لو)۔ چار ہی پر انحصار کے حق میں نص ہے، لہذا نص کو ظاہر پر ترجیح ہوگی۔ (۳)

(۱) النساء/۲۳۔ (۲) النساء/۳۔ (۳) ذوالحجہ/۲، ص/۱۹-۲۰، کشف ج/۱، ص/۱۴۳ وما بعد، نور، ص/۸۵-۸۸، حسامی و نظامی ص/۷-۸، تفسیر ج/۱، ص/۱۴۲ تا آخر بحث ص/۱۹۷، التوضیح ص/۹۰-۹۲۔

باب سوم

تقسیم سوم

(باعتبار خفاء معنی)

معنی کے خفاء (۱) یعنی عدم ظہور کے اعتبار سے بھی لفظ کی چار اقسام ہیں:
 ۱- خفی۔ ۲- مشکل۔ ۳- مجمل۔ ۴- متشابہ۔ اور چاروں ترتیب وار گزشتہ
 چاروں اقسام کے بالمقابل ہیں، یعنی خفی ظاہر کا، مشکل نص کا، مجمل مفسر کا، متشابہ محکم کا
 مقابل ہے۔

۱- خفی:

(الف) تعریف: ۱- لغوی: پوشیدہ۔

۲- اصطلاحی: وہ لفظ جس کے معنی از روئے لفظ واضح ہوں، لیکن کسی دوسری
 وجہ سے اس میں خفا پایا جائے۔ (جو معمولی سے غور و فکر کے ذریعہ دور ہو جائے۔ یعنی کوئی
 دوسری چیز اس کے ظہور کو دبا دے اور اس کی وجہ سے کچھ غور و فکر کی ضرورت ہو)۔
 (ب) وجوہ خفاء:

مثلاً اس لفظ کے مصداق جو افراد ہوں، ان میں سے بعض کا کوئی خاص نام
 ہو، اس وجہ سے کہ اس لفظ کے معنی میں جو خصوصی وصف ملحوظ ہو۔

(۱) ذکر کیا جا چکا ہے کہ تقسیم دوم کی اقسام کے بالمقابل چار اقسام ہیں اور بیسے تقسیم دوم میں معنی کے ظہور کا اعتبار
 ہے، اس میں معنی کے خفاء کا اعتبار ہے اور عموماً اس تقسیم کو مستقلاً نہیں ذکر کیا گیا ہے، بلکہ سابق تقسیم کے مقابلہ کی وجہ
 سے اس کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔

بعض افراد میں اس کی ایسی کمی یا زیادتی پائی جاتی ہو جو کہ دوسرے افراد سے ان کو ممتاز کرتی ہو، اور اس خصوصی نام یا امتیاز کی وجہ سے ظاہری اطلاق و استعمال میں لفظ ان افراد کو شامل نہ ہو۔ (۱)

(ج) حکم:

غور و فکر کے ذریعہ خفاء کی وجہ معلوم کرنا، مثلاً یہ کہ خفاء اگر زیادتی کی وجہ سے ہو تو ظاہر کے حکم میں داخل کریں گے، ورنہ خارج رکھیں گے۔

(د) مثال:

لفظ ”سارق“ کی ایک خاص حقیقت ہے اور وہ ہے، کسی شخص کے مال محفوظ کو چپکے سے یعنی اس کی بے خبری میں لے لینا، یہ مفہوم چور کے حق میں تو ظاہر ہے لیکن جیب کترے اور کفن چور کے حق میں خفی (غیر واضح) ہے، حالانکہ ”نیر کے مال کا بغیر اجازت لے لینا“ تینوں میں قدر مشترک ہے، لیکن ان دو کے لیے مستقل نام ہیں، جس کی وجہ سے جیب کترے میں چور کے عمل دو وصف پر زیادتی ہے کہ چور محفوظ مال کو، مالک کی ناواقفیت کے ساتھ لے جاتا ہے، خواہ وہ موقع پر موجود ہی نہ ہو یا موجود ہو مگر سو رہا ہو اور جیب کترا جائے اور ہوشیار رہنے کی حالت میں اس کی مشغولیت سے فائدہ اٹھاتا ہے، اور کفن چور کے عمل میں کمی ہے کہ کفن محفوظ نہیں ہوتا، نہ اس کا کوئی محافظ ہوتا ہے، اس لیے جیب کترے کو چور کا حکم دیا گیا ہے، اور کفن چور کو اس حکم سے خارج قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ مشکل:

(الف) تعریف:

وہ لفظ جس کی مراد خود لفظ کی رو سے اس درجہ مخفی ہو کہ کافی غور و فکر کے بغیر

اس کا خفا دور نہ ہو سکے۔

(ب) وجوہ اشکال:

۱- لفظ کا بطور اشتراک یا مجاز متعدد معانی میں استعمال ہونا اور اس کی وجہ سے موقع پر مراد معنی کا واضح نہ ہونا۔

۲- معنی مجازی کا معنی موضوع لہ سے زیادہ مشہور ہونا۔

۳- کسی شے کا ذوق جہین ہونا، اس طور پر کہ ہر وجہ الگ حکم کا تقاضا کرتی ہو۔

۴- کسی دوسری نص سے تعارض۔

۵- نادر و غامض استعارہ کا استعمال۔ (۱)

(ج) حکم:

غور و فکر کے ذریعہ قرائن کی مدد سے مراد کی وضاحت و تعیین۔

(د) مثالیں:

۱- (بربناء اشتراک) ”فأتوا حرثکم انی شتتم“ (۲) (تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ) اس آیت میں لفظ ”انسی“ مشترک ہے، اس کے متعدد معانی آتے ہیں، اس لیے اس کی مراد میں خفاء پیدا ہو گیا ہے، غور و فکر کر کے قرائن سے مدد لے کر مختلف حضرات نے الگ الگ رائے قائم کی ہے، کسی نے بمعنی ”کیف“ (جیسے و کیسے) کسی نے ”متی“ (جب) کسی نے بمعنی ”این“ (جہاں) قرار دیا ہے۔

۲- ”وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا“ (۳) (اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو نہانے کا حکم ہو جایا کرو) اس آیت میں غسل جنابت میں مبالغہ کے ساتھ جسم کو دھلنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ آیت ظاہر بدن کے حق میں واضح ہے، اس لیے

(۱) مذکرہ، مآء ج/ ۱/ ص/ ۳۰۸، تفسیر ج/ ۱/ ص/ ۲۵۳-۲۵۵، نور، ص/ ۹۱، توضیح ص/ ۲۹۲، نظامی ص/ ۹۱۔ بعض حضرات نے اول صورت کے لیے اور بعض نے تیسری کے لیے ”غروض معنی“ کی تعبیر اختیار کی ہے، ایسے پہلی تینوں صورتیں اس تعبیر کے تحت آتی ہیں۔ (۲) البقرہ/ ۲۲۳۔ (۳) المائدہ/ ۶۔

باطن کا دھلنا ساقط ہے، لیکن منہ اور ناک کے حق میں تردد ہو گیا ہے کہ ان کی دو جہتیں ہیں، ظاہر بھی ہیں، اور باطن بھی، چنانچہ ان کے لیے دوسرے احکام اسی قسم کے ہیں، مثلاً تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور باہر سے کچھ اندر جائے تو ٹوٹ جاتا ہے۔

”غسل جنابت“ کے حق میں مبالغہ کی وجہ سے ”کلی“ کو فرض قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ ”مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ“ (۱)

(تجھ کو جو فائدہ پہنچے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی وجہ سے ہے) اور ”قُلْ كُلُّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ“ (۲) (کہہ دو کہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے) دونوں میں باعتبار مضمون تعارض ہے، جو واضح ہے، اس کو یوں دور کیا گیا ہے کہ پہلی آیت میں اعمال کا ظاہری سبب ہونا اور دوسری میں اللہ تعالیٰ کا مسبب و موثر حقیقی ہونا پیش نظر ہے۔ (☆)

۴۔ جنت کے برتنوں کی تعریف میں فرمایا گیا ہے ”قَوَارِيرَ مِنْ فِضَّةٍ“ (۳)

(شیشے چاندی کے) اور ”قارورة“ چاندی کا نہیں، بلکہ شیشہ کا ہوتا ہے، غور سے یہ سمجھا گیا ہے کہ اس کی بنیاد نادر و غامض (جلدی سمجھ میں نہ آنے والا) استعارہ ہے، اس لیے کہ یہاں مراد یہ ہے وہ برتن شیشے کے جیسے صاف اور چاندی جیسے سفید ہوں گے۔

۳۔ مجمل:

(الف) تعریف:

۱۔ لغوی: مجمل بمعنی مبہم، غیر واضح۔

۲۔ اصطلاحی: وہ مشکل جس کا خفا متکلم کی تصریح کے علاوہ غور و فکر یا کسی

دوسرے ذریعہ سے دور نہ ہو سکے۔

(۱) النساء/۷۹۔ (۲) النساء/۷۸۔ (۳) الدہر/۱۶۔

(۶) مشکل کا حکم اشکال کی تمام وجوہ کو سامنے رکھ کر ذکر کیا گیا ہے، ورنہ عام طور سے حکم یہ مذکور ہے، اولاً لفظ کے مستعمل و متماثل معانی کی تحقیق پھر غور و فکر کے ذریعہ قرآن کی مدد سے موقع پر مراد معنی کی تعیین کرنا، مگر یہ تعبیر جیسا کہ ظاہر ہے تمام صورتوں کو حاوی نہ ہوگی۔

(ب) وجوہ اجمال:

- ۱- غرابت یعنی لفظ کا غیر معروف ہونا جیسے "إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا" (۱) (کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے)۔
- ۲- صرفی اعتبار سے اشتباہ کہ لفظ کی نوعیت نہ معلوم ہو سکے، جیسے لفظ "مخار" کہ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں ہو سکتا ہے۔
- ۳- لغت کے معروف معنی کے بجائے کوئی دوسرے جدید معنی کا مراد لینا، جیسے صلاة، زکوٰۃ، حج، ربا، وغیرہ کہ سب کا ایک لغوی مفہوم ہے اور وہ معروف تھا، مگر شریعت نے دوسرے مفہوم کے لیے ان کو استعمال کیا ہے۔
- ۴- ضمیر کے مرجع کا عدم تعین جیسے "فَاتُّوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهِ" (۲) (اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ) میں مثلہ کی ضمیر کہ متعدد چیزیں، اس کا مرجع بن سکتی ہیں۔

۵- اشتراک یعنی لفظ کا مشترک ہونا اور کسی ایک معنی کی تعیین و ترجیح کے قرینہ کا موجود نہ ہونا۔

۶- حکم کا جس چیز سے تعلق ہو، اس کی مقدار معلوم نہ ہو، جیسے "آتُوا حَتَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهِ" (۳) (اور کھیتی کاٹنے کا دن خدا کا حق بھی ادا کرو) کھیتی کا حق نکالنے کا حکم ہے، مگر مقدار کی تعیین نہیں۔

۷- (☆) عبارت کے الفاظ کا اس طرح آگے پیچھے ہو جانا کہ ان کے باہمی ربط و تعلق کا بھنا دشوار ہو، جیسے سورہ مائدہ رکوع ۱۳ کی آیات نمبر ۱۰۶ اور ۱۰۷ یعنی "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ" الآية، اور اس کے بعد والی آیت۔ (۳)

(۱) العارج / ۱۹ - (۲) البقرہ / ۲۳ - (۳) الانعام / ۱۳۱ - (۴) ارشاد المومل / ۱۶۹، کشف ج / ۱، ص / ۲۳۱

۵۴-۵۵، توتوح ج / ۱، ص / ۱۲۷، ن / ۱، ص / ۲۷۹

(☆) ان وجوہ میں اول، سوم اور پنجم زیادہ معروف ہیں، اور عموماً انہیں کو ذکر کیا گیا ہے۔

(ج) حکم:

مراد کے برحق ہونے کا یقین رکھتے ہوئے مراد کے واضح ہونے تک عمل میں توقف کرنا۔ (۱)

(د) وضاحت مراد کا ذریعہ:

جیسا کہ تعریف کی قیود سے ظاہر ہے، متکلم کا بیان ہے کہ وہ بیان کرے کہ میری یہ مراد ہے، خواہ خود سے بیان کرے یا دریافت کرنے پر بتائے۔

(و) بیان کا وقت:

بیان متصل یعنی مجمل کے ساتھ ہی ساتھ بھی ہوتا ہے، اور منفصلاً یعنی مجمل کے چھو عرصہ بعد بھی متصلاً جیسے "إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٌ خَالِدٌ" میں "مُؤْعَاً" کا بیان معا بعد "إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَذُوعًا وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرٌ مُمْتَعًا" (۲) (جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے) سے اور منفصلاً جیسے "وَأَحْسِرُ إِذَا مَسَّهُ الْبُؤْسُ رَتْبًا نَاطِرًا" (۳) (اس روز بہت سے منجھ بارونق ہوں گے اور اپنے رب سے خود بیدار ہوں گے) میں "بِئْسَ رَتْبًا نَاطِرًا" کا بیان "لَا تُدْرِكُهُ الْأَنْصَارُ" (۴) (نکاہیں اس کا اور اک نہیں کر سکتیں) سے جو اس کے چھ عرصہ بعد آیا ہے اور اس کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ پہلی آیت میں اللہ کو دیکھنے سے اس قسم کا دیکھنا مراد نہیں جیسا کہ تمام چیزوں کے لیے ہوا کرتا ہے کہ انسان جس چیز کو دیکھتا ہے اس کی پوری کیفیت و حقیقت کو جان لیا کرتا ہے۔

(و) بیان کی صورتیں:

یہاں قول سے بھی ہوتا ہے اور فعل سے بھی بلکہ آپ بیان کی مستقل بحث میں نہیں کے تجزیہ و شماروں سے بھی ہوتا ہے بجز معروف بدو پوزیشن ہیں اور ان میں (۱) ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱

بھی زیادہ تر قول سے ہوتا ہے۔

فعل کی مثال جیسے ”وَأَمْسَحُوا بِرُؤُسِكُمْ“ (۱) (اپنے سروں کا مسح کرو) کے ذریعہ وضو میں سر کے مسح کا حکم دیا گیا ہے، مگر مقدار نہیں بیان کی گئی ہے، اس لیے یہ مجمل ہے جس کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں فعلاً منقول ہے، جس میں یہ منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور پیشانی کی بقدر سر کا مسح فرمایا۔ (۲)

(ز) مراحل بیان اور باعتبار مراحل بیان، مجمل کا حکم:

بیان کے دو مراحل ہیں: ۱- بیان شافی - ۲- بیان غیر شافی۔

۱- بیان شافی:

جس سے متکلم کی مراد پورے طور پر اس درجہ واضح ہو جائے کہ پھر مزید استفسار یا تحقیق وغور فکر کی ضرورت نہ رہ جائے، پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ یہ بیان قطعی ہو، اس صورت میں مجمل، بعد بیان مفسر قرار پاتا ہے، جیسے صلاۃ، زکوٰۃ وغیرہ احکام شرع بایں معنی جملات میں سے ہیں کہ شریعت نے ان کا مفہوم ان کے لغوی مفہوم سے جداگانہ متعین کیا ہے، لیکن قرآن و حدیث میں ان کے بیانات شافی بھی ہیں اور قطعی بھی، اس لیے یہ سب مفسر کے تحت داخل ہیں۔

دوم یہ کہ بیان شافی ہو مگر ظنی ہو، قطعی نہ ہو، اس صورت میں مجمل بعد بیان مؤول قرار پاتا ہے، جسے سر کے مسح کا بیان فعلی ہونے کے باوجود شافی ہے مگر قطعی نہیں ظنی ہے، اس لیے کہ حدیث ہے اور وہ بھی ایسی کہ جس کا ثبوت قطعی نہیں ہے، اس لیے یہ مجمل مؤول قرار دیا گیا ہے۔

۲- بیان غیر شافی:

وہ بیان جس سے متکلم کی مراد کی وضاحت ہو مگر اس درجہ نہیں کہ مزید جستجو اور

غور و فکر کی ضرورت نہ رہ جائے بلکہ یہ ضرورت باقی رہے۔

اس صورت میں مجمل بعد بیان مشکل قرار پاتا ہے، اور اس کے لیے مشکل کے احکام ہوتے ہیں، یعنی لغوی معانی اور استعمالات کی تحقیق اور غور و فکر و قرآن کے ذریعہ معنی کی تعیین کی جاتی ہے (۱) جیسے ”الرِّبَا“ آیات قرآنیہ میں اس وجہ سے مجمل ہے کہ اس کے لغوی معنی ہیں زیادتی اور ظاہر ہے کہ زیادتی خرید و فروخت میں بھی ہوتی ہے اور وہ حرام نہیں ہے اس لیے ربا سے ہر زیادتی مراد نہیں بلکہ خاص زیادتی مراد ہے، جس کو قرآن مجید میں متعین نہیں فرمایا گیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس کے محل و مصداق کو متعین فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے کہ ”سونے کو سونے، چاندی کو چاندی، گیہوں کو گیہوں، جو کو جو، کھجور کو کھجور، نمک کو نمک کے عوض برابر برابر اور ہاتھوں ہاتھ بیچا کرو اور زائد لینا دینا ربا ہے۔“ (۲)

اس سے ”رِبا“ کے چند مواقع معلوم ہو گئے، لیکن یہ بیان شافی نہیں ہے اس لیے کہ اس میں یہ تصریح نہیں کہ ربا کا انھیں چھ میں انحصار ہے یا یہ کہ وہ دوسری چیزوں کو بھی شامل ہے، اور اگر دوسری کو شامل ہے تو اس کی ممانعت کی علت کیا ہے، جس کی بنیاد پر تعمیم کی جائے، اس لیے یہ آیت مجمل کی حد سے تو نکل گئی، مگر مشکل کے تحت داخل سمجھی گئی اور فقہاء نے غور و فکر و قرآن کی مدد سے علت و مواقع کی تعیین و تفصیل فرمائی ہے۔ (۳)

(ح) تنبیہ:

یہ ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ ”مجمل“ کے بیان کا موقع صرف عہد رسالت تک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں قرآن یا حدیث سے اس کا

(۱) اس لیے بعض حضرات نے مجمل کا علم استفسار اور معانی کی تحقیق اور غور و فکر مراد کی تعیین بتایا ہے، مثلاً انہ۔ جیسا کہ وضاحت لی گئی ہے یہ ہر مجمل کا علم نہیں ہے۔ (نور و فکر، ص ۹۱-۹۳، تفسیر ج ۱، ص ۲۹۳)۔
(۲) مسلم، مشکوٰۃ، ص ۲۳۴۔ (۳) التوشیح، ص ۲۹۴، نظامی، ص ۱۰۱، تفسیر ج ۱، ص ۲۹۳، نور، ص ۹۲۔

بیان ہو سکتا ہے اور جو چیزیں محتاج بیان تھیں، ان کو بیان فرما بھی دیا گیا، خواہ شافی ہو یا غیر شافی۔ (۱)

(ط) امثلہ:

مستقل اس عنوان کے تحت مثالیں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہ گئی ہے اس لیے کہ مباحث کے ضمن میں متعدد مثالیں آگئی ہیں۔

۴- متشابہ:

(الف) تعریف:

وہ مجمل کہ جس کی مراد کا علم نہ ہو سکے۔

اس لیے کہ نہ تو متکلم نے کسی موقع پر وضاحت کی ہو اور نہ ہی کوئی ایسا قرینہ پایا جاتا ہو جس کے ذریعہ مراد کی تعیین ہو سکے۔ (۲)

(ب) حکم:

مراد کے برحق ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے سکوت اختیار کرنا۔

(ج) اقسام مع امثلہ:

دو ہیں: ۱- اول وہ متشابہ جس کے معنی کا بالکل علم نہیں، جیسے حروف مقطعات یعنی قرآن کی متعدد سورتوں کے آغاز میں مذکور حروف تہجی، جو بظاہر حروف تہجی ہیں، اور علامہ عرب میں اس کے علاوہ کسی دوسرے معنی کے لیے استعمال نہیں ہوتے۔

۲- دوم وہ متشابہ جس کے معنی از روئے لغت معلوم ہوں، لیکن کلام خداوندی میں اس کی وضاحت و تعیین نہ کی گئی ہو اور ظاہر یعنی معروف مفہوم کو مراد لینا جائز نہ ہو،

(۱) غنی، ج ۱، ص ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۹، (۲) بعض معضرات نے ذکر کیا ہے کہ اگر مراد کا علم محض مثل میں ہو تو ذکر نہ ہو جائے تو "مثال" ہی ہے اور اگر مثل نے بغیر نہ ہو سکے تو "مجمل" اور اگر کسی کے ذریعہ نہ ہو سکے تو "مجبہ" (الاصحاح، ج ۲، ص ۲۰-۲۳)۔

جیسے ”بداہ مسو طنان“ (۱) (اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں)۔ ایسے ہی تمام الفاظ جن کی نسبت مخلوقات کی طرف کی جاتی ہے، اور انھیں اللہ کی طرف منسوب کیا جائے، جیسے سنا، دیکھنا، بولنا وغیرہ کہ ان کا لغوی مفہوم معلوم ہے اور لیکن یہاں ان کا مراد لینا جائز نہیں ہے۔

(د) تنبیہ:

مقشابہ کا مذکورہ بالا حکم، دنیا کی زندگی تک ہے اور افراد امت کے لیے ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی مراد کا علم تھا، تمام صحابہ و تابعین اور متقدمین محققین کا یہی مذہب رہا ہے، ایک جماعت کے اختلاف کے ساتھ مگر کہا جاتا ہے کہ جیسے اکثر متأخرین نے مشابہات کے ایک حصے کی لغت کی مدد اور اصول شرع کی رعایت کے ساتھ افہام اور تفہیم کی غرض سے تشریح و توضیح فرمائی ہے، مثلاً ”اللہ کے ہاتھ“ سے اس کی ”قدرت“ اور ”اللہ کے چہرہ“ سے اس کی ”ذات“ کو مراد لیا جائے، اسی طرح بعض متقدمین نے بھی ان کی تشریح کی ہے۔ (۲)

(۱) المائدہ۔ (۲) نور و قمر، ص ۹۳-۹۴، عمدہ ص ۲۵، حسانی و نظامی ص ۱۰، کشف ج ۱، ص ۵۵، التوحیح ص ۲۹۳-۲۹۵، فوائذ ج ۲، ص ۲۲۔

پچھلے اجمالی طور سے مقشابہ کی مراد کے ظلم کی بابت اختلاف ذکر کیا گیا ہے، متقدمین میں اختلاف کرنے والی جماعت میں امام شافعی اور بعض صحابہ و تابعین بھی ہیں، چنانچہ بعض صحابہ و تابعین سے بھی مشابہات کی مراد تعین و توضیح منقول ہے، اور امام شافعی کا اختلاف تو معروف و مشہور ہے اور اس کی بنیاد بھی وہ آیت ہے جس میں مشابہات اور اس کی بابت اہل ایمان اور اہل زندقہ کے رد عمل کا ذکر ہے۔ اس میں یہ لکھا گیا ہے ”وَمَا يَعْصِمُ النَّاسُ إِلَّا اللَّهَ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ“ الآية۔ (آل عمران)۔ مراد اصلی نہ کہ سو کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ تم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔ امام شافعی وغیرہ کا فرمان ہے کہ وقف ”لِلسَّعْيَةِ“ پر ہے، لہذا مطلب یہ ہے کہ علمی رسوخ کے حاملین ان کی مراد سے واقف ہیں، اور دوسرے حضرات کہتے ہیں ”إِلَّا اللَّهَ“ پر، کہ اللہ نے اسے اپنی ذات تک یا زیادہ سے زیادہ رسول کی ذات تک محدود رکھا ہے، لیکن اس موضوع پر بحث کرنے والوں نے تصریح کی ہے کہ یہ احوط متقدمین کی ہی رائے ہے اور ساتھ ہی یہ کہ یہ اختلاف حتمی نہیں ہے، جس نے انکار لیا ہے، قطعی تعین و توضیح کا کیا ہے، اور جس نے چاہا ہے تو قطعی توضیح کے طور پر نہیں بلکہ قطعاً تمہید و تشہیل کے طور پر اس لی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ”وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ“ پر وقف منقول ہے اور ساتھ ہی پادشاہ دہلی میں راجحین میں سے ہوں“ =

(ہ) موقع:

مشابہات اگرچہ کتاب و سنت دونوں میں موجود ہیں، مگر ان کا تعلق احکام تکلیفیہ اور فقہیات سے نہیں ہے، ان سے متعلق کوئی عبارت و لفظ ایسا نہیں ہے جس کی مراد کا کم از کم گمان غالب کے درجہ میں علم نہ ہو، بلکہ مشابہات کا تعلق عقائد سے ہے، کہ جس کا حاصل، مان لینا اور تسلیم کر لینا ہے، عمل نہیں۔ (۱)

(و) مراتب:

ان چاروں کی باہمی ترتیب، ان کے ذکر کی ترتیب کے اعتبار سے ہے، خفی سب سے ادنیٰ اور مشابہ سب سے اعلیٰ ہے، جیسا کہ تفصیلات سے ظاہر ہے۔ (۲)

(ز) باہمی ربط:

ان کا بھی، ان کے بالمقابل اقسام کی مانند ہے کہ ان میں بھی ہر بعد والے میں پہلے والے کا مفہوم شامل ہے، جیسا کہ تعریفات سے ظاہر ہے، اسی لیے مشکل کے حکم میں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں، معانی کی طلب و تلاش اور غور و فکر کے ذریعہ معانی مراد کی تعیین اور مجمل کے حکم کے تحت مشکل کے حکم کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

= اور مقطعات کی تفسیر میں بہت کچھ منقول ہے، ان سے ہی "إلا اللہ" پر بھی وقف منقول ہے، اور اگلے نکتے کی قرأت بایں الفاظ "وینقول الراسخون فی العلم" جس کے بعد اس کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی کہ مشابہات کی مراد کے نغم میں وہ بھی شریک و شامل ہوں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج/۱، ص/۳۳۷، اور طبری)۔
(۱) تفسیر ج/۱، ص/۳۱۲-۳۱۳، ۳۱۸، ۳۱۹- (۲) نظامی ص/۱۰، قمر ص/۸۹۔

باب چہارم

تقسیم چہارم

(لفظ کے استعمال کے اعتبار سے)

تمہید:

گفتگو میں الفاظ و جملوں کو کبھی تو ان کے ”معنی موضوع لہ“ یعنی جس معنی کو ادا کرنے کے لیے ان کو اختیار و ایجاد کیا گیا ہو، اس کے لیے ان کو استعمال کیا جاتا ہے، اور کبھی ”معنی غیر موضوع لہ“ یعنی کسی ایسے معنی کے لیے ان کا استعمال ہوتا ہے جس کو ادا کرنے کے لیے ان کی ایجاد نہیں ہوتی، اس استعمال کے اعتبار سے لفظ کی دو اقسام ہیں: ۱- حقیقت، ۲- مجاز۔ اور ان میں سے ہر ایک کی دو دو اقسام ہیں: صریح و کنایہ، ان چاروں کا تعلق عام و خاص دونوں سے ہوتا ہے:

۱- حقیقت: (☆)

(الف) تعریف:

۱- لغوی: ”فعلیۃ“ کے وزن پر ”حَقَّ“ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: ثابت ہونا، حقیقت بمعنی ثابت ہے، اور اصل لفظ ”حقیق“ ہے، اس کے ساتھ ساتھ ”ة“ عربی قاعدہ کی رو سے اس لیے لگی ہے کہ صفت کا صیغہ ہونے کے باوجود بطور اسم اس کا

(☆) حقیقت و مجاز اصل میں الفاظ کے عوارض میں سے ہیں، توسعاً الفاظ کی اقسام کہہ دیتے ہیں۔ (نور، ص/۹۳، نظامی ص/۱۱)۔

استعمال ہوتا ہے۔

۲- اصطلاحی: ”وہ لفظ جس کو اپنے معنی موضوع لہ کے لیے استعمال کیا

جائے۔“

☆ عام ہے کہ وضع لغوی و شرعی ہو یا عرفی و اصطلاحی، چاروں میں سے کسی کی رو سے لفظ کو جس معنی و مفہوم کے لیے وضع کیا گیا ہو، اگر اسی کے تحت اسی معنی و مفہوم کے لیے اس کا استعمال ہو تو حقیقت کہلائے گا، جیسے لفظ ”صلاة“ کا ایک لغوی مفہوم ہے یعنی ”دعا“ اور ایک شرعی مفہوم ہے یعنی ”نماز“ لغت کی رو سے اول ”حقیقت“ اور دوم ”مجاز“ ہے، اور شرع کی رو سے دوم حقیقت ہے اور اول مجاز ہے۔ (۱)

(ب) حکم:

لفظ کو جس معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو، اسی کا اعتبار ہوگا۔ (۲)

(ج) مثال:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا“ (۳) (اے ایمان والو!

رکوع کرو اور سجدہ کرو) کہ اس آیت میں حقیقت رکوع و سجدہ کا ہی حکم دینا مقصود ہے۔

۲- مجاز:

(الف) تعریف:

وہ لفظ (۴) جو کسی قرینہ و مناسبت کی وجہ سے معنی غیر موضوع لہ کے لیے

استعمال کیا جائے۔ (۵)

(۱) نواع ج/۱، ص/۲۰۳، التوضیح ص/۱۸۳، ۲۱۶، نور، ص/۹۴-۹۵، حسامی ص/۱۳۔ (۲) نور، ص/۹۴۔
(۳) الحج/۷۷۔ (۴) لفظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجاز صرف مفردات یعنی ایک ایک کلمہ میں تو ہوتا ہے، جملے یعنی ان کے مجموعے میں نہیں ہوتا بلکہ جیسے مفرد میں ہوتا ہے، مرکبات اور جملوں میں بھی ہوتا ہے، جیسے محاورات و ضرب الامثال کہ ان کا استعمال بطور مجاز ہی ہوتا ہے۔ (۵) نواع ج/۱، ص/۲۰۳، توضیح ص/۱۸۳، نور، ص/۹۴، حسامی ص/۱۱۔ البتہ ان کتابوں میں قرینہ کی قید مذکور نہیں، اگرچہ معتبر ہے۔

(ب) شرائط:

لفظ کو معنی موضوع لہ کے بجائے معنی غیر موضوع کے لیے استعمال کرنے کی دو شرطیں ہیں، جیسا کہ تعریف سے ظاہر ہے۔

اول قرینہ جو اس کا تقاضا کرے اور دوم مناسبت جس کو عموماً ”علاقہ“ کے لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے، ان دونوں سے متعلق ضروری تفصیل آگے آ رہی ہے۔ (۱)

(ج) مثال:

”وَأَرْكَعُوا مَعَ الرَّاٰكِعِيْنَ“ ایک تفسیر کے مطابق اس میں رکوع نماز پڑھنے کے معنی میں ہے قرینہ مع الرَّاكِعِيْنَ ہے کہ مقصد باجماعت نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہے نہ کہ جماعت بنا کر محض رکوع کرنے کا، اور مناسبت یہ ہے کہ رکوع نماز کا جزء واحد ہے اور کسی چیز کے جزء و حصے کو ذکر کر کے پوری کو مراد لے لیا کرتے ہیں۔

(د) حکم:

معنی غیر موضوع لہ کا اعتبار ہوگا اور اسی کو مراد لیا جائے گا۔

(ه) لفظ کا حقیقت و مجاز دونوں کو محتمل ہونا:

اگر کوئی لفظ دونوں کو محتمل ہو تو حقیقت کو ترجیح ہوتی ہے، اس لیے کہ اصل حقیقت ہی ہے البتہ اگر کوئی آدمی ایسے لفظ کو بول کر مجاز کی نیت کر لے تو مجاز مراد ہوگا اور اگر مجاز ہی ممکن ہو تو بغیر نیت وہی مراد ہوگا، جیسے اگر اپنی بیوی سے یوں کہے ”حزرتك“ (میں نے تجھ کو آزاد کر دیا) تو اس کے تحت حقیقت بھی ممکن ہے کہ کام و خدمت سے آزادی مراد ہو، اور مجاز بھی کہ نکاح کی قید سے آزادی مراد ہو، اس لیے اگر مجاز کی نیت کرے تو مجاز مراد ہوگا، اور اگر کسی آزاد عورت سے کہے ”مجھے اپنی ذات کا مالک

(۱) مجاز کا حقیق ان دونوں شرطوں کے وجود پر موقوف ہے اور ضرورت پر موقوف نہیں ہے کہ جس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت کا استعمال ممکن نہ ہونے کی وجہ سے اس کو اختیار کیا جاتا ہے۔ (نور، ص ۹۵، ح ۱۳، فرائض ج ۱، ص ۲۱۵، توضیح ۲۱۶)۔

بنادے، تو مجاز ہی مراد ہوگا، یعنی بذریعہ نکاح مالک بنانا، اس لیے کہ حقیقت یہاں ممکن ہی نہیں ہے کہ آزاد انسان نہ کسی کی ملکیت میں ہوتا ہے اور نہ جاسکتا ہے۔ (۱)

(و) حقیقت و مجاز دونوں کو جمع کرنا:

کسی لفظ سے ایک ہی وقت میں دونوں کو مراد لینا جائز نہیں جیسے شیر کے لفظ سے ایک ہی موقع پر بہادر بھی مراد لیں اور خاص جانور بھی۔ (۲)

(ز) حقیقت و مجاز دونوں کا الغاء:

ایسے بھی مواقع آتے ہیں کہ جہاں کلام سے نہ حقیقت مراد لی جاسکتی ہے اور نہ مجاز، ایسے موقع پر کلام مہمل و لغو قرار پاتا ہے، مثلاً ایک شخص کی بیوی اتنی عمر کی ہو کہ اس عمر کی اس کی لڑکی ہو سکتی ہو، اور اس بیوی کا نسب یعنی باپ و خاندان معلوم و معروف ہو، ایسی بیوی کو اگر شوہر اپنی بیٹی کہے تو نہ حقیقت مراد ہوگی اور نہ مجاز، حقیقت اس لیے مراد نہیں ہوگی کہ اس کا خاندان معلوم و معروف ہے اور مجاز اس لیے کہ کہنے والے کی بیوی ہے۔ (۳)

(ح) عموم مجاز:

یوں تو حقیقت و مجاز دونوں کو ایک لفظ سے بیک وقت مراد نہیں لے سکتے، مگر ایک صورت دونوں کو جمع کرنے کی معروف ہے، جسے ”عموم مجاز“ کہتے ہیں:

۱- تعریف:

وہ لفظ جس کے معنی مجازی اتنے عام ہوں کہ حقیقت بھی اس کے مصداق و افراد میں شامل ہو۔

۲- حکم:

ایسے لفظ سے یہی عموم مراد لیا جائے گا اور وہی معتبر ہوگا۔

(۱) اصول و عمدہ، ص/۱۹، حسامی ص/۱۶۔ (۲) نواح ج/۱، حسامی ص/۱۳، نور، ص/۹۶، توضیح ص/۲۱۶۔

(۳) نواح ج/۱، حسامی ص/۲۲۱، توضیح ص/۲۲۸-۲۲۹، نور، ص/۱۱۰۔

۳۔ مثال:

”کسی کے گھر میں پیر رکھنا“ کہتے ہیں: ”میں فلاں کے گھر میں پیر نہیں رکھوں گا“ اس لفظ کے مجازی معنی ہیں: داخل ہونا، جس کے تحت پیر رکھنے کی تمام صورتیں آتی ہیں، حقیقی بھی، کہ پیر کو جوتے وغیرہ کے بغیر زمین پر رکھا جائے، اور مجازی بھی، کہ جوتے پہن کر پیر رکھا جائے یا سواری کو واسطہ بنا کر، البتہ اگر اس لفظ سے کوئی خاص صورت مراد لے، مثلاً پہلی، تو اسی کا اعتبار ہوگا۔ (۱)

(ط) ذرا علم:

حقیقت کا علم اہل لغت سے ہوتا ہے کہ وہی یہ متعین کرتے ہیں کہ کس معنی کی ادائیگی کے لیے کس لفظ کو ایجاد کیا گیا ہے، اور مجاز کا معاملہ یہ ہے کہ زبان سے واقف کوئی بھی شخص غور و فکر کے ذریعہ مناسبت کی کسی صورت کے سمجھ میں آنے پر لفظ کو غیر موضوع لہ معنی کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ (۲)

تنبیہ:

اگر کسی لفظ کو کسی مناسبت کے بغیر کسی معنی کے لیے استعمال کیا جائے تو اس لفظ کو ”مرتبیل“ کہتے ہیں اور کسی لفظ کا اس طور پر استعمال کہ اس سے کوئی معنی مراد نہ ہوں، ”ہزل“ کہلاتا ہے۔ (۳)

قرینہ

۱۔ تعریف:

وہ امر جو معنی موضوع لہ کے بجائے غیر موضوع لہ کے مراد ہونے پر دلالت کرے۔ (۴)

(۱) فواریح ج/۱، ص/۲۱۶، نور، ص/۱۰۱، حاسی ص/۱۵۔ (۲) اصول و عمدہ ص/۱۵۔ (۳) نظامی ص/۱۱، فواریح ج/۱، ص/۲۰۳۔ (۴) توضیح ص/۱۳۰۔

۲- اقسام:

دو ہیں: (الف) قرینہ لفظیہ، (ب) قرینہ معنویہ۔

(الف) قرینہ لفظیہ:

تعریف:

وہ لفظ جو حقیقت کے بجائے مجاز کے مراد ہونے پر دلالت کرے۔

۳- مثال:

”وَ اَخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ“ (اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی سے) میں ”الذل“ (عاجزی) قرینہ ہے کہ ”خفص جناح“ (بازو کے جھکانے) سے حقیقی معنی مراد نہیں ہیں۔

(ب) قرینہ معنویہ:

۱- تعریف:

وہ امر معنوی جو حقیقت کے بجائے مجاز کے مراد ہونے پر دلالت کرے۔

۲- مثال:

عرف و عادت وغیرہ، جیسے قدم رکھنے سے، دخول مراد ہوتا۔

۳- صورتیں:

ان دونوں اقسام کے تحت پانچ نکلتی ہیں، جنہیں عموماً حقیقت کو چھوڑنے کی ”دواعی و مقتضی امور“ کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) محل کلام۔ (ب) غرض متکلم۔ (ج) سیاق کلام۔

(د) نفس کلام۔ (ه) عرف و عادت۔

(الف) محل کلام

۱- تعریف:

کلام کے موقع محل کا حقیقت کو قبول نہ کرنا۔

۲- مثال:

کوئی آدمی اپنے ایسے غلام کے متعلق کہ جس کی عمر کا اس کا لڑکا نہیں ہو سکتا۔
یا ایسے غلام کے متعلق کہ جس کا نسب و خاندان معروف ہو، یہ کہے کہ ”یہ میرا بیٹا ہے“ تو
اس کلیہ کلام اس غلام کی عمر کی زیادتی اور نسب کی شہرت کی بنا پر مجاز پر ہی محمول ہوگا۔

(ب) غرض کلام:

۱- تعریف:

کلام و متکلم کی غرض کا حقیقی معنی کو قبول نہ کرنا۔

۲- مثال:

ایک شخص نے کسی کو کھانے کی دعوت دی اور وہ قسم کھا کر انکار کر دے، یوں
کہے: ”میں نہیں کھاؤں گا“ تو اگرچہ الفاظ عام ہیں کہ جن کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ وہ
کبھی نہ کھائے گا، مگر غرض کے پیش نظر اس سے خصوصی کھانا مراد ہوتا ہے، یعنی وہی
کھانا جس کے لیے اس کو دعوت دی گئی تھی۔

(ج) سیاق کلام:

۱- تعریف:

کلام کے ماقبل و مابعد کا حقیقی معنی کو قبول نہ کرنا۔

۲- مثال:

ارشاد باری تعالیٰ ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ“ (تو جو چاہے

ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے) اس سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کی جانب سے ایمان و کفر کا اختیار ہے، مگر اس کے معا بعد اس فرمان ”إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا“ (۱) (ہم نے ظالموں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے) نے یہ بتایا کہ یہ بات بطور تنبیہ و ڈانٹ کے فرمائی گئی ہے۔

(د) نفس کلام:

۱- تعریف:

خود کلام کا حقیقی مفہوم کو قبول نہ کرنا خواہ کلام میں مذکور کسی قید کی وجہ سے یا خود لفظ کے اپنے معنی و حقیقت کی وجہ سے۔

۲- امثلہ:

”وَ اٰخِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ“ (۲) (اور جھکے رہو ان کے لیے بجز و نیاز سے) میں ”ذل“ کی قید ”جنح“ کے حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہے۔ اور کوئی یوں کہے: ”میرے سارے مملوک آزاد ہیں“ تو اس کے مکاتب (۳) ختام اس کے تحت نہیں آتے، اس لیے کہ مملوک کا لفظ معنی ان کو شامل نہیں کہ مملوک اس کو کہتے ہیں جو کہ پورے طور پر ملکیت میں ہو اور مکاتب کا معاملہ یہ نہیں ہے۔

(و) محاورہ کلام یعنی عرف و عادت:

۱- تعریف:

متکلم کے علاقہ اور کلام کے محاورہ کا حقیقی معنی کو قبول نہ کرنا جسے عرف و عادت کہہ دیا کرتے ہیں۔

(۱) البقرہ ۲۹۔ (۲) البقرہ ۲۴۔ (۳) مکاتب وہ ختام جس سے آقا نے کچھ مال لے کر خاص صورت میں آزادوں کو حامل لیا، اس معاملہ میں جب تک ایسا ختام پورے طور پر آقا کے مملوک نہیں رہ جاتا اور مملوک کا لفظ اس سے لیا جاتا ہے جو پورے طور پر ملکیت میں ہو، اس لیے یہ لفظ اس کو شامل نہیں ہوگا۔

۲- مثال:

قدم رکھنا کہ اس سے داخل ہونا مراد لیا جاتا ہے، درخت کا کھانا کہ اس سے اس کے پھل کا کھانا مراد لیا جاتا ہے۔ (۱)
☆ ان میں سے سیاق کلام اور نفس کلام کی پہلی صورت ”قرینہ لفظیہ“ اور باقی صورتیں ”قرینہ معنویہ“ کے تحت آتی ہیں۔

مناسبت

۱- تعریف:

(الف) لغوی: دو چیزوں کی کسی وصف میں شرکت۔
(ب) اصطلاحی: معنی موضوع لہ (یعنی حقیقت) اور معنی غیر موضوع لہ (یعنی مجاز) دونوں کا کسی وصف میں شریک ہونا۔
یا یوں کہیے کہ وہ وصف جو معنی موضوع لہ اور غیر موضوع لہ کے درمیان ربط پیدا کرتا ہو۔ (۲)

۲- مناسبت کی صورتیں:

علماء بلاغت نے پچیس ذکر کی ہیں، تفصیل بلاغت کی کتابوں میں ملے گی، یہاں اجمالی فہرست اور اصول فقہ سے متعلق معلومات ملاحظہ فرمائیں:

۱- سبب کا سبب پر۔ ۲- مسبب کا سبب پر۔ ۳- کل کا بعض پر۔ ۴- بعض کا کل پر۔ ۵- عام کا خاص پر۔ ۶- خاص کا عام پر۔ ۷- حال کا محل پر۔ ۸- محل کا حال پر۔ ۹- مضاف کا مضاف الیہ پر۔ ۱۰- مضاف الیہ کا مضاف پر۔ ۱۱- لازم کا ملزوم پر۔ ۱۲- ملزوم کا لازم پر۔ ۱۳- مطلق کا مقید پر۔ ۱۴- مقید کا مطلق پر۔ ۱۵- انجام کا حال پر۔ ۱۶- ماضی کا حال و استقبال پر۔ ۱۷- کسی چیز کا اس سے متصل و قریب کی چیز پر۔

۱۸- کسی چیز کے آلہ و ذریعہ کا نفس اس شے پر۔ ۱۹- دو ضدوں میں سے ایک کا دوسرے پر۔ ۲۰- مبدل منہ کا بدل پر اطلاق نیز۔ ۲۱- نگرہ کو اثبات کے تحت عموم کے لیے لانا۔ ۲۲- معرف باللام سے فرد واحد کو مراد لینا۔ ۲۳- حذف۔ ۲۴- زیادتی۔ ۲۵- تشبیہ۔ (۱)

۳- اصطلاحات:

ان صورتوں کے لیے اصطلاحی تعبیر کے حق میں علماء نے ان کو دو حصوں میں قرار دیا ہے:

(الف) اول سے لے کر ۲۳ تک۔ (ب) آخری یعنی پچیسویں صورت۔ اور دونوں حصوں کے الگ الگ عناوین تجویز کیے ہیں۔

علماء بلاغت:

پہلے کو ”مجاز مرسل“ اور دوسرے کو ”استعارہ“ سے تعبیر کرتے ہیں اور۔

علماء اصول:

پہلے حصے کے لیے ”اتصال صوری“ اور دوسرے کے لیے ”اتصال معنوی“ کی تعبیرات لاتے ہیں۔ اور ”مجاز مرسل“ و ”استعارہ“ کی تعبیرات کا مفہوم ان کے نزدیک ایک ہی ہے، یعنی ”کسی مناسبت کی وجہ سے معنی غیر موضوع لہ کو مراد لینا“ خواہ مناسبت کی کوئی صورت و وجہ ہو۔

(الف) اتصال صوری:

۱- تعریف:

موضوع لہ یعنی حقیقت ”غیر موضوع لہ“ یعنی مجاز کا صورتہ ایک دوسرے سے متعلق ہونا۔

۲- مثال:

میں عام طور سے دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں: (الف) سبب و مسبب کا آپس میں تعلق۔ (ب) علت و معلول کا آپس میں تعلق۔

(ب) اتصال معنوی:

۱- تعریف:

حقیقت و مجاز کا اپنے حقیقی مصداق سے الگ کسی وصف میں شریک ہونا۔
☆ اسی معنی کو اہل بلاغت ”وجہ شبہ“ کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ صورت تشبیہ

کی ہے۔

۲- مثال:

دو چیزوں کا مشروعیت یا عدم مشروعیت کی وجہ میں شریک ہونا اور اس کی وجہ سے احکام میں موافقت و مناسبت جیسے نشہ کی وجہ سے شراب کی جیسی کسی دوسری چیز کا حرام ہونا۔

☆ تعریف میں ”وصف“ اور مثال میں ”وجہ“ سے ایک ہی چیز مراد ہے،

اسی کو اہل بلاغت تشبیہ کی صورت ہونے کی وجہ سے ”وجہ شبہ“ کہتے ہیں اور فقہاء ”علت حکم۔“

(ج) توضیح امثلہ اتصال صوری:

ذکر کیا جا چکا ہے کہ اصولیین اتصال صوری کی دو مثالیں ذکر کیا کرتے ہیں:

۱- سبب و مسبب کا تعلق۔ ۲- علت و معلول کا تعلق۔ (۱)

(۱) اور یہ بھی دراصل ایک ہی مثال کی دو شقیں ہیں، اس لیے کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سبب اور علت ”احکام وضعیہ“ کی اقسام ہیں اور عمل کے دوائی یعنی ان امور سے ہیں جو شے کے وجود و ثبوت کا تقاضا کرتے ہیں، تو گویا انہوں نے انہیں کے ضمن میں اس اصل کو لے لیا۔

۱- سبب و مسبب:

یعنی حقیقت و مجاز کا آپس میں سبب و مسبب ہونا کہ ایک سبب ہو اور دوسرا
 اس کا مسبب یعنی اس پر مرتب ہونے والا اس صورت میں سبب سے مسبب کا مراد لینا
 صحیح ہے مگر مسبب سے سبب کا مراد لینا صحیح نہیں ہے۔ (۱) مثلاً مرد کو عورت پر دو قسم کی
 ملکیتیں حاصل ہو سکتی ہیں، ایک ملک متعہ یعنی اس سے خاص انداز کے انتفاع کا
 مالک ہونا جو کہ زوجین کے درمیان ہوا کرتا ہے، اس کا حصول ”نکاح“ کے ذریعہ ہوتا
 ہے، دوسرے ملک رقبہ یعنی ذات کی ملکیت، یہ مرد کو باندی پر حاصل ہوا کرتی ہے، جو
 کسی ذریعہ سے اس کی ملکیت میں آجائے اور یہ ملکیت مخصوص شرطوں کے ساتھ
 ”ملک متعہ“ کے حصول کا ذریعہ بھی بنتی ہے، اور اس صورت میں ملک رقبہ کے حصول کا
 ذریعہ سبب اور ملک متعہ مسبب قرار پاتی ہے، یعنی دونوں میں سبب و مسبب کا تعلق
 ہے، اس لیے ملک رقبہ کے حصول کا ذریعہ بننے والے الفاظ سے ملک متعہ کا حصول
 مراد لیا جاسکتا ہے۔ (۲)

یعنی خرید و فروخت اور ہبہ و تملیک کے الفاظ کو نکاح جو ملک متعہ کے حصول
 کا ذریعہ ہے اس کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، ایسے ہی ملک رقبہ کو ختم کرنے والے
 الفاظ سے ملک متعہ کا ختم کرنا مراد لیا جاسکتا ہے، مثلاً آزادی کے لفظ سے طلاق کو مراد
 لینا جس سے رشتہ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے، لیکن اس کا عکس صحیح نہیں ہے، یعنی ملک متعہ
 کے حصول کا ذریعہ بننے والے الفاظ مثلاً نکاح تزوج وغیرہ سے ملک رقبہ کے حصول کو
 اور ملک متعہ کے زوال کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً طلاق وغیرہ سے ملک
 رقبہ کے زوال کو نہیں مراد لے سکتے۔

(۱) یعنی فقہ کی رو سے، بلاغت کی رو سے صحیح ہے۔ (۲) فوائج ج/۱، ص/۲۲۳-۲۲۴، التوحیح ص/۲۰۱، نور،
 ص/۱۰۴-۱۰۶، حاسی ص/۱۱-۱۲۔

۲- علت و معلول:

یعنی حقیقت و مجاز کا آپس میں علت و معلول ہونا کہ ایک علت ہو اور دوسرا معلول، اس صورت میں کسی ایک سے دوسرے کو مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی علت سے معلول کو، اور معلول سے علت کو، مثلاً خریدنا، ملکیت کے حصول کا ذریعہ بنتا ہے، خریدنا علت اور ملکیت معلول ہے، ایک سے دوسرے کو مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی خریدنے سے ملکیت کو اور ملکیت سے خریدنے کو، لہذا یہ کہ شرعاً کوئی قباحت لازم آتی ہو تو ایسا درست نہ ہوگا۔

اقسام حقیقت

تمہید:

حقیقت میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) باعتبار استعمال۔ (ب) باعتبار ارادہ یعنی مراد کے اعتبار سے۔

(الف) تقسیم اول:

باعتبار استعمال حقیقت کی تین اقسام ہیں:

۱- معذرہ ۲- مجبورہ ۳- مستعملہ۔

۱- معذرہ:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: دشوار۔

۲- اصطلاحی: وہ حقیقت جس کا اختیار کرنا یا تو ممکن ہی نہ ہو یا ممکن تو ہو مگر

نہایت مشقت کے ساتھ۔

(ب) حکم:

مجاز ہی مراد ہوتا ہے، حقیقت پر اعتبار و عمل نہیں ہوتا۔

(ج) مثال:

کسی نے کہا میں یہ پتی نہیں کھاؤں گا، ۲- یا یہ درخت نہیں کھاؤں گا۔ پہلی صورت میں چونکہ حقیقت ممکن نہیں ہے اس لیے جو چیز پتی کے اندر ہو یا اس میں پکائی جائے وہ مراد ہوگی، حتیٰ کہ اگر کسی طریقے سے پتی کو کھالیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی اور دوسری صورت میں اگرچہ عین درخت کا کھانا ممکن ہے مگر عادت کے خلاف ہے اور نہایت مشقت کے ساتھ کھایا جاسکتا ہے، اس لیے اس سے اس کا پھل یا پتی جو چیز کھائی جاتی ہو، وہ مراد ہوگی یا اس کی قیمت اور اس سے حاصل کی جانے والی چیز، اور اس صورت میں بھی درخت کے کھالینے پر قسم نہیں ٹوٹے گی۔

تنبیہ:

یہ حکم ان درختوں کا ہے جو خود نہیں کھائے جاتے، اور جو پودے و درخت کھائے جاتے ہیں، ان میں انھیں کا کھانا مراد ہوگا، ایسے ہی اگر پتی کھائی جانے والی کسی چیز سے بنائی گئی ہو تو اس کا اعتبار ہوگا، مثلاً شکر کی ہو۔

۲- مہجورہ:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: چھوڑی ہوئی۔

۲- اصطلاحی: وہ حقیقت جس پر عمل ہونے کے باوجود متروک ہو۔

(خواہ عاۃ متروک ہو کہ عرف و عادت اس کے نہ کرنے اور نہ ماننے کی ہو

یا شرعاً متروک ہو کہ شریعت اس سے منع کرتی ہو)۔

(ب) حکم:

مجاز ہی مراد ہوتا ہے، حقیقت پر اعتبار و عمل نہیں ہوتا۔

(ج) مثال:

قدم رکھنا کہ عرف میں اس سے پیر کارکھنا ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ ”داخل ہونا“ مراد لیا جاتا ہے، لہذا اگر کسی شخص نے کسی گھر میں قدم نہ رکھنے کی قسم کھائی تو گھر کے اندر داخل ہونے سے ہی اس کی قسم ٹوٹے گی، خواہ داخلہ کسی صورت میں ہو، اور اگر صرف پیر گھر کے اندر کر لے اور باقی جسم گھر سے باہر ہو یعنی دخول کی صورت نہ پائی جائے تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

۳۔ مستعملہ:

(الف) تعریف:

وہ حقیقت جس کا استعمال و اعتبار رائج ہو۔

(ب) اقسام:

دو ہیں: ۱۔ جس کا مجاز متعارف ہو۔ ۲۔ جس کا مجاز متعارف نہ ہو۔

۱۔ مجاز متعارف:

(الف) تعریف:

وہ مجاز جس کا استعمال عام ہو یعنی عوام و خواص سب اس سے واقف ہوں، اس وجہ سے کہ اس کا استعمال حقیقت سے زیادہ ہو۔

(ب) حکم:

امام صاحب کے نزدیک حقیقت پر عمل ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک عموم

مجاز پر۔ (۱)

(۱) عموم مجاز کی تعریف گزر چکی ہے۔

(ج) مثال:

کسی نے قسم کھائی کہ گیہوں نہیں کھائے گا، اور گیہوں کے متعلق عام معمول اس کی روٹی سے کھانے کا ہے، امام صاحب کہتے ہیں اگر گیہوں کو ہی کھائے گا تو قسم ٹوٹے گی ورنہ نہیں، اور صاحبین کہتے ہیں کہ خواہ گیہوں کو کھائے یا اس کی روٹی یا اس کے آٹے سے بنائی جانے والی کوئی چیز مگر ستو کے علاوہ تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

۲- مجاز غیر متعارف:

(الف) تعریف:

وہ مجاز جس کا استعمال مشہور و رائج نہ ہو یعنی تمام لوگ اس سے واقف نہ ہوں۔

(ب) حکم:

حقیقت پر عمل ہوگا۔ (۱) (☆)

(ب) تقسیم دوم باعتبار ارادہ:

حقیقت کی دو اقسام ہیں: ۱- کاملہ۔ ۲- قاصرہ۔

(۱) نور، ص/ ۱۰۷-۱۰۸، فواریح ج/ ۱، ص/ ۲۲۰-۲۲۱، توضیح ص/ ۲۲۷-۲۲۸، حاسمی ص/ ۱۶-۱۷۔

(☆) فقہاء نے اس موقع پر یہ بحث فرمائی ہے کہ ان حضرات کے اس اختلاف کی بنیاد ایک دوسرا اختلاف ہے اور وہ یہ کہ مجاز حقیقت کی فرع و نائب کس اعتبار سے ہے، امام صاحب فرماتے ہیں: یہ نیابت و فرعیّت باعتبار لفظ ہے، یعنی مجاز کے اعتبار کے لیے یہ ضروری و کافی ہے کہ زبان کی رو سے انسان کا کلام صحیح ہو، مثلاً اگر عربی زبان استعمال کی جائے تو باعتبار عربیت کلام صحیح ہو، اب اگر حقیقت ممکن ہو تو اس پر عمل کریں گے ورنہ مجاز پر۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ نیابت و فرعیّت حکم کے اعتبار سے ہے، یعنی مجاز کے اعتبار کے لیے یہ ضروری ہے کہ حقیقت پر عمل ممکن ہو، پھر اگر اس پر عمل کر سکیں تو عمل کریں گے اور اگر کسی مانع کی وجہ سے عمل نہ ہو سکے تو مجاز کو اختیار کریں گے، مثلاً ایک شخص نے اپنی عمر سے زائد عمر کے اپنے غلام کے متعلق کہا ”ہذا اسی“ (یہ میرا بیٹا ہے)، امام صاحب فرماتے ہیں: چونکہ اس کا یہ جملہ باعتبار زبان صحیح ہے اور حقیقت ممکن و مراد نہیں، اس لیے مجاز مراد لے کر اس غلام کو آزاد قرار دیں گے، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ اس عمر کے غلام پر حقیقت صادق نہیں آتی، اس لیے کہ لڑکا باپ سے بڑی عمر کا نہیں ہو سکتا، لہذا مجاز کا مراد لینا درست نہ ہوگا۔

۱۔ حقیقت کاملہ:

(الف) تعریف:

وہ حقیقت جس کے تمام افراد مراد لیے جائیں۔

۲۔ حقیقت قاصرہ:

(الف) تعریف:

وہ حقیقت جس کے بعض افراد مراد لیے جائیں۔

(ب) حکم و مثال:

یہ ضروری نہیں کہ حقیقت سے حقیقت کاملہ ہی مراد لی جائے، بلکہ حقیقت قاصرہ بھی مراد لی جاسکتی ہے، مثلاً لفظ انڈے سے اگر تمام جانوروں کے انڈے مراد لیے جائیں تو ”حقیقت کاملہ“ کہلائے گی، اور اگر بعض جانوروں کے مراد ہوں تو ”حقیقت قاصرہ“ بلکہ عرف و عادت کی بنا پر بسا اوقات حقیقت قاصرہ ہی مراد ہوتی ہے، الا یہ کہ حقیقت کاملہ کی نیت کر لی جائے مثلاً انڈے سے جن جانوروں کا انڈا کھایا جاتا ہے، انھیں کا انڈا مراد ہوتا ہے، ایسے ہی گوشت میں بھی ہوتا ہے۔ (۱)

صریح و کنایہ

صریح:

(الف) تعریف:

وہ لفظ جس کی مراد ظاہر ہو۔ (یعنی محض لفظ کے سننے سے سمجھ لی جائے، جان لی جائے اور اس کے جاننے کے لیے متکلم کی نیت کے علم کی ضرورت نہ ہو)۔

(ب) حکم:

اثر کا عین کلام پر مرتب ہونا (یعنی نیت کی ضرورت اور اس کا اعتبار نہیں ہے، البتہ اگر لفظ گنجائش رکھتا ہو تو عدالت میں تو نہیں مگر ”فیما بینہ و بین اللہ“ نیت کا اعتبار ہو سکتا ہے۔ (۱)

(ج) مثال:

۱- حقیقت میں طلاق کے وہ الفاظ جو طلاق پر وضاحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں کہ ان کو زبان سے نکالنے پر طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔
۲- مجاز میں کسی لفظ کو متعارف، مجاز ہی معنی کے لیے استعمال کرنا۔

کنایہ:

(الف) تعریف:

وہ لفظ جس کی مراد ظاہر نہ ہو (کہ محض لفظ کے سننے سے جان لی جائے)۔

(ب) حکم:

مراد کے ظاہر ہونے تک توقف کرنا۔

(ج) ذرائع ظہور مراد:

مراد کے ظہور کے دو ذرائع ہیں:

اول موقع و محل کی گفتگو مثلاً طلاق کی گفتگو کے موقع پر طلاق کے الفاظ کنائی

کا استعمال۔

دوم متکلم کی نیت مثلاً طلاق کے الفاظ کنائی کا طلاق کی نیت سے کہنا، جبکہ

طلاق کی گفتگو نہ چل رہی ہو۔

(۱) عمرہ ص/۲۰، ذرائع ج/۱، ص/۲۲۶، فیما بینہ و بین اللہ کا مطلب ہے کہ مفق اس کی نیت کے مطابق ہی فتویٰ دے گا۔

☆ کنایہ کی مراد کے ظہور کے یہی ذرائع کنایہ کے ”قرائن“ کہلاتے ہیں، یعنی قرائن کا اعتبار مجاز کی طرح کنایہ میں بھی ہوتا ہے، اور یہ قرائن لفظی بھی ہوتے ہیں اور معنوی بھی، چنانچہ موقع و محل کی گفتگو لفظی اور نیت معنوی قرینہ ہے، البتہ مجاز و کنایہ کے قرائن میں فرق یہ ہے کہ اول کی ضرورت حقیقی معنی کے بجائے دوسرے معنی کو مراد لینے کے لیے ہوتی ہے اور دوم کی ضرورت مراد کی تعیین و ظہور کے لیے ہوتی ہے۔

(د) مثال:

۱- حقیقت میں ایک شخص جس کے متعلق کسی مجلس میں گفتگو چل رہی ہو، اس کے آجانے پر آپس میں یہ کہنا، وہ آگیا۔

۲- مجاز میں ”اعتدی“ کہہ کر طلاق کی نیت کرنا، اس میں کنایہ بھی ہے، اور مجاز بھی، کنایہ اس وجہ سے کہ ”اعتد“ کے معنی ہیں: گننا و شمار کرنا، خواہ کوئی چیز گنی و شمار کی جائے، یہاں ساتھ میں ایسی کسی چیز کا ذکر نہیں ہے، اس لیے محض لفظ سے مراد ظاہر نہیں، لہذا یہ کنایہ ہے، متکلم نے نیت کے ذریعہ تعیین کی ہے کہ ”ایام عدت“ کا شمار کرنا مراد لیا جائے، اور مجاز اس وجہ سے ہے کہ اس سے طلاق مراد ہے، اس لیے کہ وہ عدت کے دنوں کے گننے کا سبب ہوتی ہے۔ (۱)

(ه) صریح و کنایہ:

ان دونوں میں صریح اصل ہے، اس لیے کہ اس کی مراد ظاہر ہوتی ہے اور لفظ میں اصل یہی ہے کہ مراد ظاہر ہو۔

☆ کنایات کے معنی کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے ان سے اہم احکام مثلاً حدود کا ثبوت نہیں ہوتا، اس لیے کہ متکلم کی نیت یا موقع و محل کی تعیین کے باوجود مراد کے خلاف کا احتمال باقی رہتا ہے، اور حدود کا معاملہ احتیاط کا ہے، جیسے کسی نے کنایہ

(۱) نوانج، ص ۲۲۶، التوضیح ص ۱۸۹، نورس، ۱۴۲/۱۴۳، حسامی و نظامی ص ۱۸۔

کے الفاظ سے چوری کا اقرار کیا تو سزا نہ دی جائے گی۔ (۱)

☆ وہ مشترک جس کے کوئی ایک معنی معروف ہوں، اس کے لیے اس کا استعمال نیز مجاز متعارف اور وہ مجاز جس کا قرینہ ساتھ میں ہو، اسی طرح حقیقت مستعملہ اور اقسام ظہور سب صریح کے تحت آتے ہیں۔

اور غیر مشہور معنی میں مشترک کا استعمال اور مجاز متعارف ہونے سے پہلے نیز حقیقت مجبورہ اگر کوئی اس کو مراد لے، اور خفاء کی چاروں اقسام، کنایہ کے تحت آتی ہیں۔ (۲)

(۱) نور، ص/۱۳۵، توضیح ص/۲۸۸، حاشی ص/۱۹-۲۰۔ (۲) نواح ج/۱، ص/۲۲۶، نور، ص/۴۳، التوضیح ص/۱۸۹، اصول ص/۲۰۔

باب پنجم تقسیم پنجم

(متکلم کی مراد کو سمجھنے کی صورتیں)

تمہید:

لفظ کی متکلم کی مراد پر دلالت کی (۱)، یا یوں کہئے کہ متکلم کی مراد سے واقفیت (۲) کی چار صورتیں ہیں:

۱- عبارت النص (☆) ۲- اشارۃ النص ۳- دلالت النص ۴- اقتضاء النص۔

۱- عبارت النص:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: عبارت بیان کرنا، وضاحت کرنا، نص لفظ و عبارت عبارت النص، نص

(۱) یا یوں کہیے کلام سے احکام کے استنباط کی یا عبارت سے احکام پر استدلال کی ارجح۔ (۲) توضیح ص/۲۹۵، حاشی ص/۲۰، نور، ص/۱۳۶۔

(☆) یہاں نص سے تقسیم دوم کی چاروں اقسام میں سے قسم دوم نہیں مراد ہے، بلکہ جیسا کہ اس موقع پر حاشیہ میں تصریح کر دی گئی ہے ہر دلیل سعی و قطعی کو بھی نص کہہ دیا کرتے ہیں، یعنی نص کا لفظ عبارت کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے بلکہ لغوی معنی اس کے عبارت کے ہی ہیں، اسی لیے بیان کرنے و تصریح کرنے کے مفہوم میں اس مادے سے نفل اور اس کے متعلقات بھی آتے ہیں جیسا کہ اہل علم بخوبی واقف ہیں، یہاں پر یہ لفظ عبارت و لفظ کے مفہوم میں ہے اور عبارت النص، عین النص اور نفس النفس و نفس لفظ کے معنی میں ہے اور تقسیم دوم کی چاروں اقسام نیز دوسری تقسیمات کی اقسام بھی اس کے تحت آتی ہے، یعنی اس کے مصادیق و افراد میں سے ہیں، یہ بات الگ ہے کہ انہیں باہم امتیازات میں نص اور عبارت النص کے درمیان اصطلاحی فرق کو متن میں واضح کر دیا گیا ہے۔ (نور، ص/۱۵۶، تفسیر ج/۱، ص/۳۶۵، نظامی ص/۳۰)۔

کی وضاحت۔

۲- اصطلاحی: کلام کے وہ معنی و مفہوم جس کے لیے کلام کو لایا گیا ہو، یا لفظ کا کسی تامل کے بغیر اس حکم پر دلالت کرنا جس کے لیے اس کو لایا گیا ہو۔
☆ عام ہے کہ کلام کا اس معنی و حکم کے لیے لانا اصالتاً ہو کہ وہی معنی کلام سے مقصود ہوں یا جعاً کہ مقصود کچھ اور ہو مگر ضمنیاً یہ بھی بلا تامل سمجھا جائے۔ (۱)

(ب) نص و عبارتہ النص:

کا فرق تو ضیح بالا سے ظاہر ہے کہ دونوں میں قدر مشترک کلام کا کسی معنی کے لیے لانا ہے اور فرق یہ ہے کہ نص میں اصالتاً اسی معنی کے لیے لایا جاتا ہے، یعنی جو معنی سمجھے جاتے ہیں، وہی مقصود بھی ہوتے ہیں، اور عبارتہ النص میں اس کی قید نہیں بلکہ جو معنی جعاً حاصل ہو رہے ہوں، اس کے لیے بھی لانا معتبر ہوتا ہے۔ (۲)

(ج) مثال:

”فَأَنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ
وَرُبَاعَ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ
أَيْمَانُكُمْ.“ (۳)

(تو نکاح کرو، ان عورتوں سے جو تمہیں پسند ہوں، دو دو سے اور
تین تین سے اور چار چار سے اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ انصاف نہ
کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر بس کرو یا جو باندیاں تمہاری ملک میں
ہوں ان پر)۔

اس آیت سے تین احکام سمجھے جاتے ہیں: اول نکاح کا جواز۔ دوم ایک

(۱) حسامی ص/۲۰، نور، ص/۱۳۶، تفسیر ج/۱، ص/۴۶۹، مذکرہ، فواع ج/۱، ص/۴۰۶، کشف ج/۱، ص/۶۸۔

(۲) تفسیر ج/۱، ص/۴۷۱، عبارتہ النص کے مدلول کو منطوق کہتے ہیں جو لفظ کا معنی موضوع لہ ہوتا ہے۔

(۳) النساء/۳

سے زائد چار تک بیویوں کا جواز۔ ۳۔ سوم اگر ظلم و جور کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کا وجوب۔

ان میں سے آخری دو اصالتہ مقصود ہیں اور اول تبعاً (۱) تینوں احکام کی نسبت سے یہ مثال عبارة النص کی بنے گی اور صرف آخری دو کی نسبت سے نص کی۔

۲۔ اشارة النص:

(الف) تعریف:

کلام کے وہ معنی جو لفظ سے از روئے لغت معمولی غور و فکر کے بعد سمجھے جائیں، اس طور پر کہ نہ تو اس معنی کے لیے کلام کو لایا گیا ہو اور نہ ہی وہ کلام سے مقصود ہوں، یا یوں کہیے۔

لفظ کا کسی ایسے حکم پر دلالت کرنا جو نہ تو مقصود کلام ہوں اور نہ کلام کو اس کے لیے لایا گیا ہو اور نہ ہی پورے طور پر ظاہر (۲) و واضح ہوں۔ (۳)

(ب) حکم ہر دو اقسام:

دونوں پر عمل و اعتبار لازم ہے۔ (۴)

(ج) مثال:

”وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ“ (۵) (اور جس کا بچہ ہے اس

(۱) تفسیر ج/۱، ص/۳۷۲-۳۷۳۔ (۲) اسی وجہ سے اس میں عبارة النص کے برخلاف غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے (مذکرہ) اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ تمام اشارات یکساں درجہ کے نہیں ہوتے، ان میں بھی ظہور و خفاء کے اعتبار سے فرق مراتب ہوتا ہے، بعض کا علم ادنیٰ غور و فکر سے ہوتا ہے اور بعض کے لیے ذرا گہرے تامل کی ضرورت ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اشارات کی مراد کے سمجھنے میں اشخاص و اذہان کا بہت اختلاف ہوتا ہے جیسا کہ فقہیات میں معروف ہے، اور اشارہ کے خفاء کی وجہ سے ہی کہا گیا ہے کہ عبارت اور اشارہ میں وہی نسبت ہے جو کنایہ و صریح اور مشکل و نص میں ہے۔ (تفسیر ج/۱، ص/۳۹۱، اصول سر، ج/۱، ص/۲۳۶۔ (۳) نور، ص/۱۳۶، اصول ص/۲۸، کشف ج/۱، ص/۶۸-۶۹، فواتح ج/۱، ص/۴۰۷، توضیح ص/۲۹۷۔ (۴) نور، ص/۱۴۷، حاشی ص/۲۰۔ (۵) البقرہ/۲۳۳۔

کے ذمہ ان (دودھ پلانے والیوں) کا کھانا اور کپڑا ہے) یہ عبارت النص و اشارۃ النص دونوں کی مثال ہے۔

عبارۃ النص کی یوں کہ اس سے دودھ پلانے والی عورتوں کے نفقہ کے وجوب کو بیان کرنا مقصود ہے جو عبارت سے کسی غور و فکر کے بغیر سمجھ میں آ رہا ہے، اور اشارۃ النص کی یوں کہ معمولی سے غور و فکر کے بعد یہ بھی سمجھ میں آ رہا ہے کہ بچوں کا نسب ان کے آباء (باپوں) کی جانب سے ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ بچے کو باپ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ یہ نہ تو عبارت سے مقصود ہے اور نہ کلام کو اس کے لیے لایا گیا ہے، اور پورے طور پر ظاہر بھی نہیں ہر ایک اول و ہلہ میں اس مفہوم کو جان و سمجھ لے یہی مفہوم ”اشارۃ النص“ ہے۔ (۱)

۳- دلالت النص:

(الف) تعریف:

وہ معنی جو عبارت میں مذکور حکم کی علت کے طور پر عبارت کے معنی سے از روئے لغت سمجھے جائیں، یا یوں کہیے لفظ کا کلام میں ذکر کردہ حکم کی ایسی علت پر دلالت کرنا جسے ہر اہل زبان سمجھ سکے۔ (۲)

☆ مطلب یہ ہے کہ دلالت النص کا مصداق حکم مذکور کی علت ہوتی ہے، مگر احکام کی عام علتوں کی طرح اس کا سمجھنا اور عبارت سے نکالنا اجتہاد کے ذریعہ نہیں

(۱) توضیح، ص/۳۰۱، نور، ص/۱۳۶، کشف ج/۱، ص/۶۹، تفسیر ج/۱، ص/۴۸۲، مذکرہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے: لفظ کا اپنے منطوق (موضوع لہ) کے مسکوت عنہ کے لیے منطوق کے حکم کے ثبوت پر دلالت کرنا، کسی ایسی علت کی بنا پر جسے عبارت سے ہر صاحب زبان سمجھ سکے۔ (۲) توضیح ج/۱، ص/۱۳۱، حسامی ص/۲۰، نور ص/۱۳۸، فوائج ج/۱، ص/۴۰۸، اصول ص/۳۰، دلالت النص کا مصداق عبارت النص کے مدلول کا لازم ہوتا ہے، جس کو لفظ کا ”مفہوم موافق“ کہتے ہیں، جیسے ”نافیہ“ کے معنی منطوق ہیں ”أف أف کہنا“ اور اس کا لازم یعنی مفہوم موافق ہے۔ ”ایلام“ یعنی تکلیف پہنچانا، جیسے کہ عبارت النص اور اشارۃ النص دونوں کا تعلق لفظ سے ہوتا ہے، اس فرق کے ساتھ کہ اشارۃ النص مقصود نہیں ہوتا، اسی لیے اس کی طرف ذہن کو مستقلاً منتقل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہوتا، بلکہ خود زبان کے تقاضے کی وجہ سے اسی عبارت سے اس کو سمجھا جاتا ہے، جس میں وہ حکم مذکور ہو۔

(ب) دلالت النص و قیاس میں فرق:

مذکورہ بالا توضیح سے یہ بات ظاہر ہے کہ دلالت النص اور قیاس میں اشتراک بھی ہے اور فرق بھی۔

قدر مشترک امر یہ ہے کہ دونوں کے ذریعہ حکم کی علت کا علم ہوتا ہے اور دونوں کو عبارت سے نکال دو سمجھا جاتا ہے، اور فرق یہ ہے کہ دلالت النص کی بنیاد زبان ہوتی ہے اور قیاس کا دارومدار اجتہاد و استنباط پر، یہی وجہ ہے کہ اول کا اہل ہر صاحب زبان ہوتا ہے اور دوم کا صرف صاحب اجتہاد و استنباط، اور اول پر عمل و اعتبار جمہور امت کا ہے اور دوم کی بابت ایک جماعت کا اختلاف ہے۔ (۱)

(ج) حکم:

علت کے عموم کی بنا پر حکم کا عام ہونا۔ (۲) یعنی علت جہاں جہاں پائی جائے گی وہاں وہاں حکم مذکور کا اجراء ہوگا، بایں معنی کہ یہ حکم تمام ان مواقع، امور کو شامل ہوگا۔ (۳)

(د) مثال:

”لَا تَقْلُ لهُمَا أُفٌ“ (ان دونوں سے اف نہ کہو) اولاد کو حکم دیا گیا ہے کہ ماں باپ کی کسی بات پر ان سے اف نہ کہو، قرآن کے الفاظ صرف اتنے ہی ہیں مگر ہر صاحب زبان ان کو پڑھ کر اور سن کر یہ سمجھتا ہے کہ مقصد صرف اسی لفظ کے کہنے سے روکنا نہیں ہے بلکہ تکلیف پہنچانے سے روکنا و منع کرنا مقصود ہے، خواہ اس کی کوئی

(۱) ترمذی ص ۳۰، نووی ص ۱۲۸، فواج ج ۱، ص ۳۱۰-۳۱۱، اپب جہد فرق ن قرآن کی تعصبات و غلیت کے تحت ماثیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ (۲) اسول ص ۳۰۔ (۳) اس توضیح کا مقصد یہ ہے کہ یہاں عموم سے عموم سلاطی مراد نہیں بلکہ شمول مراد ہے۔ (ترمذی ص ۱۳۹)۔

صورت ہو، اس لیے کہ ان سے ”اُف کہنا“ تکلیف کا ذریعہ ہے، لہذا تکلیف کے ہر ذریعہ و صورت (۱) کی ممانعت ہوگی، خواہ قول ہو یا فعل۔ (۲)

۴- اقتضاء النص:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: اقتضاء: تقاضا کرنا، مقتضی جس کا تقاضا کیا جائے۔

۲- اصطلاحی: عبارت کے الفاظ سے خارج وہ معنی و مفہوم کہ جس کا شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت کے لیے اعتبار کیا جائے یا یوں کہیے عبارت کا اپنے الفاظ کے معانی سے زائد کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا کہ جس پر شرعاً یا عقلاً کلام کا صدق یا صحت موقوف ہو۔ (۳)

☆ مطلب یہ ہے کہ اقتضاء النص کا مصداق عبارت کے کسی لفظ کا مدلول و معنی نہیں ہوتا مگر عبارت کے صدق و صحت کے لیے اس معنی کو عبارت کے منطوق کے ساتھ مانا جاتا ہے۔

(ب) حکم:

بقدر ضرورت زائد معنی کا اعتبار اور اس پر عمل کرنا۔ (۴)

بقدر ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ کم از کم جتنے کے مان لینے پر کلام کا صدق یا صحت ثابت ہو جائے، بس اسی کے اعتبار کی اجازت ہے، زائد کی نہیں۔

(ج) صورتیں و امثلہ:

تعریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ شرعاً یا عقلاً کلام کی صحت یا صدق کے لیے

(۱) دلالت النص اور اقتضاء النص جس کا ذکر آ رہا ہے دونوں عبارت کے لوازم معنی میں سے ہوتے ہیں، البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اقتضاء کا مدلول لازم مقدم ہوتا ہے بایں معنی کہ اس پر عبارت کی صحت موقوف ہوتی ہے۔ اور دلالت النص کا مدلول ایسا لازم کہ اس پر عبارت کے صدق و صحت کا توقف نہیں ہوتا بلکہ وہ لفظ کے منطوق و موضوع لہ کی ملت ہوتا ہے۔ (۲) فوائج ج/۱/ص/۴۰۸، التوضیح ص/۲۰۳، نور، ص/۱۳۸، حاسی ص/۲۱۔ (۳) فوائج ج/۱/ص/۴۱۱، توضیح ج/۱/ص/۱۳۷، تفسیر ج/۱/ص/۵۳۸۔ (۴) فوائج ج/۱/ص/۴۱۱، توضیح ص/۳۰۸۔

افتضاء کی نوبت آتی ہے، اس لیے اس کی دو صورتیں ہیں، اول جس کا اعتبار صدق کے لیے ہو، دوم جس کا اعتبار صحت کے لیے ہو، پھر دوسری صورت کی دو شکلیں ہیں:

۱۔ جس کا اعتبار شرعاً صحت کے لیے ہو۔ ۲۔ جس کا اعتبار عقلاً صحت کے لیے۔ اس طرح کل تین صورتیں ہو جاتی ہیں:

۱۔ شرعاً صدق کی صورت:

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس معنی کو نہ مانا جائے تو شریعت کی رو سے صدق و سچائی کا ثبوت نہ ہو سکے گا، جیسے ایک مشہور ارشاد نبوی ہے: "إِنَّ اللَّهَ وَضَعَ عَنْ أُمَّتِي الْخَطَاءَ وَالنِّسْيَانَ" (۱)، (اللہ نے میری امت سے خطا و نسیان کو ختم کر دیا ہے) ظاہر ہے کہ نہ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ امت سے خطا و نسیان کا صدور نہیں ہو سکتا اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ خطا و نسیان سے اگر کوئی عمل ہو جائے تو اس کے ہو جانے کے بعد اس عمل کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

اس لیے کہ امت برابر ان میں مبتلا ہے اور جو عمل وجود میں آجاتا ہے وہ ختم نہیں کیا جاسکتا، اور ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس کے سچ نہ ہونے یعنی جھوٹ ہونے کا کوئی امکان نہیں پیدا ہوتا، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اس میں "الخطأ والنسيان" سے پہلے ایک لفظ ہے جو اسے واقع و حقیقت کے مطابق کر دیتا ہے اور وہ ہے لفظ "إِثْمٌ" یا "حُكْمٌ" اور اس کا مفہوم ہے کہ "خطا و نسیان کا گناہ" یا "ان کا حکم" اس امت سے اٹھایا گیا ہے۔

۲۔ عقلاً صحت کی صورت:

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زائد معنی کا اعتبار نہ کیا جائے تو عقل کی رو سے کلام صحیح نہ ہو، مثلاً ارشاد ربانی ہے: "وَأَسْأَلُ الْقَرْيَةَ" (بستی سے پوچھے) ظاہر ہے کہ عقلاً پوچھ کچھ بلکہ گفتگو کسی انسان ہی سے ہو سکتی ہے، دوسرے جاندار سے بھی

(۱) ابن ماجہ و بیہقی، مکتوٰۃ ص/ ۵۸۴۔

نہیں، چہ جائیکہ جمادات، گھاؤں و ہستی وغیرہ، اس لیے بظاہر یہ کلام صحیح نہیں ہوگا۔
جب تک کہ ”الفریۃ“ سے کوئی ایسا لفظ نہ مانا جائے، جو انسانوں کے لیے استعمال ہوتا ہو، جیسے اہل، اصحاب وغیرہ۔

۳- شرعاً صحت کی صورت:

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر زائد معنی کا اعتبار نہ کیا جائے تو شریعت کی رو سے کلام صحیح نہ ہو، مثلاً قرآن مجید میں مختلف مواقع پر ”نَحْرِيْرُ رَقِيْبَةٍ“ (گردن کے آزاد کرنے) کا حکم آیا ہے، ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی ایسے آدمی کی گردن آزاد کر دی جائے جو غلام نہ ہو، اس لیے کہ وہ تو آزاد ہی ہے، اس کی آزادی کا کیا سوال، اور نہ یہ مراد ہے کہ کسی کے غلام کو پکڑ کر آزاد کر دیا جائے، اس لیے کہ دوسرے کی ملکیت پر نہ تو کسی کو تصرف کا حق ہے نہ اس کے تصرف کا اعتبار ہے، اس لیے ان شرعی احکام کے پیش نظر ان آیات میں ”رقبہ“ کے ساتھ ”ممسکوٰۃ لہ“ کی قید لگے گی، یعنی ایسی گردن کے آزاد کرنے کا حکم ہے جو آزاد کرنے والے کی ملکیت میں ہو، خواہ پہلے سے ہو یا بوقت آزادی اس کی ملکیت کو حاصل کیا ہو۔ (۱) (☆)

(۱) تفسیر ج ۱، ص ۵۳۸-۵۳۹، مذکورہ ج ۲، ص ۲۸۔
(ج ۱) کسی کلام و عبارت کی تصحیح کے لیے جس زائد معنی و لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کے لیے تین تعبیرات آتی ہیں:
۱- مقتضی، ۲- مقدر، ۳- محذوف۔ اصطلاح کی رو سے ان تینوں کا باہم کیا تعلق ہے، ان کی کیا تعریفات ہیں، اس میں چوتھیں تینوں کی تعریفات الگ الگ کرتے ہیں، بعض ان میں سے بعض کو متحد قرار دیتے ہیں، مثلاً صاحب ممد و فرماتے ہیں مقتضی وہ زائد معنی جس کا اعتبار شرع یا عقل کی رو سے کلام کی صحت کے لیے ہو، مقدر وہ زائد معنی جس کا اعتبار لغت، شرع، عقل تینوں میں سے کسی کی رو سے ہو اور محذوف جس کا اعتبار لغت کی رو سے ہو (ممد و ص ۳۱)۔ بعض نے مقدر کی جو تعریف مذکور ہے وہ مقتضی کی ذکر کی ہے (مذکورہ ثنائی)۔ ویسے یہ قول زیادہ معروف ہے کہ جس کا ثبوت شریعت کی رو سے ہو، وہ مقتضی اور جس کا ثبوت لغت و عقل کی رو سے ہو، وہ محذوف جاتا ہے (حسامی ص ۲۲/۱، نورس، ۱۵۱، فوایح ص ۴۱۲، کشف ج ۱، ص ۷۵-۷۶، اصول سر، ج ۱، ص ۲۵۱، التوضیح ج ۱، ص ۱۲۷)۔ محذوف کوئی مضمرب بھی کہہ دیا کرتے ہیں اور مقدر بھی، محذوف و مقدر کے درمیان چھ فرق رہتے ہوئے، لیکن مقتضی و محذوف کے درمیان اصطلاحی فرق یہ تمام متاخرین اسلاف کا مذہب نے حتیٰ کہ صاحب فوایح نے جو ہر انانف کا یہی مذہب بتایا ہے (ج ۱، ص ۴۱۲) مگر جیسا کہ صاحب تفسیر =

(د) مقتضی کا تعدد:

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک عبارت میں بطور مقتضی متعدد الفاظ کے آنے کا احتمال ہوتا ہے، جن کے معانی باہم مختلف ہوتے ہیں، اس وقت ایسا کلام، مشترک کے قبیل سے قرار پاتا ہے، اور اجتہاد کے ذریعہ مقتضی کی تعیین ہوتی ہے اور اس صورت میں مجتہدین کے اختلاف ذوق و مسلک کی وجہ سے مقتضی میں اختلاف بھی ہوتا ہے، مثلاً ایک حدیث ہے: ”علی الید ما أخذت“ (ہاتھ وہ چیز ہے جو وہ لے) اس میں لفظ ”ما“ سے پہلے کوئی لفظ مقدر ماننے کی ضرورت ہے، جو لفظ ”حفظ“ بھی ہو سکتا ہے، تو مفہوم یہ ہوگا کہ جو چیز لی جائے اس کی حفاظت لازم ہے، اور لفظ ”ضمان“ بھی، تو مفہوم یہ ہوگا کہ جو چیز لی جائے گی اس کا ضمان دینا ہوگا، بعض نے لفظ ”حفظ“ کو مانا ہے اور حدیث کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ مال کی حفاظت لازم ہے، اور ضائع ہو جانے پر اس کا ضمان و تاوان نہیں، اور بعض نے لفظ ”ضمان“ کو مانا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ لی ہوئی چیز اگر باقی نہ رہ گئی تو اس کا تاوان و بھگتان لازم ہوگا۔ (۱)

(ہ) مقتضی کی تعیین کے ذرائع:

دو ہیں: اول دلائل۔ دوم قرائن۔ (۲)

= نے تفصیل سے وضاحت کی ہے کہ متقدمین احناف مثلاً ابو یزید بوسی وغیرہ تقریباً سب کے سب، دوسروں کی طرح دونوں کو ایک قرار دیتے ہیں (تقویم الادلہ ص/۲۳۳، تفسیر ج/۱، ص/۵۵۰-۵۵۱)۔ تاہم فرق نے اس وجہ فرق کے ساتھ کہ مقتضی کا ثبوت شرعی اور محذوف کا لغوی ہوتا ہے، عموماً ایک وجہ فرق یہ ذکر کی ہے کہ مقتضی کے ماننے سے عبارت کے الفاظ کی ترتیب و اعراب نہیں بدلتا، اور محذوف سے بدل جاتا ہے، مگر چونکہ بہت سے مواقع پر اس کے خلاف بھی ثابت ہے، اس لیے اس وجہ فرق کو رد کیا گیا ہے (حسامی و نظامی ص/۲۲، نور و قمر ص/۱۵۰، کشف ج/۲، ص/۵۶۳-۵۶۵، التوضیح ج/۱، ص/۱۳۱) صاحب فوائح نے اس فرق کو بعض صورتوں کے ساتھ خاص کیا ہے (ج/۱، ص/۳۱۲) مگر اسے پسند نہیں کیا گیا ہے (تفسیر ج/۱، ص/۵۵۵ و ۵۵۹) محذوف و مقدر کا فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مقدر مانند مذکور کے ہوتا ہے یعنی عبارت کے الفاظ میں موجود نہ ہونے کے باوجود اس کا عمل عبارت کے الفاظ میں پایا و مانا جاتا ہے اور محذوف کا حذف کی صورت میں کوئی عمل و اثر باقی نہیں رہتا (کانہ سعید یہ ص/۶۳) لیکن اس فرق کا ہر موقع پر لانا نہیں کیا جاتا بلکہ اکثر غیر مذکور کے لیے لفظ محذوف ہی لایا جاتا ہے۔ (۱) اصول التشریح ص/۲۳۰، تفسیر ج/۱، ص/۵۶۱۔ (۲) مذکرہ۔

۵- اقسام مذکور کا عموم و خصوص سے تعلق:

۱- عبارة النص و اشارة النص دونوں کا تعلق عموم و خصوص دونوں سے ہو سکتا ہے۔ (۱)

۲- دلالت النص کا مصداق تمام ان مواقع کو حاوی ہوتا ہے جہاں اس کا وجود ہو، مگر بمعنی شمول بمعنی عموم اصطلاحی نہیں، اسی لیے اس میں تخصیص نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ عموم و خصوص اوصاف الفاظ ہیں اور دلالت النص کا تعلق موضوع لہ کے لوازم سے ہے۔

۳- اقتضاء النص میں مقتضی خاص میں لفظ بھی ہو سکتا ہے، اور عام بھی، البتہ چونکہ مقتضی کا اعتبار اس حد تک ہوگا کہ جتنے کی کلام کی صحت و صدق کے لیے ضرورت ہو، اس لیے اگر مقتضی کوئی عام لفظ ہو تو اس کو عموم پر نہیں محمول کیا جائے گا، جیسے صدق کی صورت کی مثال میں جو حدیث مذکور ہے، اس میں اگر لفظ ”ائم“ کو مقتضی مانا جائے تو خاص ہوگا، اور اگر ”حکم“ کو مانا جائے تو عام ہوگا، مگر چونکہ حکم سے حکم اخروی مراد لے لینے پر کلام صادق قرار پا جاتا ہے، اس لیے اس میں تعمیم کر کے اس کے ساتھ دنیوی کو مراد لینے کی ضرورت نہیں اور حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ آخرت میں ان امور پر کوئی حکم مرتب نہ ہوگا، یعنی گناہ و گرفت نہ ہوگی، اور چونکہ دنیوی مراد نہیں اس لیے دنیوی حکم مرتب ہوگا، مثلاً بھول کر نماز میں بات کر لینے سے نماز فاسد ہو جائے گی، طلاق بھولے سے بھی ہو جائے گی۔

اور مقتضی کے عام ہونے کی صورت میں اس میں تخصیص بھی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ تخصیص زبان سے کہے جانے والے لفظ میں ہوتی ہے، مثلاً کسی نے قسم کھائی بخدا میں نہیں کھاؤں گا اور یہ نہیں ذکر کیا کہ کیا نہ کھائے گا، تو ظاہر ہے کہ مراد تو کھانے والی چیز ہی ہے، اس لیے تمام کھانے والی چیزیں اس کے تحت داخل ہوں گی اور اگر قسم

کھاتے وقت بعض خاص کی نیت کر لے تو نیت معتبر نہ ہوگی، کسی بھی چیز کے کھانے سے قسم جاتی رہے گی، اس لیے کہ کھانے والی چیز کے معنی رکھنے والا کوئی لفظ زبان سے نہیں کہا۔ (۱)

۶- اقسام مذکورہ کے مدلولات کی قطعیت و ظنیت:

- (الف) عبارة النص کا مدلول ہر حال میں قطعی ہوتا ہے۔
 (ب) اشارة النص کا مدلول بھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتا ہے۔
 (ج) دلالة النص کا مدلول بھی کبھی قطعی اور کبھی ظنی ہوتا ہے۔ (۲)
 (د) مقتضی اپنے تعین کے بعد قطعی قرار پاتا ہے، اسی لیے قیاس پر مقدم ہوتا ہے۔ (۳)

۷- مراتب:

چاروں میں ترتیب ذکر کی کے اعتبار سے مراتب کا فرق ہے، اول یعنی عبارة النص اعلیٰ اور آخری یعنی اقتضاء النص سب سے ادنیٰ ہے، اس فرق مراتب کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جبکہ ان کے مدلولات آپس میں متعارض ہوں تو جو قوی ہوتا ہے اس کو اس سے کمتر ترجیح ہوتی ہے، یعنی اول کو دوم پر، دوم کو سوم پر، سوم کو چہارم پر۔

مثلاً ایک حدیث کی عبارت میں حیض کی کم از کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن بتائی گئی ہے، اور دوسری حدیث میں یہ مضمون ہے کہ عورتیں اپنی عمر کا نصف حصہ گھروں میں نماز و روزہ کے بغیر گزارتی ہیں، اس سے اشارة آخری مدت پندرہ دن سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ ہر ماہ کا نصف پندرہ دن ہوتا ہے، اور اسی حساب

(۱) فوایح ج ۱/ ص ۴۱۲، نور، ص ۱۵۲، حسامی و نظامی ص ۲۲، تفسیر ج ۱/ ص ۵۶۲-۵۶۳ و ۵۶۵ و ۵۶۶۔

(۲) نور و قمر ص ۱۳۷-۱۳۸، کشف ج ۱/ ص ۷۰-۷۳، فوایح ج ۱/ ص ۴۰۹، تفسیر ج ۱/ ص ۴۹۳ و ۵۲۶۔

اشارہ و دلالت کی قطعیت کا ثبوت قرآن سے ہوتا ہے، دلالة النص کے ہالفاظ قیاس ظنی ہوتا ہے اس لیے کہ اس کی علت اکثر مستطہ ہوتی ہے، اور اگر علت منصوصہ ہو تو علت قطعی ہوتی ہے، مگر اس پر جنی حکم ظنی ہی ہوتا ہے

(نور ص ۱۳۹)۔ (۳) حسامی و نظامی ص ۲۱، نور و قمر ص ۱۵۱۔

سے نصف عمر بنے گی، تو عبارت و اشارہ دونوں کے مدلولات میں تعارض ہو گیا، عبارت کے مدلول کو ترجیح دیتے ہوئے آخری مدت دس دن قرار دی گئی ہے۔ (۱)

۸- جامع مثال:

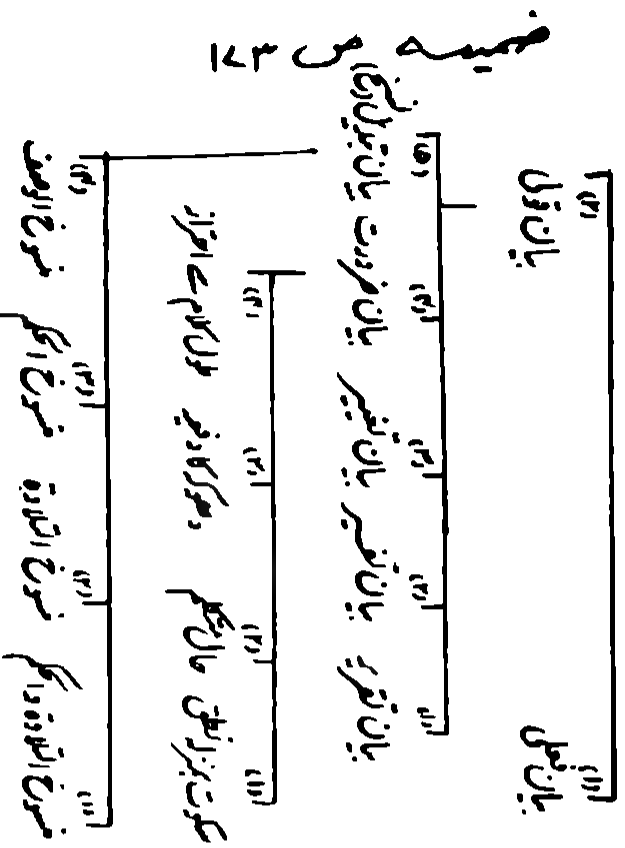
چوتھے پارے کی آخری آیت ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتِكُمْ“ جس میں ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے شادی کرنا جائز نہیں ہے، وہ آیت ان چاروں اقسام کی جامع ہے، اور وہ یوں ہے کہ مائیں اور وہ تمام عورتیں جن کا تذکرہ آیت کے الفاظ میں ہے ان کی حرمت عبارت النص سے ثابت ہے، اور رضاعی خالہ کی حرمت اشارۃ النص سے ثابت ہے، اس لیے کہ دودھ پلانے والی کو ماں کہا گیا ہے، لہذا اس کی بہن خالہ قرار پائے گی اور پھوپھیوں و خالائوں کی حرمت سے دلالت دادی و نانی کی حرمت بھی سمجھ میں آتی ہے، اس لیے کہ علت مشترک ہے اور وہ قرب قرابت ہے، بلکہ دادی و نانی اس میں فائق ہیں کہ ان کی قرابت صرف ایک واسطے سے ہے، یعنی باپ یا ماں کے واسطے سے اور خالہ و پھوپھی کی حرمت میں ماں و باپ اور ان کے والدین واسطے بنتے ہیں، اور ”حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ“ کے الفاظ اقتضاء کے تحت آتے ہیں، یوں کہ ان عورتوں کی ذوات کی حرمت بیان کرنی مقصود نہیں ہے، بلکہ ان سے شادی کی، اس لیے عبارت اصل میں یوں بنے گی: ”حُرِّمَ عَلَيْكُمْ التَّزْوِجَ بِالْمَذَكُورَاتِ“۔ (۲)

(۱) حسامی و نظامی ص/۲۰-۲۱، نور ص/۱۳۷-۱۳۸، ۱۵۱، نواع ح/۱، ص/۴۱۲، تفسیر ج/۱، ص/۵۸۲ تا آخر بحث۔

(۲) مذکرہ۔

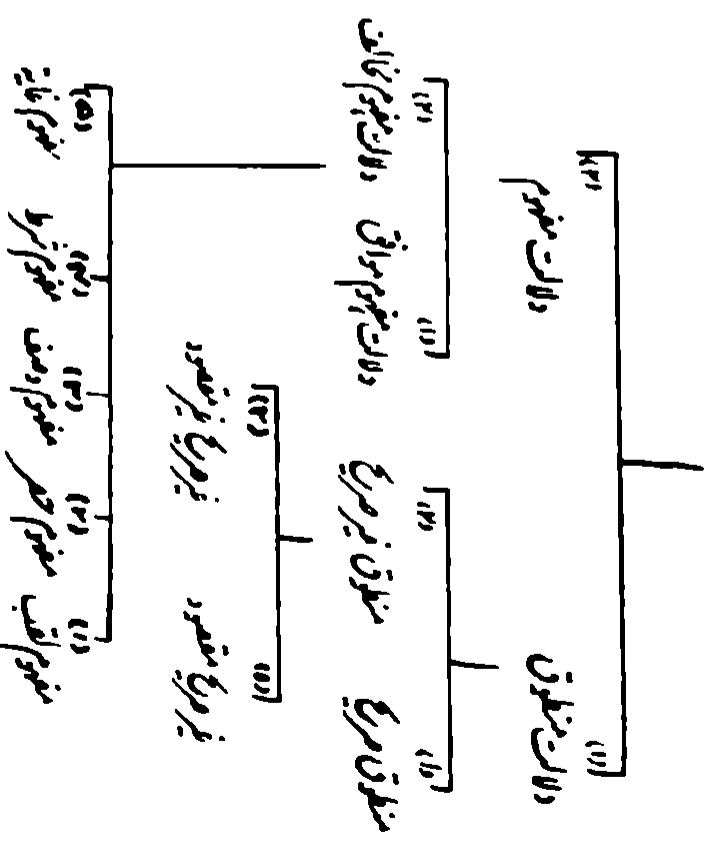
بیان

نقشه هست



تجزیه هر کلمه

دلالت



ضمیمہ مفہوم

دلالت:

(الف) تعریف:

۱- لغوی و عرفی: ایک چیز کا دوسری چیز کو بتانا۔

۲- اصطلاحی (۱): لفظ کا اپنے معنی کو بتانا۔

(ب) اقسام:

دو ہیں: ۱- دلالت منطوق۔ ۲- دلالت مفہوم۔

☆ لفظ کے ”منطوق“ سے اس کے اصل معنی موضوع لہ کو مراد لیتے ہیں، اس کے بالمقابل اصل میں ”مسکوت عنہ“ کا لفظ آتا ہے جس سے معنی مطابقی یا تفسیمی یا التزامی (۲)، جس کے لیے لفظ کو استعمال کیا جائے، اس کے ساتھ سمجھا جانے والا مطلب مراد ہوتا ہے، جس کو لفظ از روئے لغت کی طرح شامل نہیں ہوگا، مگر اس کے معانی کے ساتھ جن کو منطوق کہتے ہیں، سمجھا ضرور جاتا ہے، خواہ منطوق کے موافق ہو یا مخالف، اصطلاح میں اسی کو ”مفہوم“ کہتے ہیں، اسی لیے دلالت کی دوسری قسم ”دلالت مفہوم“ (۳) ذکر کی گئی ہے۔ (۴)

(۱) یعنی باعتبار اصول فقہ نہ کہ منطق۔ (۲) معنی مطابقی، یعنی لفظ کا کامل موضوع لہ، تفسیمی موضوع کا جزء، التزامی موضوع لہ کا لازم۔ (۳) مفہوم کے تحت تقریباً اسی انداز کی تفصیلات آتی ہیں، جو آپ تقسیم پنجم کے تحت ملاحظہ فرما چکے ہیں، فرق تعبیر کا ہے اور اس کا کہ سابق تفصیلات احناف کی مختار اور ان کے یہاں مروج ہیں، اور اس کے تحت آنے والی تفصیلات شوافع کے یہاں اور بعض حضرات کی توضیح کے مطابق متکلمین کے یہاں مروج ہیں =

۱- دلالت منطوق:

(الف) تعریف:

لفظ کا اپنے پورے موضوع لہ یا اس کے جزء یا لازم پر دلالت کرنا۔ (۱)

(ب) اقسام:

دو ہیں: دلالت منطوق صریح۔ دلالت منطوق غیر صریح۔

۱- دلالت منطوق صریح:

(الف) تعریف:

لفظ کا اپنے پورے موضوع لہ یا جزء پر دلالت کرنا۔

(ب) مثال:

لفظ زید سے زید کی ذات یا اس کے جسم کا کوئی حصہ مراد لینا۔

☆ نزد احناف: اسی کو ”عبارۃ النص“ کہتے ہیں۔

۲- دلالت منطوق غیر صریح:

(الف) تعریف:

لفظ کا اپنے لازم پر دلالت کرنا۔

= ان تفصیلات میں کسی حد تک احناف و شوافع کا اتفاق ہے، اجیرات کے فرق کے ساتھ، اور کسی حد تک اختلاف ہے اور چونکہ اختلافی امور میں اس کے تحت مفہوم مخالف کی بحث آتی ہے جو اصول فقہ کی اہم مباحث اور اصول اختلاف میں سے ایک اہم اصل ہے، اس لیے اس بحث کو اہمیت حاصل ہے، اسی وجہ سے ”اصول فقہ حنفی“ کی کتابوں میں بھی یہ بحث کسی نہ کسی انداز سے مسطور ہے (فوائج ج/۱، ص/۳۱۳ وما بعد، نور ص/۱۵۳-۱۵۷) اسی اہمیت اور کتب فقہ اور فقہی مباحث میں بکثرت مفہوم مخالف کا ذکر آنے کی وجہ سے مناسب ہی نہیں۔ (۴) استفادہ از تفسیر ج/۱، ص/۵۹۱-۵۹۲، اصول الخلاف ص/۱۳۸۔

(۱) تفسیر ج/۱، ص/۵۹۱، توضیح میں عبارت النص کی بعینہ یہی تعریف ہے (نور ص/۱۵۳-۱۵۷)۔ اسی اہمیت اور کتب فقہ اور فقہی مباحث میں بکثرت مفہوم مخالف کا ذکر آنے کی وجہ سے مناسب ہی نہیں بلکہ مفید و ضروری معلوم ہوا کہ یہ بحث بھی مناسب انداز اور اہل اسلوب میں بقدر ضرورت لے لی جائے۔

(ب) مثال:

شیر سے اس کی بہادری مراد لینا۔

(ج) صورتیں:

اس کی بھی دو ہیں: ۱- وہ دلالت جو لفظ سے مقصود ہو۔ ۲- وہ دلالت جو لفظ سے مقصود نہ ہو۔

۱- دلالت غیر صریح مقصود:

کی بھی دو صورتیں نکلتی ہیں: اول یہ کہ کلام کا صدق یا صحت شرعاً یا عقلاً اس دلالت پر موقوف ہو، اس کو ”دلالت اقتضاء“ کہتے ہیں۔

☆ نزد احناف: یہی ”اقتضاء النص“ ہے۔

دوم یہ کہ کلام میں مذکور حکم کسی ایسے وصف کے ساتھ اس انداز پر ملا ہو کہ اگر اس وصف کو علت نہ مانا جائے تو اس کا یہ اتصال اور اس موقع پر آنا لغو قرار پائے، اس کو ”دلالت تنبیہ وایماء“ کہتے ہیں، مثلاً ”السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا“ (۱) (جو مرد یا عورت چوری کرے اس کے ہاتھ کاٹ دو) میں چوری کے ذکر کے بعد ”ف“ کے ساتھ قطع ید کا حکم اس پر دلالت کرتا ہے کہ چوری ہاتھ کے کاٹنے کی علت ہے۔

☆ نزد احناف: یہ صورت کسی درجہ میں ”دلالت النص“ کے تحت آتی ہے، ورنہ تو اصلاً شواہد کی تقسیم کے مطابق ”مفہوم موافق“ ”دلالت النص“ کا مصداق ہے۔

۲- دلالت غیر صریح غیر مقصود:

یعنی منطوق کی وہ غیر صریح دلالت جو مقصود نہ ہو، غیر صریح سے لازم پر دلالت مراد ہے، اس کو ”دلالت اشارہ“ کہتے ہیں۔

☆ نزو احناف: یہی ”اشارۃ النص“ ہے۔ (۱)

۲- دلالت مفہوم:

(الف) تعریف:

لفظ کا کسی ایسے معنی پر دلالت کرنا جسے منطوق شامل نہ ہو۔ (۲) یعنی جو معنی نہ تو لفظ کا تمام موضوع نہ ہوں نہ موضوع لہ کا جزء اور نہ لازم بلکہ کسی مناسبت کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ سمجھے جائیں۔

(ب) اقسام:

دو ہیں: ۱- دلالت مفہوم موافق ۲- دلالت مفہوم مخالف۔

(۱) فوارح ج/۱، ص/۳۱۳-۳۱۴، تفسیر ج/۱، ص/۵۹۱ تا آخر بحث ص/۶۰۶، ۶۱۹۔

ذکر کیا جا چکا ہے کہ تقسیم پنجم کے تحت احناف کی اختیار کردہ تفصیلات اور مذکورہ تفصیلات میں مناسبت پائی جاتی ہے، چنانچہ اسی مناسبت کو مذکورہ تفصیلات کے ضمن میں واضح بھی کر دیا گیا ہے کہ حضرات شوافع کی تفصیلات کے مطابق ”دلالة منطوق“ صریح کا مصداق ”عبارۃ النص“ ”دلالة النص“ کا مصداق ”اشارۃ النص“ دلالت اقتضاء“ کا مصداق ”اقتضاء النص“ ہے اور دلالت النص کے اصل مناسب کا ذکر مفہوم کے تحت آنے والا ہے، اگرچہ کسی درجہ میں ”دلالة تنبیہ وایماء“ کو بھی اس سے مناسبت حاصل ہے، چنانچہ بعض حضرات نے احناف کی چاروں اقسام کی نسبت یوں تحریر کیا ہے کہ اگر معنی کا ثبوت نفس لفظ سے ہو اور مقصود ہو کہ کلام کو اس کے لیے لایا گیا ہو تو اسے ”عبارۃ النص“ کہیں گے، اور اگر لفظ سے تعلق ہو مگر مقصود نہ ہو تو ”اشارۃ النص“ اور اگر لفظ سے ثبوت نہ ہو مگر سمجھا جائے تو اگر از روئے لغت سمجھنا ہو تو ”دلالة النص“ اور اگر از روئے شرع سمجھنا ہو تو ”اقتضاء النص“ کہیں گے، دلالت غیر صریح مقصود کی دوسری قسم کے تحت جو مفہوم سمجھا جاتا ہے وہ از روئے لغت ہی سمجھا جاتا ہے، اسی لیے ذکر کیا گیا ہے کہ کسی درجہ میں وہ ”دلالة النص“ کے تحت آتا ہے، ساتھ ہی یہ امر بھی ذہن نشین رہے جیسا کہ دلالت غیر صریح مقصود کے تحت ہماری توضیح سے ظاہر ہے کہ دونوں فریق کی مصطلحات کا مصداق من وعن ایک نہیں ہے، چنانچہ یہ بات منطوق کے تحت سامنے آچکی ہے کہ منطوق کی جو تعریف ہے بعینہ وہی تعریف ”عبارۃ النص“ کی صاحب توضیح نے کی ہے، اور پھر منطوق کی دو قسمیں کی جاتی ہیں، ایک صریح دوم غیر صریح اور غیر صریح جس سے لازمی معنی مراد لیتے ہیں، اس کے تحت ”دلالة اقتضاء“ اور ”دلالة اشارۃ“ آتی ہیں اور صریح کے تحت تمام معنی موضوع لہ یا اس کا جزء آتا ہے، اور ہم نے ”عبارۃ النص“ کا مصداق اسی کو بتایا ہے مگر ہماری ذکر کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ ”عبارۃ النص“ من وعن ”منطوق صریح“ کا مصداق نہیں ہے۔

(۲) تفسیر ج/۱، ص/۵۹۲۔

۱- دلالت مفہوم موافق:

لفظ کا مسکوت عنہ کے حق میں بعینہ منطوق کے حکم کے ثبوت کو بتانا۔
 ☆ احناف اسی کو ”دلالۃ النص“ کہتے ہیں، اور اسی کے لیے کچھ تفصیل کے ساتھ دیگر عناوین بھی آتے ہیں، مثلاً ”فحوی الخطاب“، ”لمن الخطاب“، ”مفہوم الخطاب“ وغیرہ۔ (۱)

۲- دلالت مفہوم مخالف:

(الف) تعریف:

منطوق کے حکم کے لیے مذکور قیود میں سے کسی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے لفظ کا مسکوت عنہ کے حق میں منطوق کے حکم کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔ (۲)
 ☆ احناف اس کے لیے ”مخصوص بالذکر“ کی تعبیر استعمال کرتے ہیں، اسی کو ”دلیل الخطاب“ بھی کہتے ہیں، اس کا حاصل جس امر و پہلو کا ذکر منطوق میں نہیں، اس کے لیے منطوق کے حکم کی ضد کا ثابت ہونا ہے۔ (۳)

(ب) اقسام:

تعریف سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ مفہوم مخالف کا مدار کلام میں ذکر کردہ قیود کے نہ پائے جانے پر ہے، اور قیود مختلف قسم کی ہوتی ہیں، اس لیے ”مفہوم مخالف“ کی اقسام بھی متعدد ہیں، بلکہ ہر قید کی نسبت سے ایک قسم ذکر کی جاتی ہے، مشہور پانچ ہیں:

۱- مفہوم لقب - ۲- مفہوم حصر - ۳- مفہوم وصف - ۴- مفہوم شرط -

۵- مفہوم غایت۔ (۴)

(۱) فوایح ج/۱، ص/۳۱۳، تفسیر ج/۱، ص/۶۰۷۔ (۲) فوایح ج/۱، ص/۳۱۳، تفسیر ج/۱، ص/۱۱۵، تفسیر ج/۱، ص/۶۰۹۔ (۳) کشف ج/۲، ص/۳۷۵، تفسیر ج/۱، ص/۶۱۰، ۶۶۸۔ (۴) بقیہ اقسام حسب ذیل ہیں: ۶- مفہوم عدد۔ ۷- مفہوم حال۔ ۸- مفہوم زمان۔ ۹- مفہوم مکان۔ ۱۰- مفہوم علت۔ بعض نے مفہوم وصف اور ۶، ۷، ۸، ۹ کو ایک قرار دیا ہے اور بعض نے ۱۰ کو۔ (تفسیر ج/۱، ص/۷۶۱)۔

۱- مفہوم لقب:

(الف) تعریف:

کسی خاص نام کے ساتھ مقید کلام کا مسکوت عنہ کے حق میں حکم مذکور کی
ضد پردالالت کرنا۔

(ب) حکم:

لائق احتجاج و اعتبار نہیں۔ (۱)

(ج) مثال:

”زید قائم“ کہ زید کی طرف قیام یعنی کھڑے ہونے کی نسبت غیر زید کے
کھڑے نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

۲- مفہوم حصر:

(الف) تعریف:

کلام میں جن افراد کا حصر ہو ان کے غیر کے حق میں کلام کا حکم مذکور کی ضد پر
دلالت کرنا۔

(ب) حکم:

لائق احتجاج و اعتبار ہے، اس لیے حصر سے خارج افراد کے حق میں مذکورہ
حکم کا اعتبار نہیں ہوتا۔ (۲)

(ج) مثال:

”إنما الطاعة في المعروف“ (۳) (طاعت تو معروف ہی میں ہے)
اس کا مفہوم یہ ہے کہ غیر معروف یعنی معصیت میں اطاعت نہیں ہے۔

(۱) فوارج ج/۱، ص/۴۳۲، توضیح ص/۳۱۴، نور ص/۱۵۳۔ (۲) فوارج ج/۱، ص/۴۳۴، ابن ہمام نے اس کو از
قبیل منطوق قرار دیا ہے اور صاحب مسلم نے بھی ص/۴۳۵۔ (۳) صحیح بخاری۔

۳- مفہوم وصف:

(الف) تعریف:

کلام میں مذکور وصف سے خالی افراد کے حق میں حکم مذکور کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔

☆ صفت سے صفت نحوی مراد نہیں بلکہ وہ تمام چیزیں جن کا حاصل اوصاف ہے، اگرچہ نحوی اعتبار سے وہ کسی صورت میں ہوں، مثلاً موصوف و صفت ذوالحال و حال، موصول و صلہ، متمیز و تمیز اور ظرف و مظروف بھی۔ (۱)

۴- مفہوم شرط:

(الف) تعریف:

عبارت میں مذکور شرط سے خالی، افراد کے حق میں، مذکور حکم کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔

(ب) امثلہ ہر دو اقسام:

”وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ
الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فِتْيَانِكُمْ
الْمُؤْمِنَاتِ“ (۲)

تم میں سے جو کوئی قدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرے تو وہ تمہاری مومن باندیوں سے جو تمہاری ملک میں ہوں نکاح کرے۔

اس آیت میں ”وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلاً“ شرط ہے، اور ”مِنْ فِتْيَانِكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ“ وصف، اول کا مفہوم مخالف ہے، کہ جس شخص کو آزاد عورت سے

شادی کی قدرت ہو اس کے لیے باندی سے نکاح جائز نہیں اور دوم یعنی وصف کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو باندی مسلمان نہ ہو اس سے نکاح جائز نہیں۔ (۱)

۵- مفہوم غایت:

(الف) تعریف:

کلام میں مذکور کسی چیز کی غایت یعنی حد کے پائے جانے کی صورت میں مذکور حکم کی ضد کے ثبوت پر دلالت کرنا۔

(ب) مثال:

”فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا
غَيْرَهُ.“ (۲)

(پھر اگر وہ (طلاق دینے والا) اس (طلاق دی ہوئی عورت) کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی، اس کے بعد یہاں تک کہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے)۔

آیت میں جس عورت کو تین طلاق دے دی گئی ہو، شوہر اول کے حق میں اس کی حرمت کی غایت و حد دوسرے شوہر سے نکاح و صحبت کو بتایا گیا ہے، جب یہ غایت پائی جائے گی تو حرمت ختم ہو جائے گی اور حلت کا حکم ہوگا۔ (۳)

(ج) احکام اس سے اقسام:

احکام کے حق میں ان تینوں اقسام کی دو صورتیں ہیں:

اول یہ کہ قید کے بغیر بھی عمل ہو سکتا ہو، یعنی قید کا ذکر عمل کی غرض سے نہ ہو بلکہ کسی دوسری وجہ سے ہو، اس صورت میں بالاتفاق مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں۔

(۱) فوارج ج ۱/ص ۴۱۳، ۴۲۱، تفسیر ج ۱/ص ۶۱۰ و ۶۱۳۔ (۲) البقرہ/۲۳۰۔ (۳) فوارج ج ۱/ص ۴۳۲، تفسیر ج ۱/ص ۶۱۵۔

(د) وجوہ عدم اعتبار مفہوم:

مفہوم مخالف کے معتبر نہ ہونے کی وجوہ حسب ذیل ہو سکتی ہیں:

- ۱- احسان جتلانا۔ ۲- واقعہ یا ۳- عام حالت و عادت میں سے کسی کی رعایت۔ ۴- تاکید۔ ۵- جواب۔ ۶- متکلم کا مفہوم یا منطوق کے حکم کو نہ جاننا۔ ۷- کسی غلط فہمی کا خوف و اندیشہ۔ ۸- سکوت عنہ کے حق میں دلیل کا موجود ہونا۔ ۹- کسی چیز کی رغبت دلانا۔ ۱۰- کسی چیز سے ڈرانا یا نفرت پیدا کرنا۔ ۱۱- کسی چیز کی عظمت کا اظہار کرنا۔ ۱۲- قید کا تبعاً یا اتفاقاً مذکور ہونا۔ ۱۳- مدح و ذم۔ (۱)

دوم یہ کہ مفہوم پر عمل کے علاوہ قید کا کوئی دوسرا فائدہ نہ ہو، یعنی قید عمل ہی کے لیے لائی گئی ہو۔

اس صورت میں احناف کے نزدیک مفہوم کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جن چیزوں کا عبارت کے الفاظ میں ذکر نہ ہو وہ اپنے حال پر باقی رہیں گی، جب تک کہ ان کے حق میں کوئی مستقل دلیل موجود نہ ہو، ان کے لیے منطوق کے خلاف کوئی حکم ثابت نہ ہوگا، اس لیے مفہوم شرط کے تحت آزاد عورت سے شادی کی قدرت رکھنے والے کے لیے باندی سے شادی کی حرمت اور مفہوم وصف کے تحت اہل کتاب باندی سے نکاح کی حرمت ثابت نہ ہوگی اور مفہوم غایت کے تحت زوج اول سے نکاح کی حرمت ختم ہونے کا ثبوت خاص آیت کے مفہوم مخالف کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسری نصوص کی وجہ سے ہے۔ (۲)

(ہ) مفہوم مخالف کی بابت اتفاقی احکام:

۱- مفہوم لقب کا حکم یعنی عدم اعتبار اتفاق ہے۔ (۳)

(۱) فروع ج ۱/۱، ص ۴۱۴، توضیح ص ۳۱۶، تفسیر ج ۱/۱، ص ۶۴۳، ۶۴۵، ۶۴۷، ذکرہ ج ۲، ص ۳۱-۳۲۔

(۲) شف ج ۳/۱، ص ۵۴۳، التحریر ج ۱/۱، ص ۱۱۵، ذکرہ ج ۲/۱، ص ۳۳۱، تفسیر ج ۱، ص ۶۶-۶۸۔

(۳) ۴۲۸۔ (۳) اصول الخلاف ص ۱۵۵۔

- ۲- مفہوم حصر کا حکم یعنی اعتبار بالاتفاق ہے۔ (۱)
- ۳- مفہوم وصف، مفہوم شرط، مفہوم غایت کی پہلی صورت کا حکم اتفاقی ہے۔ (۲)
- ۴- مفہوم عدد کی بابت بھی بعض احناف اعتبار کے قائل ہیں۔ (۳)
- ۵- عقوبات یعنی سزاؤں کے حق میں مفہوم مخالف کا اعتبار اتفاقی ہے۔ (۴)
- ۶- قرآن و حدیث کے علاوہ ہر کلام میں خواہ خواص کا ہو یا عوام کا، اور اگرچہ صحابہ کا ہو، یا کسی کتاب کی عبارت ہو، سب کے مفہوم مخالف کا اعتبار اتفاقی ہے، یعنی اختلاف قرآن و حدیث کی بابت ہے اور سزاؤں کے علاوہ دیگر امور کے حق میں۔ (۵)

(۱) مذکرہ۔ (۲) مذکرہ۔ (۳) نواح ج ۱/ ص ۴۳۲، جیسے طحاوی و بھاس۔ (۴) حاشیہ رسم المفتی۔
 (۵) از حاشیہ حموی بر الاشباہ ص ۱۵، التحریر ج ۱/ ص ۱۷۷، نور ص ۱۵۴، تفسیر ج ۱/ ص ۶۸۷، رسم المفتی
 ص ۹۲، اصول الخلاف ص ۱۵۵۔

خاتمہ اصل اول

بیان (☆)

۱- تعریف:

- (الف) لغوی: ظاہر کرنا، واضح کرنا، (۱) بیان کرنا۔
 (ب) اصطلاحی: وہ امر جس کے متکلم کی مراد واضح ہو۔ (۲)

۲- ذرائع بیان:

متعدد ہیں: ۱- تحریر۔ ۲- اشارہ۔ ۳- اجتہاد و قیاس۔ ۴- قول۔ ۵- فعل وغیرہ (۳)، البتہ اکثر ذرائع آخری دو ہیں، اور ان میں بھی قول کا استعمال بکثرت رہا ہے، اسی لیے اصولیین زیادہ تر قول سے ہی بحث کرتے ہیں اور جو اقسام ذکر کرتے ہیں وہ اسی کی نسبت سے ذکر کرتے ہیں۔

۳- مثال بیان فعلی:

نماز کی بابت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”صلوا کما رأیتمونی

(☆) بیان کی تعریف و تفصیلات اگلی سطور میں سامنے آ رہی ہیں، اصول فقہ کی کتابوں میں یہ بحث اہتمام کے ساتھ اس لیے لایا جاتا ہے کہ بات کرنے والا اپنی زبان سے جو کچھ بھی کہتا ہے اگر اس کی جانب سے مزید کوئی چیز اس گزشتہ کلام سے متعلق سامنے آتی ہے تو وہ جس صورت میں ہو اور اس کا جواثر و نتیجہ بھی ہو اسے ”بیان“ کہتے ہیں، صورت اور بالخصوص نتائج کے اختلاف کی وجہ سے اس سے متعلق تفصیلات کا علم ضروری ہے۔

(۱) کشف ج/ ۳/ ۸۲۳، تفسیر ج/ ۱/ ص/ ۲۴۔ (۲) یہ تعریف احقر نے اس لیے اختیار کی ہے کہ جیسا کہ آپ پڑھیں گے ”بیان“ صرف قول ہی کے ذریعہ نہیں ہوتا، ہاں ”قول“ اس کا اکثری و اظہمی ذریعہ ضرور ہے۔ الاسعدی۔ (۳) ارشاد ص/ ۱۷۲۔

اصلی“ (جیسے مجھ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، ویسے ہی نماز پڑھا کرو) تو آپ کا عملی طور پر نماز کا پڑھنا، نماز سے متعلق ارشادات کا بذریعہ ”فعل“ بیان ہے۔ (۱)

۴۔ اقسام بیان قولی:

پانچ (۲) ہیں: (الف) بیان تقریر۔ (ب) بیان تفسیر۔ (ج) بیان تغیر۔ (د) بیان ضرورت۔ (ه) بیان تبدیل۔

(الف) بیان تقریر:

۱۔ تعریف:

سابق کلام کو ایسے الفاظ سے مؤکد کرنا کہ ارادہ مجاز اور تخصیص کا احتمال ختم

ہو جائے۔

۲۔ تعبیر دیگر:

اسی کو ”بیان تاکید“ بھی کہتے ہیں۔ (۳)

۳۔ حکم:

ہر حال میں اعتبار خواہ کلام سابق سے متصل ہو یا منفصل۔ (۴)

۴۔ امثلہ:

(الف) مجاز کا احتمال ختم کرنے کی، ارشاد باری تعالیٰ ”ولا طائر يطير بجناحيه“ (۵) (اور نہ دو پروں سے اڑنے والا پرندہ) کہ طائر میں مجاز کا احتمال تھا، جسے ”بیطیر بجناحیہ“ کی قید سے ختم کر دیا، اس لیے کہ اس نے متعین کر دیا کہ اس سے طائر (پرندہ) ہی مراد ہے۔

(ب) خصوص کا احتمال ختم کرنے کی مثال ”فسجد الملائكة كلهم

(۱) ذرائع ج/۲/ص/۴۵، نظامی ص/۸۲، عمدہ ص/۷۲۔ (۲) مشہور پانچ ہیں، بعض نے سات بھی ذکر کی ہیں۔

اصول ص/۶۷۔ (۳) ارشاد ص/۷۲۔ (۴) حاسی ص/۸۲۔ (۵) الانعام/۳۸

اجمعون“ (۱) احتمال تھا کہ سجدہ جماعت ملائکہ کے کچھ افراد نے ہی کیا ہو نیز یہ کہ متفرق طور پر کیا ہو ”کلہم“ کے اضافہ نے بعض کے احتمال کو اور ”اجمعون“ کے اضافہ نے متفرق طور پر سجدہ کے احتمال کو ختم کر دیا۔ (۲)

(ب) بیان تفسیر:

۱- تعریف:

سابق غیر واضح المراد کلام کی مراد کو واضح کرنا۔

۲- مواقع:

مجمل جس کی مراد کو واضح کیا جائے اور مشترک جس کی مراد کو متعین کیا جائے، نیز مشکل و خفی اور کنایات وغیرہ بھی جن کی مراد کو بتایا جائے، مذکورہ امور کی مراد کی وضاحت و تعین ”بیان تفسیر“ کہلاتی ہے۔ (۳)

۳- حکم:

کلام سابق سے اتصال اور انفصال دونوں حالتوں میں اعتبار ہے۔ (۴)

۴- امثلہ:

(الف) صلوٰۃ، زکوٰۃ وغیرہ امور قرآن مجید میں مجمل ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل کے ذریعہ ان کے اجمال کو ختم فرما کر مراد کو پورے طور پر واضح فرمایا ہے۔ (۵)

(ب) ”وَالْمَطْلَقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ“ (۶) (مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں) میں قروء کا لفظ مشترک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد طلاق ”الأمۃ تطليقتان وعدتها حیضتان“ (۷)

(۱) الجوز/۳۰۔ (۲) نور/ص ۲۰۱، کشف/ج ۳، ص ۸۲۵-۸۲۸۔ (۳) کشف/ج ۳، ص ۸۲۷، فواع/ج ۲، ص ۳۳۔ (۴) حاشی/ص ۸۳۔ (۵) نور/ص ۲۰۱۔ (۶) البقرہ/۲۲۸۔ (۷) ترمذی و ابوداؤد۔

(باندی کی طلاق دو طلاق ہے، اور اس کی عدت دو حیض ہے) سے اس کی مراد کو متعین فرمایا کہ اس سے یہاں ”حیض“ مراد ہے، ”طہر“ نہیں۔ (۱)

(ج) بیان تغیر:

۱- تعریف:

سابق کلام کے حکم میں تبدیلی کرنا۔ (۲)

۲- حکم:

اتصال کے ساتھ معتبر ہے، انفصال کے ساتھ نہیں۔ (۳)

۳- امثلہ:

کسی کلام کے بعد شرط یا استثناء یا غایت (یعنی کلام میں مذکور حکم کی حد) کو ذکر کرنا۔ (۴)

شرط جیسے غلام سے ”انت حر“ کہنے کے بعد ”ان دخلت الدار“ (تو آزاد ہے اگر گھر میں داخل ہوا) کہنا۔

استثناء جیسے ”فلان علی ألف درہم“ کہنے کے بعد ”إلا مائة“ (مگر سو) کہنا۔

اگر ”ان دخلت الدار“ اور ”إلا مائة“ کو متصلاً کہا تو شرط و استثناء کا اعتبار ہوگا اور غلام کے گھر میں داخل ہونے کی صورت میں وہ آزاد اور ایک ہزار کی رقم سے سو خارج قرار پائیں گے، ورنہ نہیں۔ (۵)

(۱) نور ص/ ۲۰۱، تفسیر ج ۱، ص/ ۳۶۔ (۲) نکاح ص/ ۸۳۔ (۳) حسانی ص/ ۸۳، نور ص/ ۲۰۲۔ (۴) توحیح ص/ ۳۹۳، قمر ص/ ۲۰۲، تفسیر ج ۱، ص/ ۷۰، ۳۵۔ (۵) (الف) شرط کی صورت میں اگرچہ کلام کا وقوع جس وقت بھی ہو، جب شرط پائی جاتی ہے، عدلاً کلام کا وجود اس وقت مانا جاتا ہے، یعنی شرط کے سامنے آنے پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ متعلق نے اب اس وقت بات کہی ہے، اس لیے حکم شرط کے وجود کے وقت پایا جاتا ہے اور اس کے وجود سے پہلے کلام کو نہنے کے بعد خواہ کتنا ہی مرتبہ گزر جائے اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا، اور یہ سمجھا جاتا ہے، گویا کہ کہنے والے نے کوئی بات نہیں کہی ہے، مثلاً مثال مذکور میں جس وقت دخول دار پایا جائے گا، کلام کا وجود اس وقت مانا جائے گا اور غلام کی آزادی کا فیصلہ کیا جائے گا، اس سے پہلے دخول کے پائے جانے تک خواہ کتنی ہی =

غایت (۱) جیسے ارشاد باری "وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ" (۲)
 (اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو) کہ "لا تقربوهن"
 (عورتوں کے قریب مت جاؤ) کے ساتھ جب "حتیٰ یطهرن" کی قید لگادی تو سابق
 حکم یعنی عورتوں کے قریب نہ جانا، ان کی طہارت کی صورت کے لیے باقی نہیں رہ گیا
 اور طہارت کی حالت میں ان کے قریب (۳) جانا جائز قرار پایا۔
 (د) بیان ضرورت:

۱- تعریف:

ضرورت کی بناء پر غیر کلام کو کلام مذکور کی وضاحت کا ذریعہ بنایا۔

۲- حکم:

چونکہ یہ قسم کلام کے قبیل سے نہیں ہے، اس لیے اس کی بابت اتصال یا
 انفصال کی تفصیل کے بغیر اعتبار و عمل ہوگا۔

= طویل مدت گزر جائے، یہ کلام عدم کلام کے حکم میں ہوگا، حتیٰ کہ شرط کے پائے جانے سے پہلے اگر مالک چاہے
 تو شرط کے بغیر غلام کو آزاد کر سکتا ہے اور اس سے کہہ سکتا ہے کہ تم آزاد ہو، اس کے اس قول پر شرط کلام کوئی اثر نہیں
 کرے گا (حسامی ص/ ۲۳-۲۵، فوائج ج/ ۱، ص/ ۳۲۳-۳۲۴)۔ (ب) استثناء کی صورت میں استثناء کے بعد مستثنیٰ
 منہ یعنی جس لفظ سے استثناء کیا گیا ہے، اس کی جو مقدار بنتی ہے حکماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ حکم نے صرف اسی مقدار کا
 ذکر کیا ہے، مثلاً مثال مذکور میں اصل عدد "الف" (ایک ہزار) ہے، جب اس سے استثناء کے ذریعہ "مدینہ" یعنی
 سو نکال دیئے گئے تو نو سو کی مقدار رہ گئی، حکماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ کہنے والے نے زبان سے "نوسو" کے الفاظ ہی کہے
 ہیں، ایک ہزار کہہ کر سو کو نکالا نہیں ہے (حسامی ص/ ۸۴، نور ص/ ۲۰۴)۔ (ج) تخصیص کا تعلق بیان تغیر سے ہے۔ اسی
 لیے آپ پڑھ چکے ہیں کہ تخصیص کا تخصیص سے متصل ہونا ضروری ہے (تفسیر ج/ ۱، ص/ ۲۸، نور ص/ ۲۰۴)۔

(۱) بیان تغیر کے لیے انھیں تینوں کے ذکر کی قید نہیں بلکہ ہر وہ چیز اس کے تحت آتی ہے، جس کے سابق حکم میں
 قید لگتی ہو اور وہ بدلتا ہو، اس سلسلہ میں صفت کا ذکر توضیح و قمر میں بھی ہے، مزید بدل بعض اور عطف کو بھی اس کے
 تحت ذکر کیا گیا ہے (تفسیر ج/ ۱، ص/ ۳۵ و مرقاة الوصول شرح مائة اصول ج/ ۲، ص/ ۱۲۶-۱۲۷) بدل بعض کی
 مثال "وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا" (آل عمران) اس میں "على الناس" کے بعد
 "من استطاع اِلَيْهِ سَبِيْلًا" نے سابق کے حکم کو بدل دیا اور اس کو اکل استطاعت کے ساتھ خاص کر دیا۔
 (۲) البقرہ/ ۲۲۱۔ (۳) قریب جانے سے یہاں محبت کرنا مراد ہے۔

۳- مثال:

ایسا شخص جو شرعی احکام کے بیان کے حق میں حجت و سند کی حیثیت رکھتا ہے، اور کسی نامناسب قول و فعل کے سامنے یا علم میں آنے پر اس کے لیے زبان کا کھولنا ضروری ہوتا ہے، ایسے شخص کا کسی قول و فعل کے سامنے یا علم میں آنے پر خاموش رہنا کہ اس کی شرعی حیثیت کی بناء پر اس کی یہ خاموشی اس کی جانب سے ”تائید“ شمار ہوتی ہے، اور زبان سے بیان کے حکم میں قرار پاتی ہے، جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کے کسی قول و فعل کے علم میں آنے پر خاموش رہنا، جسے اصطلاح میں ”تقریر“ کہتے ہیں۔ (☆)

(۶۶) ۳- اقسام: بیان ضرورت کی چار ہیں: (الف) متکلم کا حال۔ (ب) سکوت بہ منزله نطق۔ (ج) دھوکہ کا دفعیہ۔ (د) کثرت کلام سے احتراز۔ (الف) متکلم کا حال: اوپر مثال کے تحت جو کچھ ذکر کیا گیا ہے، اس کا تعلق اسی قسم سے ہے (حسامی ص/ ۸۶)۔ (ب) سکوت بہ منزله نطق: ۱- تعریف: کلام میں کسی چیز کی بابت ایک صورت کے ذکر کرنے کے بعد کسی دوسری صورت کو بیان کرنا جس سے کہ تیسری صورت سامنے آئے، جس کا عبارت میں کوئی ذکر نہ ہو۔ ۲- مثال: ”ورثہ أبواہ فلائمہ الثلث“ (النساء/ ۱۱) (اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو ایک تہائی اس کی ماں کا حصہ ہے) اس کے پہلے نکلنے والے ”ورثہ أبواہ“ میں وراثت کی ایک صورت کا ذکر ہے، جس سے بظاہر لڑکے کی میراث میں والدین کی شرکت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن جب ”فلائمہ الثلث“ (ایک تہائی ماں کا حصہ) کے ذریعہ دوسری صورت بیان کی گئی اور تہائی مال کو ماں کے لیے خاص کر دیا گیا تو اس سے ایک تیسری صورت یہ سامنے آئی کہ جو کچھ بچے گا، اس کا وارث باپ ہوگا، حالانکہ اس کا عبارت میں ذکر نہیں ہے، مگر عبارت سے ظاہر ہونے کی بناء پر اسے ”سکوت بہ منزله نطق“ قرار دیا گیا ہے (حسامی ص/ ۸۶)۔ (ج) دھوکہ کا دفعیہ: ۱- تعریف: اپنی ذات سے متعلق کسی معاملہ میں سامنے آنے پر سکوت کو دوسروں کو نقصان سے بچانے کے لیے بیان قرار دینا۔ ۲- مثال: ایک آدمی کو پڑوس کے گھر کے متعلق بچے جانے کا علم ہوتا ہے تو اسے شرنا حق ہے کہ وہ اس معاملہ کو ختم کرا کے خود خرید لے، لیکن اگر علم ہونے پر وہ خاموش رہتا ہے اور پڑوس کا مالک مکان اپنا گھر بیچ دیتا ہے تو بعد میں وہ کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ وقت گزرنے کے بعد کچھ کہنا خریدنے والے کو دھوکہ دینا اور نقصان پہنچانا ہے (حسامی ص/ ۸۶)۔ (د) کثرت کلام سے احتراز: ۱- تعریف: کثرت کلام سے بچنے کے خیال سے اختیار کیے گئے اختصار میں، چھوڑے ہوئے حصے کو ذکر قرار دینا۔ ۲- مثال: کسی شخص کا یوں کہنا ”لزبد علی مائة ودرہم“ (یعنی زید کے مجھ پر ایک سو اور ایک درہم ہے) کہ اس کلام میں کہنے والے نے کثرت کلام سے بچنے کے لیے اختصار کو اختیار کیا ہے اور وہ یوں کہ ”مائے“ عدد کی تیز یعنی معدود (وہ شے جس سے عدد کا تعلق ہوتا ہے) اس کا ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ عدد کے ساتھ معدود کا ذکر ضروری ہے، ورنہ عدد کا ذکر =

(۵) بیان تبدیل:

بیان کی اسی قسم کا دوسرا عنوان ”نسخ“ ہے جو زیادہ معروف و مشہور ہے، حتیٰ کہ بعض حضرات اس کو بیان کی اقسام کے تحت نہیں قرار دیتے، قرآن مجید میں اس کے لیے دونوں عناوین مستعمل ہیں، ”نسخ“ سورہ بقرہ، رکوع ۱۳، آیت ”مَا نُنسَخُ“ الآیة میں اور تبدیل سورہ نحل، رکوع ۱۳، آیت ”وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً“ الآیة (۱) میں اس قسم سے متعلق تفصیلات شہرت و طول کی بنا پر نسخ کے تحت ذکر کی جا رہی ہے۔

= مہمل و بے سود ہوگا، مگر جب اس نے اس کے ساتھ واو عطف کے ذریعہ ”درہم“ کا ذکر کیا تو یہ سمجھا و مانا گیا کہ ”ملئۃ“ (سو کے عدد) کا تعلق درہم سے ہی ہے، اس نے اختصار کی خاطر ”ملئۃ“ کے ساتھ اس کو نہیں ذکر کیا ہے (کشف ج ۳، ص ۸۶۷-۸۷۳، نور ص ۲۰۷، تفسیر ج ۱، ص ۳۹-۴۰) بعض حضرات نے قسم اول کو ”بیان حال“ اور قسم چہارم کو ”بیان عطف“ کے عناوین دے کر ”بیان ضرورت“ سے الگ بیان کسی مستقل اقسام شمار کیا ہے (اصول ص ۷۱، ۷۲-۷۳)۔

(۱) فوآج ج ۲، ص ۵۳، نور ص ۲۸، نظامی ص ۸۷، تفسیر ج ۱، ص ۳۶۔ بعض حضرات اس کو اقسام بیان میں سے نہیں قرار دیتے جیسے شمس الائمہ مرخصی (توضیح ص ۵۱۱)۔

نسخ

۱- تعریف:

(الف) لغوی: ایک شے کو ہٹا کر اس کی جگہ دوسری کو بنانا ولانا (۱)، یعنی لفظ ”نسخ“ کے لغوی معنی کے دو جز ہیں:

۱- ہٹانا و مٹانا اور ۲- بنانا ولانا، کبھی دونوں مفہوم ادا کرتا ہے اور کبھی کوئی ایک یعنی صرف مٹانا و ختم کرنا، یا صرف بنانا۔

(ب) اصطلاحی: سابق حکم شرعی کو بعد کی کسی شرعی دلیل کے ذریعہ ختم کر دینا۔ (۲)

۲- نسخ کی حقیقت:

نسخ کے تحت حکم کی تبدیلی صرف بندوں کے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہمیشہ سے یہ بات ہے کہ کون سا حکم کس وقت تک کے لیے ہے، اس وقت کے آنے پر اس حکم کو ختم کر دیا جاتا ہے، جیسے کہ طبیب مریض کے مرض کی تشخیص کے ساتھ اس کے آخری حالات تک کی دوائیں تجویز کر لیتا ہے، مگر مریض کو بتدریج دوائیں بتاتا جاتا ہے، تو مریض یہ سمجھتا ہے کہ دوائیں بدل رہا ہے، حالانکہ وہ ہر ایک کے استعمال کا وقت ختم ہونے پر اس کے استعمال سے روکتا ہے۔

۳- حکمت نسخ:

زمانہ کے ساتھ ساتھ بندوں کے مصالح و تقاضے بدلتے رہتے ہیں، اور تمام

(۱) توضیح ص/۵۱۱، نظامی ص/۸۷۔ (۲) توضیح ص/۵۱۱، فوائج ج/۲، ص/۵۳، تفسیر ج/۱، ص/۳۶۔

احکام شرع کی بنیاد بندوں کے مصالح پر ہے، یہ ایک اہم وجہ ہے۔ (۱)
۴- وقت نسخ:

نزول وحی کا زمانہ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی۔ (۲)
۵- محل نسخ:

فروعی احکام ہیں، یعنی اصول دین و عقائد وغیرہ میں نسخ نہیں ہوتا۔
۶- ارکان نسخ:

دو ہیں: (الف) ناسخ۔ (ب) منسوخ۔
(الف) ناسخ:

بعد کا حکم یا دلیل جس سے سابق حکم کو ختم کیا جائے۔
(ب) منسوخ:

سابق حکم جسے ختم کیا جائے، ناسخ و منسوخ کا قول ہونا ضروری نہیں ہے، فعل
بھی ناسخ و منسوخ ہوتا ہے۔ (۳)
۷- شرائط نسخ:

۱- منسوخ حکم شرعی ہو۔ ۲- فروعات میں سے ہو۔ ۳- منسوخ مشروعیت و
عدم مشروعیت دونوں کو محتمل ہو، کوئی ایک اس کے حق میں متعین نہ ہو، جیسے کہ ایمان
کے لیے مشروعیت اور کفر کے لیے عدم مشروعیت متعین ہے۔ ۴- نسخ کی کوئی دلیل
موجود ہو، قوی یا فعلی۔ ۵- ناسخ منسوخ سے علاحدہ و مؤخر ہو۔ ۶- ناسخ و منسوخ دونوں
قوت میں ہم پلہ ہوں یا ناسخ اقویٰ ہو۔ ۷- ہر ایک مقتضی مختلف ہو۔ ۸- منسوخ مکلف
سے ظلم میں آچکا ہو، خواہ عمل کی نوبت آئی ہو یا نہیں اور عمل خواہ کسی فرد نے کیا ہو یا

(۱) فروع ن ۲، ص ۵۵، توضیح ص ۵۱۱-۵۱۲، نورس ۲۰۸۔ (۲) فروع ن ۲، ص ۸۱، توضیح ص ۵۱۳۔

(۳) رشامس ۱۹۲، ۱۹۳، فروع ن ۲، ص ۵۳۔

جماعت نے۔ (۹) منسوخ مقید بالوقت نہ ہو، یعنی اس کے ساتھ کسی وقت کی قید نہ لگی ہو۔ (۱۰) مؤبد یعنی ہمیشہ کے لیے نہ ہو، خواہ صراحتاً کہ ہمیشگی پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ عبارت میں موجود ہو یا دلالت جیسے وہ تمام احکام جن کو کسی حال پر چھوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات فرمائی ہے۔ (۱)

۸- حکم نسخ: (☆)

سابق حکم کا ختم ہو جانا (۲) اور اس کی جگہ بعد کے حکم پر عمل کرنا۔

۹- منسوخ کا بدل:

ضروری نہیں کہ حکم منسوخ کی جگہ کوئی دوسرا حکم ضرور تجویز کیا جائے، عام طور

سے جو حکم منسوخ ہوتا ہے، اس کی جگہ کوئی دوسرا حکم لیتا ہے۔ (۳)

(☆) نسخ و تخصیص میں فرق: کئی وجوہ سے ہے حتیٰ کہ بعض نے ہیں وجوہ ذکر کی ہیں، چند حسب ذیل ہیں: اول نسخ کی حقیقت ہے، لفظ کی مراد سے متعلق سابق حکم کو ختم کرنا، اور تخصیص نام ہے اس تصریح کا کہ "فرد مخصوص" عام لفظ سے مراد نہیں یعنی عام کے تحت داخل نہیں۔ دوم نسخ کا تعلق عام و خاص دونوں سے ہوتا ہے اور تخصیص عام ہی کے ساتھ خاص ہے۔ سوم دلیل نسخ منسوخ سے مؤخر ہوتی ہے اور دلیل تخصیص کا عام مخصوص سے متصل ہونا ضروری ہے۔ چہارم دلیل نسخ کا نطفی ہونا ضروری ہے یعنی نسخ قرآن یا حدیث کی ہی کوئی دلیل ہو سکتی ہے اور تخصیص کے لیے تخصیص کا منقول ہونا ضروری نہیں ہے، عقل و عرف اور اجماع وغیرہ کے ذریعہ بھی تخصیص ہو سکتی ہے۔ پنجم قرآنی آیت اور حدیث متواتر کے نسخ کے لیے اسی درجہ کی دلیل ضروری ہے اور ان کی تخصیص کم درجہ کے دلائل سے بھی ہو سکتی ہے۔ ششم نسخ صرف احکام کے حق میں ہوتا ہے اور تخصیص احکام و اخبار دونوں کے حق میں ہوتی ہے (ارشاد ص/ ۱۳۲-۱۳۳، تفسیر ج/ ۲، ص/ ۸۳، المدخل ص/ ۲۱۰، ۱۹۹، کشف ج/ ۳، ص/ ۱۹۸)۔

(۱) نواسخ ج/ ۲، ص/ ۶۷، ۶۸، توضیح ص/ ۵۱۱-۵۱۳، حسامی ص/ ۸۷-۸۸، نور ص/ ۲۰۸-۲۰۹۔ (۲) سابق حکم اگر واجب رہا ہو تو نسخ کے بعد اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں: (الف) وجوب کے ساتھ نفس جواز بھی منسوخ ہو جائے جبکہ اس کے کرنے سے پورے طور پر روک دیا گیا ہو، جیسے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنا۔ (ب) وجوب منسوخ ہو مگر نفس جواز باقی رہے جبکہ اس کے کرنے سے پورے طور پر نہ روکا جائے بس اس کی جگہ دوسرا حکم آجائے جیسے جنگ میں ایک مسلمان کا دو سے زائد کفار کے مقابلہ میں لڑنا، جتنا واجب تو نہیں۔ لیکن جائز ضرور ہے۔ (ج) نفس جواز کے ساتھ استحباب بھی باقی ہو جبکہ استحباب کی کوئی دلیل موجود ہو، جیسے ماشورہ کا روزہ۔ فریضت کے نسخ کے بعد دلیل کی وجہ سے جائز بھی ہے اور مستحب بھی۔ (۳) سابق حکم کی جگہ جو حکم آتا ہے اس کی تین حالتیں ہوتی ہیں: (الف) سابق حکم سے ہلکا ہو جیسے ایک مسلمان کا دس کافروں کے مقابلہ میں =

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صرف سابق حکم کو ختم کر دیا جاتا ہے، جیسے حکم دیا گیا تھا کہ اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تنہائی میں بات کرنا چاہے تو پہلے کچھ صدقہ پیش کرے، مگر اس کو بغیر کسی بدل کے منسوخ کر دیا گیا۔

۱۰۔ صورتیں:

یعنی نسخ کی صورتیں چار ہیں:

(الف) قرآن مجید کا نسخ قرآن سے۔ (ب) قرآن کا نسخ حدیث سے۔
(ج) حدیث کا نسخ قرآن سے۔ (د) حدیث کا نسخ حدیث سے۔

(الف) قرآن مجید کا نسخ قرآن سے: جیسے وہ عورت جس کے شوہر کا انتقال ہو جائے، اس کی عدت کی مدت کا پہلے سال بھر ہونا، پھر چار مہینہ دس دن ہونا، دونوں سورہ بقرہ میں مذکور ہیں۔

(ب) قرآن مجید کا نسخ حدیث سے: جیسے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجودہ بیویوں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے نکاح کی حرمت کا بیان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک روایت میں اس کے بعد اس کی حلت کا بتانا۔

(ج) حدیث کا نسخ قرآن مجید سے: بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے تھا، جو ”سبقول“ کی ابتدائی آیات سے ختم ہو گیا۔

(د) حدیث کا نسخ حدیث سے: جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قبور کی زیارت سے روکنا اور بعد میں اجازت دینا۔

☆ البتہ یہ ذہن نشین رہے کہ قرآن مجید کے کسی حکم کا حدیث سے نسخ اسی وقت جائز ہے جبکہ وہ حدیث ثبوت میں قرآن کے ہم پلہ ہو، یعنی متواتر یا مشہور ہو

= جے رہنے کی جگہ دو کے مقابلہ میں جے رہنے کا حکم۔ (ب) سابق حکم کے برابر ہو جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کی جانب رخ کرنے کا حکم۔ (ج) سابق حکم سے سخت ہو جیسے کافروں سے جنگ نہ کرنے کی جگہ ان سے جنگ کرنے کا حکم۔ (نوائج ج/۲، ص/۶۹-۷۱، توضیح ص/۵۱۷، نظامی ص/۸۹۔

(جن کی تعریفات ”سنت“ کے تحت آ رہی ہیں) نیز جو حدیث قرآن کریم کے ہم پلہ ہو اس کا نسخ قرآن یا اسی درجہ کی ہی حدیث سے جائز ہے، عام احادیث جن کو ”اخبار آحاد“ کہا جاتا ہے، ان سے اس کا نسخ نہیں ہو سکتا، ہاں وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے نسخ ہو سکتی ہیں، جیسے کہ قرآن و حدیث متواتر و مشہور سے ان کا نسخ ہو سکتا ہے۔ (۱)

۱۱- اقسام منسوخ: چار ہیں:

(الف) حکم و تلاوت دونوں منسوخ ہوں:

جیسے روایات میں آیا ہے کہ سورہ احزاب سورہ بقرہ کے برابر تھی مگر اس کا اکثر حصہ اٹھالیا گیا۔

(ب) حکم منسوخ ہو، تلاوت منسوخ نہ ہو:

جیسے سال بھر کی عدت والی آیت بلکہ تمام وہ آیات منسوخہ جو قرآن مجید میں موجود ہیں کہ ان کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، مگر تلاوت جاری ہے۔

(ج) تلاوت منسوخ ہو، حکم منسوخ نہ ہو:

جیسے مشہور قول کے مطابق زنا کی سزا رجم کو بتانے والی آیت کہ اس کی تلاوت منسوخ ہے مگر حکم برقرار ہے۔

(د) حکم کا کوئی وصف منسوخ ہو: (☆)

جیسے پیروں میں نضین پہننے کی حالت میں پیروں کو دھلنے کی جگہ نضین پر مسح

کا حکم۔ (۲)

(☆) اس صورت کو ”نفس کے معنی و مفہوم پر یاد دہانی“ کے عنوان سے بھی تعبیر کرتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ نفس قرآنی کے حکم پر کسی قید یا شرط کا اضافہ کر دیا جائے، احناف کے نزدیک یہ اس وقت جائز ہے جبکہ کوئی حدیث متواتر یا مشہور اس قید و شرط کے اضافہ پر دلالت کرے جیسے کہ مثال مذکور میں مسح کا حکم حدیث متواتر کی وجہ سے ہے۔ (نور میں ۲۱۲، نوائح ج ۲، ص ۵۲ و حسنی ص ۹۰)۔ (۱) نوائح ج ۲، ص ۷۶-۷۸۔ توضیح ص ۵۱۷۔ (۲) نوائح ج ۲، ص ۷۳-۷۴، توضیح ص ۵۱۷، نور ص ۲۱۱-۲۱۲، قر ص ۲۰۹۔

۱۲- ناسخ کو جاننے کے ذرائع: چھ ہیں:

(الف) ایسے الفاظ جو ایک حکم سے متعلق دو آیات میں سے ایک کے دوسرے پر تقدم کو بتائیں۔ جیسے ”الآن خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ“ (۱) (اب خدا نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا) کے بعد فرمانا کہ اب دو کافروں کے مقابلہ میں ایک مسلمان کا جمننا ضروری ہے، دس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری نہیں ہے۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ مثلاً ”میں نے تم کو زیارت قبور سے روکا تھا، سنو کہ قبروں کی زیارت کیا کرو۔“

(ج) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ماعز کو رجم کرنے کے ساتھ کوڑے نہ لگانا، یہ فرمانے کے بعد کہ رجم کے ساتھ کوڑے بھی لگیں گے۔

(د) کسی حدیث کے خلاف صحابہ کا قولی یا عملی اجماع و اتفاق کہ یہ چیز ان کے حق میں دوسری ناسخ روایت کے علم کی دلیل ہوتی ہے۔

(ه) صحابی کا بیان کہ فلاں روایت و حکم پہلے کا اور فلاں بعد کا ہے۔

(و) دو حکموں میں سے ایک حکم کا عادت کے مطابق اور ایک کا شرعی ہونا،

تو شرعی ناسخ قرار پائے گا۔ (۲)

۱۳- آیات منسوخہ:

اہل توسع نے تو بہت بڑی تعداد ذکر کی ہے، بعض اکابر محققین مثلاً قاضی ابن عربی مالکی و جلال الدین سیوطی نے بیس اکیس آیات منسوخ بتائی ہیں، اور شاہ ولی اللہ دہلوی نے صرف پانچ آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ (۳)

(۱) الانفال/۶۶۔ (۲) فوج/ج/۲/ص/۹۵، ارشاد ص/۱۹۲، ۱۹۷۔ (۳) الاطلاق ج/۲/ص/۲۲-۲۳،

الفوز الکبیر ص/۱۹-۲۲۔

اصل دوم

سنت

۱- تعریف:

(الف) لغوی: طریقہ و عادت (۱) و بیان۔ (۲)
 (ب) اصطلاحی: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور سکوتی تائیدات۔ یعنی کسی چیز کے سامنے یا علم میں آنے پر خاموشی اختیار فرما کر اس کی تائید جسے اصطلاح میں ”تقریر“ کہتے ہیں۔
 ☆ سنت کے لیے دوسری معروف تعبیر ”حدیث“ ہے، نیز خبر، اثر اور روایت کے الفاظ سے بھی اس کو ذکر کرتے ہیں، لیکن اصطلاحی طور پر فقہاء کے لفظ ”سنت“ ہی استعمال ہوتا ہے۔ (۳)

۲- سنت کی حیثیت و اہمیت:

سنت حقیقتاً قرآن مجید کا بیان و توضیح ہے، جیسا کہ خود قرآن مجید میں متعدد

(۱) فوارح ج/۲، ص/۹۶، توضیح ص/۳۶۱۔ (۲) المدخل ص/۳۲۔ (۳) فوارح ج/۲، ص/۹۷، نظامی ص/۶۶، نور و قمر ص/۱۷۵، توضیح ص/۳۶۱، شرح نزہۃ القاری ص/۱۶، تدریب ج/۱، ص/۳۲-۳۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب منقول امور کے لیے کیا کیا تعبیرات ہو سکتی ہیں ان کی بابت کچھ اختلاف بھی ہے، نیز یہ کہ مذکورہ تین امور کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ”جسمانی احوال و اخلاق“ بھی حدیث کے تحت نقل کیے جاتے ہیں، جبکہ فقہاء کے یہاں مذکورہ تین امور ہی زیر بحث آتے ہیں، اس لیے کہ ”تشریح“ یعنی حلت و حرمت کے بیان کا ثبوت انہیں تینوں سے متعلق ہے، اور لغوی و شرعی معنی کی رو سے بالخصوص ان تین امور کے لیے لفظ ”سنت“ کا اطلاق جیسا کہ فقہاء کا استعمال بھی ہے، زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ الاسعدی۔

مواقع پر فرمایا گیا ہے، مثلاً ارشاد ہے: "وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ" (۱) (اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ آپ ظاہر کر دیں لوگوں پر ان کے مضامین کو جو ان کے لیے بھیجے گئے ہیں)۔

اور یہ توضیح بھی اپنی رائے سے نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ کی جانب سے دل میں القاء کے ذریعہ۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" (۲) (اپنی نفسانی خواہش سے بات نہیں کرتے، ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی گئی)۔

اور قرآن کریم کی متعدد آیات میں "الكتاب" کے ساتھ "الحكمة" کا جو لفظ آیا ہے، محققین نے اس کا مصداق "سنت نبویہ" کو ہی قرار دیا ہے۔ (۳) اور خود حدیث میں آیا ہے: "مجھے قرآن کے ساتھ اس کی مانند ایک دوسری چیز بھی عطا کی گئی ہے۔" (۴) ظاہر ہے وہ آپ کی سنت ہی ہے، اسی نسبت کی بناء پر آپ کا حکم اللہ کے حکم سے الگ و علاحدہ کوئی چیز نہیں، ارشاد خداوندی ہے: "مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ" (۵) (جو شخص رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کرے گا تو اس نے خدا کی فرماں برداری کی) اور ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ اشیاء بھی اللہ کی حرام کردہ چیزوں کی طرح ہیں۔ (۶)

۳۔ سنت کی حجیت:

یعنی احکام شرع کے لیے دلیل بننے کے لائق ہونا، یہ چیز پھلی دفعہ کے تحت ذکر کردہ تفصیلات سے ظاہر ہے، اور مزید یہ کہ قرآن کریم میں متعدد مواقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا ہی مراد ہے۔ (۷)

(۱) اطل ۲۴۔ (۲) انجم ۳۔ (۳) ابن شیح ج ۱ ص ۱۶۲، شیخ ج ۱ ص ۷۵۔ (۴) ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۲۵

(۵) النساء ۸۔ (۶) ابوداؤد، مشکوٰۃ ص ۲۹۔ (۷) رد ج ۵ ص ۶۷، الکافی ج ۳ ص ۲۱۱۔

اور ایک موقع پر صاف صاف یوں فرمایا گیا ہے: ”مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ (۱) (اور رسول تم کو جو دیں اسے لے لو اور جس سے روک دیں رک جایا کرو)۔ اس کے تحت آپ کے اقوال و افعال اور تقریرات و تائیدات سب داخل ہیں، خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے، اس میں آپ کا یہ ارشاد بہت مشہور ہے:

”میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، تم جب تک ان دونوں کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے، ایک اللہ کی کتاب، دوسری چیز اس کے رسول کی سنت۔“ (۲)

۴- بذریعہ سنت توضیح قرآن کی اصولی صورتیں:

(الف) قرآن کی کسی اصل یا کلیہ پر تفریح۔ جیسے آیت ”لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ“ (۳) (ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ) کے تحت خرید و فروخت کی بہت سی صورتوں کی آپ کی زبان سے ممانعت۔

(ب) قرآن کے کسی کلیہ یا مجمل حکم تفصیل مثلاً نماز و زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیلات پر مشتمل احادیث۔

(ج) قرآنی قواعد اور پیش آمدہ جزئی واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی قاعدہ کی وضع و تشکیل مثلاً ارشاد نبوی ”لا ضرر ولا ضرار فی الإسلام“ (۴) یعنی نہ خود سے پہل کر کے کسی کو نقصان پہنچانا اسلام میں درست ہے اور نہ دوسرے کی کسی حرکت پر جو ابی اقدام میں نقصان پہنچانا جائز ہے (۵)۔ جس کی حیثیت ایک اصل و قاعدہ کی ہے، اور یہ ان بہت سی آیات پر مبنی ہے، جن میں کسی صورت میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔ (۶)

(۱) احشہ/۔۔ (۲) مؤطا مالک، مشکوٰۃ ص/۳۱۔ (۳) النساء، ۲۹/۔ (۴) مؤطا مالک۔ (۵) الاشیاء والنظار ص/۸۵، قواعد الفقہ ص/۳۵۸۔ (۶) المدخل ص/۳۳، السنۃ ومکانہا فی التشریح الاسلامی ص/۳۸۶-۳۹۱۔

۵- ثبوت سنت کی صورتیں:

یعنی سنت نبویہ کو بیان کرنے و جاننے کے الفاظ و صورتیں جو حضرات صحابہ سے منقول ہیں:

(الف) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کے سننے یا آپ کے کسی عمل کو دیکھنے یا راوی سے کسی بات کے بیان کرنے کے صریح الفاظ۔

(ب) وہ الفاظ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے اور نہ سننے دونوں کا احتمال ہو، البتہ قرآن سے تعین ممکن ہو۔

(ج) صحابی کا کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کام کے کرنے کا حکم فرمایا اس سے منع فرمایا۔

(د) صحابی کا یوں کہنا ”ہم کو حکم دیا“ یا ”ہم کو منع کیا“ اس تصریح کے بغیر کہ کس نے حکم دیا، اس لیے کہ بظاہر یہ عمل آپ کا ہی ہو سکتا ہے۔

(ه) صحابی کا کہنا ”من السنة کذا“ یعنی فلاں کام سنت ہے۔

(و) صحابی کا یہ فرمانا کہ ”ہم لوگ“ یا ”یہ لوگ“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

عہد میں یہ کام کیا کرتے تھے۔ (۱)

۶- مقبولیت سنت کی بعض صورتیں:

(الف) ناقل صحابی ہو خواہ فقیہ ہو یا غیر فقیہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا۔

(ب) راوی غیر معروف ہو یعنی یہ کہ اس سے ایک ہی دو روایات منقول

ہوں، مگر علماء نے اس کو معتبر قرار دیا ہو، یا کوئی مذمت نہ بیان کی ہو، یا اختلاف کے باوجود معتبر لوگ اس کی روایت کو نقل کرتے ہوں۔

(ج) راوی کا حال بالکل مخفی ہو کہ اچھے برے کا کچھ پتہ نہ چلتا ہو، علماء نے

نہ تو توثیق کی ہو اور نہ نکیر۔

۷۔ غیر مقبول ہونے کی چند صورتیں:

(الف) بچہ، مجنون، مغلوب العقل، اور جس شخص سے اکثر غفلت کی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہوں، جس شخص پر علماء نے باعتبار کردار نکیر کی ہو، اور فاسق و کافر اور وہ شخص جو خلاف سنت کسی کام کی دعوت دینے والا یا اس کا موجد ہو، ان لوگوں کی نقل معتبر نہیں ہے۔

(ب) اگر ایک سنت کے ناقل سے ہی تو لایا فعلاً اس کی مخالفت منقول ہو یا فقہاء و صحابہ و ائمہ فقہ و حدیث سے کسی ایسی حدیث کی مخالفت ثابت ہو کہ اسے باعتبار مضمون معروف اور عام طور سے معمول بہ ہونا چاہیے۔

یا کوئی شیخ اپنی جانب منسوب کسی روایت کا قطعی انکار کر دے تو روایت لائق عمل نہ رہ جائے گی، اول صورت میں نسخ پر دوم میں عدم ثبوت و عدم صحت پر اور سوم میں رجوع پر محمول ہوگی۔ (۱)

۸۔ اجزاء سنت باعتبار نقل:

دو ہیں: (الف) سند۔ (ب) متن۔

(الف) سند:

ناقلین کے ناموں والا حصہ، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو، جمع ”اسناد“ آتی ہے، اور ناقل کے ذکر کے ساتھ سنت کے بیان کرنے کو ”اسناد“ اور بیان کرنے والے کو ”مسند“ کہتے ہیں اور ناقلین کے نام کے ذکر کے ساتھ بیان کی جانے والی حدیث کو ”مسند“ کہتے ہیں، اور محدثین عموماً حدیث مرفوع متصل کو ”مسند“ کہتے ہیں۔ (۲)

(۱) فوائج ج/۲، بحث السنن ص/۱۳۰-۱۸۰، توضیح ص/۳۶۸، حسامی و نظامی ص/۷۱-۷۷، نور ص/۱۷۸-۱۸۴۔
یہ مقبولیت سنت و مردودیت کی چند صورتیں ہیں، تفصیلات اصول حدیث کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔
(۲) مرفوع: وہ حدیث جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو۔ متصل: جس کی سند پوری مذکور ہو۔

(ب) متن:

جمع متون، اصل مضمون (۱) خواہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کا تذکرہ ہو یا تقریر کا۔

(ج) سنت کے ناقل کو ”راوی“ کہتے ہیں، جس کی جمع ”رواۃ“ آتی ہے، جیسے کہ سنت منقولہ کو ”روایت“ اور ”مروی“ کہہ دیا کرتے ہیں۔

۹- اقسام سنت باعتبار سند:

سند کے اعتبار سے سنت کی دو اقسام ہیں: (الف) مند۔ (ب) مرسل۔

(الف) مند:

۱- تعریف:

وہ سند جس کے سلسلہ ناقلین میں سے کوئی غیر مذکور نہ ہو (۲)، یعنی سلسلہ وار اس کے تمام ناقلین کا نام بوقت نقل ذکر کیا جائے۔

۲- اقسام:

تین ہیں: (الف) متواتر۔ (ب) مشہور۔ (ج) خبر واحد۔

(الف) متواتر:

۱- تعریف:

(لغوی) پے در پے اور یکے بعد دیگرے ہونے والی یا آنے والی شے۔

(اصطلاحی) ایسی حدیث کہ جس کے راوی سند کے ہر طبقے میں اتنے ہوں

کہ عقل و عادت اس حدیث کو سچ ماننے پر مجبور ہوں یا یوں کہیے کہ عقل و عادت جھوٹ

پر ان کے اتفاق کو محال قرار دیں۔ (۳)

(۱) تیسرے تصحیح الحدیث ص/ ۱۵۔ (۲) توضیح ص/ ۴۷۔ (۳) تیسرے ص/ ۱۸، اصول ص/ ۷۶۔ عام اصولین نے تعریف میں جن قیود کا اضافہ کیا ہے مثلاً اختلاف اوطان اور عدالت وغیرہ، محققین کے نزدیک ان کا اعتبار نہیں ہے (عمدہ ص/ ۷۶، دیگر کتب اصول)۔

۲- شرائط:

چار ہیں: (الف) کثرت سے رُوَاة یعنی راویوں کا زائد سے زائد تعداد میں ہونا جس کے متعلق اس پر اتفاق ہے کہ تین سے زائد ہوں اور کم از کم عدد کی بابت اختلاف ہے اور بہتر یہ سمجھا گیا ہے کہ جس تعداد پر اطمینان ہو جائے۔

(ب) یہ کثرت شروع طبقہ سے لے کر اخیر تک ہر طبقہ میں ہو، یعنی کسی طبقہ میں راوی تین سے کم نہ ہوں۔

(ج) رُوَاة کی تعداد و حالات کے پیش نظر عقل و عادت جھوٹ پران کے اتفاق کو محال قرار دیں۔

(د) روایت کا مضمون کوئی حسی چیز ہو، یعنی دیکھا و سنا جانے والا امر ہو، عقلی و قیاسی امر نہ ہو۔ (۱)

۳- حکم:

آیات قرآنیہ کی مانند ثبوت میں قطعی، اس سے ثابت ہونے والا حکم قطعی و یقینی اور بدیہی یعنی ایسا کہ ہر ایک اس کو مانتا ہے اور انکار کفر اور اس کے ذریعہ آیات قرآنیہ کے مضامین پر اضافہ جائز ہے۔ (۲)

۴- امثلہ:

(الف) ”من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار“ (جو شخص میرے حق میں قصداً جھوٹ بولے، وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنا لے)۔ اس کو ۷۰ سے زیادہ صحابہ نے نقل کیا ہے۔

(ب) نضین پر مسح کی روایات ۷۰ کے قریب صحابہ سے منقول ہے۔

(ج) حوض کوثر سے متعلق حدیث پچاس سے زائد صحابہ سے منقول ہے۔ (۳)

(۱) نزہۃ النظر ص/ ۲۱۔ (۲) فوائج ج/ ۲، ص/ ۱۱۳، حاشی و نظامی ص/ ۶۸-۶۹، اصول ص/ ۷۴۔

(۳) تدریب ج/ ۲، ص/ ۷۷-۷۹۔

(ب) مشہور:

۱- تعریف:

وہ سنت جس کے راوی عہد صحابہ میں تو اتر کی حد کو نہ پہنچیں اور اس کے بعد حد تو اتر تک پہنچ جائیں۔

۲- حکم:

قوت و قطعیت میں ”متواتر“ سے کچھ ہی کم ہوتی ہے، اس لیے اس سے حاصل ہونے والا علم لائق اطمینان ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ قرآنی احکامات و مفہومات پر زیادتی جائز ہوتی ہے اور انکار گمراہی ہے۔ (۱)

۳- مثال:

مطلقہ ثلاثہ کے لیے زوج اول کے حق میں حلال ہونے کی بابت نکاح ثانی کے ساتھ جماع و صحبت کی قید کو بتانے والی حدیث مشہور ہے (۲)، اس لیے جماع کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور نکاح ثانی کا تذکرہ آیت ”فبان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ“ (۳) (پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق عورت کو دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے اس پر حلال نہ ہوگی) میں ہے اور بہت سے حضرات آیت ہی سے جماع کے ثبوت پر بھی استدلال کرتے ہیں۔ (۴)

(ج) خبر واحد:

۱- تعریف:

وہ سنت جس کے ناقل ایک ہی دو یا چند ہوں مگر وہ مشہور کی حد کو نہ پہنچے۔

(۱) نواع ج ۲/ص ۱۱۱-۱۱۲، حاسی و نظامی ص ۶۹-۷۰، اصول ص ۷۳۔ (۲) نواع ج ۲/ص ۱۱۳۔

(۳) البقرہ ۲۳۰۔ (۴) روح المعانی ج ۲/ص ۱۳۱۔

☆ خواہ اس وجہ سے کہ اس کے ناقلین کی تعداد ہر زمانے میں کم رہی ہو یا حضرات صحابہ و تابعین کے عہد میں ان کی تعداد کم ہو اور بعد میں زیادہ، یا عہد صحابہ میں ان کی تعداد زیادہ ہو اور بعد میں کم ہو گئی ہو۔

۲- حکم:

چند شرائط کے ساتھ اعتبار و احتجاج کے لائق، گمان غالب کی موجب اور واجب ائمل ہوتی ہے۔ (۱)

۳- مثال:

زیادہ تراحدیث نبویہ اسی قسم کی ہیں۔

۴- خبر واحد پر عمل کے شرائط:

حدیث کی مقبولیت و مردودیت کے تحت جو امور مذکور ہیں، وہ دراصل ”خبر واحد“ کے لیے ہی شرائط کی حیثیت رکھتے ہیں، اگرچہ ان کا لحاظ دوسری اقسام کے حق میں بھی کیا جاتا ہے۔

اصولی طور پر وہ آٹھ امور ہیں: چار راوی کے حق میں، اور چار روایت کے حق میں۔

(الف) راوی کے حق میں یہ کہ: ۱- مسلمان ہو۔ ۲- عاقل و بالغ ہو۔ ۳- عادل ہو۔ ۴- ضابط ہو۔ عادل سے مراد ہے کہ پرہیزگار بھی ہو اور وضعدار و باوقار بھی، اور ضابط سے یہ کہ اچھی طرح سنا ہو، پورے طور پر متکلم کی غرض کو سمجھا ہو، اور سننے کے بعد ذہن یا تحریر میں اس کی حفاظت کا پورا اہتمام کرتے ہوئے دوسروں تک پہنچایا ہو۔

(ب) روایت کے حق میں یہ کہ: ۱- قرآن کے مخالف نہ ہو۔ ۲- کسی حدیث

(۱) فوائج ج/۲، ص/۱۳۱-۱۳۲، توضیح ص/۴۶۶، حسامی و نظامی ص/۷۰-۷۱، ۷۶، نور ص/۱۷۷-۱۷۸، ۱۸۱،

متواتر و مشہور کے مخالف نہ ہو۔ ۳۔ کسی ایسے مسئلہ کی بابت نہ ہو جس سے عوام و خواص سب کو سابقہ پڑتا ہو اور حالات کا تقاضا یہ ہو کہ وہ سب کے علم میں ہو۔ ۴۔ صحابہ نے باہمی اختلافات میں اس سے استدلال کیا ہو۔ (۱)

۵۔ مسند کی اقسام مذکورہ اور حضرات صحابہ:

”مسند“ کی مذکورہ اقسام و احکام غیر صحابہ کے لیے ہیں، نیز ان صحابہ کے لیے جو موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود نہ رہے ہوں، اور جن حضرات نے خود کسی امر کو دیکھا یا سنا اور موقع پر موجود رہے، ان کے حق میں ہر حدیث ”دلیل قطعی“ کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے کہ جب وہ خود موقع پر موجود رہے تو ان کے نزدیک ثبوت کی بابت کوئی شبہ و تردد نہیں رہا، دوسروں تک بالواسطہ پہنچنے کی وجہ سے اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے اور سمجھی جاتی رہی ہے۔ (۲)

۶۔ اقسام مذکورہ اور شریعت کے احکام:

(الف) متواتر اور مشہور سے ہر قسم کے احکام ثابت ہوتے ہیں، جیسا کہ ان کے احکام سے ظاہر ہے۔

(ب) ”خبر واحد“ چونکہ گمان غالب کا فائدہ دیتی ہیں، اس لیے ان سے ان بنیادی اصول و اعتقادات کا ثبوت نہیں ہوتا، جن پر ایمان و کفر کا مدار ہے، البتہ ان سے متعلق و تفصیل کہ جن کے نہ ماننے پر بدعت اور مخالفت سنت کا حکم لگتا ہے، ان کا ثبوت ہوتا ہے جیسے کہ دیگر احکام کا ثبوت ہوتا ہے، حتیٰ کہ شرعی سزاؤں کا ثبوت بھی مانا جاتا ہے۔ (۳)

(ب) مرسل: (یعنی سند کے اعتبار سے سنت کی قسم دوم)

(۱) فوائج ج/۲، بحث النہ مثلاً ص/۱۲۶، ۱۲۸، ۱۲۸، ۱۳۲، ۱۳۳، توضیح ص ۲۷۳-۲۷۴، ۴۸۰، نور، ص/۱۸۶-۱۸۷، حسانی و نظامی ص/۷۰-۷۱۔ (۲) فوائج ج/۲، ص ۱۰۰، توضیح ص ۳۹۵۔ (۳) فوائج ج/۲، ص/۱۳۶-۱۳۷، توضیح ص/۴۶۶، ۴۶۸، ۴۸۲، نور ص/۱۸۶۔

۱- تعریف:

(الف) لغوی: چھوڑا ہوا۔

(ب) اصطلاحی: وہ سنت جس کے سلسلہ ناقلین میں سے بعض کو چھوڑ دیا گیا ہو (۱)، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی ہو اور خواہ درمیان سے چھوڑا گیا ہو یا شروع و آخر سے۔

۲- اقسام:

(الف) مرسل صحابی۔ (ب) مرسل تابعی۔ (ج) مرسل تبع تابعی۔
(د) مرسل غیر۔

(الف) مرسل صحابی:

۱- تعریف:

وہ سنت جس کے ناقل صحابی نے اپنے استاذ صحابی کا نام ذکر نہ کیا ہو۔

۲- حکم:

یہ براہ راست سننے و مشاہدہ کرنے والے صحابی کی نقل کردہ سنت کے درجہ میں معتبر و لائق عمل ہوتی ہے۔

(ب) مرسل تابعی:

۱- تعریف:

وہ سنت جس کے ناقل تابعی نے اپنے استاذ صحابی کا ذکر نہ کیا ہو۔

(۱) توضیح ص ۴۷۴/۴۔ محدثین کے نزدیک ”مرسل“ وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند میں تابعی کے بعد کے راوی مذکور نہ ہوں، یعنی اس کو روایت کرنے والے صحابہ کا سند میں تذکرہ نہ ہو، جیسے کہ محدثین کے نزدیک ہر وہ حدیث جو حد تو اتر کو نہ پہنچے ”خبر واحد“ کہلاتی ہے، پھر اگر اس کے راوی کسی طبقہ میں بھی تین سے کم نہ ہوں تو ”مشہور“ اصطلاحی اور اگر دو سے کم نہ ہو تو ”عزیز“ کہلاتی ہے اور اگر کسی ایک طبقہ میں بھی صرف ایک راوی ہو تو اسے ”غریب و فرد“ کہتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو: نزہۃ النظر، تیسیر مصطلح الحدیث اور احقر کی کتاب علوم الحدیث)۔

(ج) مرسل تبع تابعی:

۱- تعریف:

وہ سنت جس کو نقل کرنے والے تبع تابعی نے اپنے استاذ تابعی یا استاذ کے استاذ صحابی کا نام نہ لیا ہو۔

۲- حکم:

ان دونوں اقسام کا یہ ہے کہ لائق عمل و معتبر ہوتی ہیں، حتیٰ کہ بعض نے ”مسند“ سے اوپر قرار دیا ہے۔

(د) مرسل غیر:

۱- تعریف:

وہ سنت کہ جس کے ناقلین میں سے تبع تابعی کے بعد کے کسی ناقل نے اوپر کے افراد کا ذکر نہ کیا ہو۔

۲- حکم:

(الف) اگر ارسال کرنے والے (یعنی ایسا عمل کرنے والے) محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کے معتمد لوگ ہوں تو معتبر و لائق عمل ہے۔

(ب) اگر کم درجہ کے لوگ ہوں تو اختلاف ہے، کسی ذریعہ سے اعتماد حاصل ہو جائے تو بہر حال اعتبار و عمل ہوگا (۱)، اور اس کی حیثیت ”خبر واحد“ کی ہوگی۔

۱۰- سنت فعلیہ:

سنت کی تعریف میں تین چیزوں کا ذکر آیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال، اور خاموش تائیدات جن کو ”تقریر“ کہتے

ہیں، ”تقریر“ بیان کے حکم میں ہونے کی بناء پر ”اقوال“ کے ساتھ ملحق ہے اور سنت کا بڑا حصہ قوی ہے، رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال جن کے تحت اشارہ سے کسی بات کا بتانا بھی داخل ہے (۱)، دو قسم کے ہیں:

اول وہ افعال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھے، مثلاً چار عورتوں سے زائد سے نکاح کرنا، ایسے افعال کا اپنانا اور ان پر عمل کرنا جائز نہیں۔

دوم وہ افعال جن کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہونے کا علم نہیں، ان میں سے جس فعل کی حیثیت کا علم ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم و جو بی یا استجابی طور پر یا اباحت کے طور پر ان پر عمل پیرا تھے یا اصول کی رو سے جس حیثیت کی تعیین ہوتی ہو، ہم ان افعال کے حق میں اسی حیثیت کے پابند ہوں گے۔ (۲)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن افعال کی حیثیت کا علم نہ ہو، ان کے حق میں اباحت کا حکم ہوگا۔ (۳)

۱۱- تعداد روایات احکام:

تقریباً تین ہزار اور بعض حضرات نے پانچ لاکھ بتائی ہے۔ (۴)

۱۲- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معاملہ کی بابت وحی کے نہ آنے پر اجتہاد کی رو سے جو کچھ فرمایا، یا کیا، وہ بھی ”سنت“ کے تحت داخل ہے، اور اسی کے حکم میں ہے، بشرطیکہ اس پر اللہ کی جانب سے نکیر نہ منقول ہو۔ (۵)

(۱) ارشاد، ص ۴۲/۲۔ (۲) حتیٰ کہ اگر کسی کام کو اہتمام کے ساتھ کرنے کا عزم ہو مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدشہ کے تحت اس کو چھوڑ دیا ہو تو اسی عزم کے مطابق اس کا حکم ہوگا جیسے کہ تراویح کی نماز کہ عملاً باجماعت اس کی ادائیگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہی دن تک منقول ہے مگر ساتھ ہی فرضیت کے خدشے کے اظہار کے ساتھ ترک منقول ہے، اس لیے بالاتفاق سنت مؤکدہ ہے۔ (فتح القدیر ج ۱، ص ۴۰۷)۔ (۳) حسامی و نظامی ص ۹۱-۹۲، نورس/۲۱۳-۲۱۴، نوائح ج ۲، ص ۱۸۰-۱۸۳، توضیح ص ۴۸۱۔ (۴) نوائح ج ۲، ص ۳۶۳، نور ص ۶، ج ۱، ص ۵۔ (۵) حسامی ص ۹۲، نورس/۲۱۳-۲۱۵، توضیح ص ۴۹۱۔

۱۳- گزشتہ شرائع:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی شریعتوں کے جو احکام کتاب و سنت میں منقول ہیں اور ان کے نسخ کا ذکر کتاب و سنت میں نہیں ہے وہ بھی انہیں دونوں کے حکم میں ہیں، جو چیز قرآن میں مذکور ہے وہ اس کے حکم میں اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ ”سنت“ کے حکم میں ہے۔ (۱)

۱۴- تنبیہ:

”سنت“ سے متعلق مذکورہ ابحاث اسی کے ساتھ خاص ہیں، اور اس سے متعلق ابحاث کا دوسرا حصہ وہ ہے جو اصل اول کے تحت آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، یعنی اصل اول کے تحت آنے والے مباحث عموماً کتاب و سنت دونوں میں مشترک ہیں (۲) اور چند مباحث اصل اول کے ساتھ خاص ہیں، جیسے کہ اصل دوم یعنی سنت سے متعلق مذکورہ ابحاث سنت ہی کے ساتھ خاص ہیں۔

(۱) حسامی ص ۱۹۲، نور ص ۲۱۶، توحیح ص ۴۹۳، فواع ج ۲، ص ۱۸۳-۱۸۵۔

(۲) اصول و عمدہ ص ۷۳-۷۴۔

سنت صحابہ رضی اللہ عنہم

۱- تعریف:

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال و تقریرات۔
جن کو اصطلاح میں ”اثر“ و ”آثار“ سے بھی تعبیر کرتے ہیں نیز تابعین کے
اقوال و افعال کو بھی ”اثر“ کہتے ہیں اور صحابہ و تابعین سے منقول امور کے درمیان
فرق کے لیے، سنت صحابہ کو ”حدیث موقوف“ اور تابعین سے منقول امور کو ”مقطوع“
کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ”حدیث مرفوع“ کہتے ہیں۔ (۱)

۲- سنت صحابہ کی اہمیت و حجیت:

سنت صحابہ کی اہمیت و حجیت یعنی شرعی دلیل ہونا، ان کی اس عظمت و شرف
سے ظاہر ہے جس سے اللہ نے ان کو نوازا تھا، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان
ارشادات سے جن کا تعلق خاص طور سے اسی موضوع سے ہے۔

حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مستفید ہونے اور نزول
وحی کے زمانہ کو پانے کی وجہ سے شریعت کے احکام اور اللہ و رسول کی منشا و مراد سے
سب سے زیادہ واقف اور اس کو سمجھنے والے تھے، اس لیے ان کے اقوال و افعال و
تقریرات لائق اقتداء ہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا
ہے کہ صحابہ کے اختلاف کے باوجود جو آدمی ان کی کسی چیز کو اپنائے گا وہ میرے
نزدیک ہدایت پر ہوگا۔

اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ میرے تمام صحابہ بمنزلہ

(۱) ملاحظہ ہوں کتب اصول حدیث۔

ستاروں کے ہیں، ان میں سے جس کی راہ پر بھی چلو گے ہدایت پر ہی چلو گے، خاص طور سے چاروں خلفاء کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت و طریقہ کا اپنانا لازم ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ نے صحابہ کو اپنے نبی کی صحبت اور اپنے دین کی نشر و اشاعت کے لیے انتخاب کیا تھا، لہذا ان کے فضل کو مانو اور ان کے نقش قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ممکن ہو ان کے اخلاق و کردار کو اپناؤ، اس لیے کہ وہ صحیح راستہ پر تھے۔ (۱)

انہیں وجوہ کی بنا پر ائمہ اربعہ اور تمام معتبر و معتمد علماء و فقہاء اور ان کے اقوال و فتاویٰ کو حجت بنانے و ماننے پر متفق ہیں۔ (۲)

۳- احکام:

صحابہ کے اقوال و افعال کے اصولاً دو حصے ہیں:

(الف) جن میں عقل و رائے کا دخل نہ ہو سکتا ہو، یعنی یہ کہ عقل کی رو سے ان کو جاننا سمجھنا ممکن نہ ہو۔

(ب) جن میں عقل و رائے کا دخل ہو سکتا ہو، یعنی عقل و رائے سے ان کو جاننا و سمجھا جاسکتا ہو۔

(الف) ان کے وہ اقوال و افعال جن میں عقل و رائے کا دخل ممکن نہیں، وہ ”سنت نبویہ“ کے حکم میں ہیں، بایں معنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر و دیکھ کر ہی ان حضرات کا ان کو بیان کرنا و عمل میں لانا مانا جائے گا۔

(ب) وہ اقوال و افعال جن میں عقل کا دخل ممکن ہے، وہ قیاس کے ساتھ ملحق ہیں، مگر ان کے خصوصی احکام حسب ذیل ہیں:

۱- اگر ان کا ثبوت سب کے اتفاق کے ساتھ ہو، خواہ یوں ہو کہ باہمی مشورہ سے بالاتفاق سب نے ان کو طے کیا ہو یا مجمع کے سامنے کسی نے کہا یا کیا ہو اور کسی نے

(۱) مشکوٰۃ ص/۳۰، ۳۲، ۵۵۲۔ (۲) المدخل ص/۲۶-۲۷، تاریخ المذاہب الاسلامیہ ج/۲، ص/۷۵۔

انکار نہ کیا ہو، تو ان کے لیے ”اجماع“ کا حکم ہے، جیسے نماز تراویح، اذان جمعہ۔

۲۔ جن مسائل کے حق میں سب کا اتفاق منقول نہیں مگر کسی کا انکار بھی منقول نہ ہو تو وہ بھی حجت ہیں۔

۳۔ جو مسائل باہمی اختلاف کے ساتھ منقول ہیں، وہ ان میں سے ایک دوسرے کے لیے تو حجت نہیں مگر بعد والوں کے لیے سب کو چھوڑ کر کسی رائے کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے، دل کے رجحان کے مطابق کسی ایک پر عمل کریں گے یا دونوں کو اپنائیں گے۔

۴۔ جو مسائل دو ہی ایک صحابہ سے منقول ہیں، وہ بھی حجت ہیں، بشرطیکہ ان کا تعلق ایسے امور سے نہ ہو جو عام طور سے پیش آنے والے ہوں۔ (۱)

۴۔ اقوال و افعال تابعین:

(الف) تابعین کے وہ اقوال و افعال جن میں عقل کا دخل ممکن نہ ہو، وہ بھی ”سنت نبویہ“ کے حکم میں ہیں۔ (۲)

(ب) جن اقوال و افعال میں عقل و رائے کا دخل ہو سکتا ہے، ان کے سلسلہ میں ان تابعین کے اقوال و افعال حجت ہیں، جنہوں نے عہد صحابہ میں افتاء کا کام کیا ہو، اور اس کام میں صحابہ کے نزدیک معتمد رہے ہوں، حتیٰ کہ فقہی آراء میں انہوں نے صحابہ سے اگر اختلاف بھی کیا ہو تو صحابہ نے اس اختلاف کو بھی گوارا کیا ہو، بلکہ ان کی رائے کی طرف رجوع کر لیا ہو، جیسے خلفاء راشدین کے عہد میں مشہور قاضی شریح اور حضرت مسروق وغیرہ۔ (۳)

(۱) نواح ج ۲، ص ۱۸۶-۱۸۷، حسامی و نظامی ص ۹۳/۱، نور ص ۲۱۸-۲۱۹، توضیح ص ۲۹۳-۲۹۴، السہ ظل ص ۱۰۵۔ (۲) نواح ج ۲، ص ۱۸۸۔ (۳) توضیح ص ۲۹۴، حسامی و نظامی ص ۹۴۔ یہ فخر الاسلام بزروی و صاحب المنان وغیرہ کا قول ہے، اور امام صاحب سے نوادری روایات میں منقول ہے، اور شمس الاسلام برائین وغیرہ غالب روایت فی بناء پر ان کی تقلید لولازم نہیں قرار دیتے۔ (نواح ج ۲، ص ۱۸۸)۔

اصل سوم

اجماع

۱- تعریف:

(الف) لغوی: پختہ ارادہ کرنا، کسی چیز پر متفق ہونا۔ (۱)
 (ب) اصطلاحی: کسی زمانہ کے تمام معتمد علماء مجتہدین کا کسی امر پر اتفاق ہونا۔ (۲)

۲- حقیقت اجماع:

”اجماع“ اصل میں محض رائے ہے، جیسے کہ ”قیاس“ رائے ہے، البتہ اجماع و قیاس کے درمیان فرق یہ ہے کہ قیاس کے تحت جو رائے ہوتی ہے، وہ انفرادی یا زیادہ سے زیادہ چند افراد کی ہوتی ہے، اور ”اجماع“ ایک زمانہ کے تمام مجتہدین کی متفقہ رائے کا نام ہے، اسی اجتماعیت کی وجہ سے اس کو قیاس پر فوقیت حاصل ہے۔ (۳)

۳- اہمیت:

اس کی اہمیت اوپر ذکر کردہ حقیقت سے ظاہر ہے کہ ”اجماع“ امت کے منتخب اہل علم کے اتفاقی فیصلہ کا نام ہے، اس لیے اس میں خطا کا احتمال نہیں رہ جاتا، ارشاد نبوی ہے: ”میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔“ اور ”اللہ میری امت کو کسی گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔“ بلکہ اتفاق و اجتماعیت کی وجہ سے اللہ کی نصرت و

(۱) نظامی ص/ ۹۴، ذوالحجہ ۲/ ص/ ۲۱۱۔ (۲) ذوالحجہ ۲/ ص/ ۲۱۱، توضیح ص/ ۵۲۲، نظامی ص/ ۹۴، نور ص/ ۲۱۹۔

(۳) ذوالحجہ ۲/ ص/ ۲۴۶، نور ص/ ۷، المدخل ص/ ۳۳۴۔

تائید آتی ہے، ارشاد ہے: ”جماعت پر اللہ کا ہاتھ یعنی اس کی نصرت ہوتی ہے۔“ اور جماعت سے علاحدگی کو اسلام سے بے تعلقی اور آخرت کے اعتبار سے تباہی و بربادی قرار دیا گیا ہے۔ (۱)

۴- حجیت:

یعنی شرعاً حجت و دلیل ہونا۔ قرآن و حدیث دونوں سے ثابت ہے، متعدد آیات و روایات میں اس کا ذکر و اشارہ موجود ہے، یہاں اس سلسلہ کی مشہور آیت اور ایک نہایت واضح حدیث ذکر کی جا رہی ہے، ارشاد خداوندی ہے: ”وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ“ (۲) (اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے، بعد اس کے کہ امر حق اس کے لیے ظاہر ہو گیا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے پر ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے، کرنے دیں گے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے)۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں ”مسلمانوں کے راستے“ سے ”اجماع“ ہی مراد ہے۔ (۳)

اور حدیث حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اگر کوئی امر ایسا درپیش ہو کہ قرآن میں اور آپ کی سنت میں اس کی بابت ہم کو کوئی حکم نہ مل سکے تو ہم کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے اہل علم مؤمنین کو جمع کرو اور پھر آپس کے مشورے سے طے کرو، محض کسی ایک کی رائے سے حل نہ کرو۔ (۴)

اجماع کی بابت مزید روایات اتنی ہیں کہ علماء نے ان کی بابت تواتر کی

(۱) منقولہ ص/۳۰-۳۱۔ (۲) النساء/۱۵، اس کے علاوہ متعدد آیات جاء رسول نے ذکر کی ہیں۔ (۳) ابن کثیر ج/۱، ص/۵۵۵، احکام القرآن ج/۲، ص/۲۸۱۔ (۴) طبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد باب فی الاجماع۔

تصریح کی ہے۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ عہد صحابہ میں جبکہ کم از کم اکابر اہل علم صحابہ مدینہ میں ہی تھے، اس اصل سے بہت کام لیا گیا، بلکہ حضرات خلفاء راشدین اور بالخصوص حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا عام معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ملتا تو صحابہ کو جمع کر کے اس کو حل کرتے۔ (۲)

۵- ضرورت:

کتاب و سنت میں سارے پیش آمدہ مسائل مذکور نہیں ہیں اور جب ان کے ظاہری الفاظ میں کسی مسئلہ کا حکم موجود نہ ہو تو کتاب و سنت میں مذکور احکام میں غور و فکر کے ذریعہ اس مسئلہ کا حکم نکالا جاتا ہے، اجماع اسی غور و فکر کی اجتماعی و اتفاقی صورت ہے، اسی لیے اُسے ”قیاس“ پر فوقیت حاصل ہے۔ (۳)

۶- وقت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا زمانہ، اس لیے کہ آپ کی حیات میں اس قسم کے کسی عمل کی نہ ضرورت تھی نہ اس کا موقع آیا۔ (۴)

۷- مواقع:

اجماع کا محل اصلاً شریعت کے فروعی یعنی عملی احکام ہیں، نیز ان اعتقادات کا بھی اس سے ثبوت ہوتا ہے، جو ایمان و کفر کا مدار نہیں، البتہ سنت و بدعت کا مدار ضرور ہیں، جیسے تمام صحابہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق کہ اس کے خلاف رائے بدعت ہے۔ (۵)

(۱) تقریر و تفسیر ج/۳، ص/۸۵، ابن کثیر ج/۱، ص/۵۵۵۔ (۲) المدخل ص/۸۶-۸۷۔ (۳) المدخل ص/۳۳۲، ۵۰، علم اصول الفقہ ص/۴۵، ذوالحجہ ج/۲، ص/۲۳۶، ۳، نور ص/۷۔ (۴) نور ص/۲۲۲، اصول الخلاف ص/۴۵۔ (۵) ذوالحجہ ج/۲، ص/۲۳۳، توضیح ص/۵۳۸۔

۸- رکن:

اتفاق۔ خواہ سب بالاتفاق اختیار کریں یا بعض کے اختیار کرنے پر باقی حضرات علم ہونے کے بعد غور و فکر کا موقع ملنے کے باوجود انکار نہ کریں۔ (۱)

۹- شرط:

وقت کے مجتہدین کا اتفاق۔ (۲)

۱۰- اہل:

دین و علم کی رو سے معتد علماء مجتہدین، البتہ اگر کوئی مسئلہ ایسا ہو کہ اس میں محض اہل علم کی رائے ضروری نہ ہو تو غیر عالم بھی شامل ہو سکتا ہے، اور ہوگا جیسے قرآن مجید کی نقل پر اتفاق۔ (۳)

۱۱- سند:

یعنی وہ امور جن پر اجماع کی بنیاد ہونی چاہیے، ورنہ اجماع معتبر نہیں ہوتا، اس لیے کہ اجماع اور قیاس دونوں خود مستقل کوئی دلیل نہیں ہیں، اجماع کی سند تین امور ہوتے ہیں: ۱- کتاب۔ ۲- سنت۔ اور ۳- قیاس جو ان دونوں میں سے کسی ایک سے حاصل کردہ ہو۔ (۴)

۱۲- تقسیمات:

اجماع میں تین تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) باعتبار صورت اتفاق۔ (ب) باعتبار اہل اجماع و حال اجماع۔

(ج) باعتبار نقل اور مراتب و احکام اجماع۔

(۱) ترمذی ص ۵۳۳، نقای ص ۹۳۔ پہلی سورت میں اتفاق مینیت اور دومری میں رخصت ہے۔

(۲) نقای ص ۹۲، نور ص ۲۱۹-۲۲۱۔ (۳) نقای ص ۹۴، ۹۵، نور ص ۲۱۹-۲۲۰، ترمذی ص ۵۱۳۔

(۴) نواع ص ۲/ب، ۲۲۸-۲۳۹، نقای ص ۹۳، ترمذی ص ۵۳۴، نور ص ۲۲۲۔

(الف) اجماع کی تقسیم اول۔ صورت اتفاق کے اعتبار سے:

اس رو سے اجماع کی دو اقسام ہیں: ۱۔ صریح۔ ۲۔ سکوتی۔

۱۔ صریح:

بالاتفاق سب کا کسی قول یا فعل کو اختیار کرنا۔

۲۔ سکوتی:

(الف) تعریف:

اختیار نہ کرنے والوں کی جانب سے انکار کا نہ ہونا بلکہ سکوت و خاموشی کو اپنانا۔

☆ خیال رہے کہ ان میں سے ہر ایک کا تعلق قول و فعل دونوں سے ہو سکتا ہے۔ (۱)

(ب) سکوتی کی صورتیں:

دو ہیں: ۱۔ سکوت کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا ہو کہ جس سے یہ سمجھا جائے کہ یہ سکوت محض موافقت کے لیے ہے، جیسے ادائیگی زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کے ساتھ جہاد پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی صحابہ کا سکوت، کہ حسب تجویز و حکم یہ حضرات ان لوگوں سے جہاد کے لیے گئے، اگرچہ زبان سے سب نے بالاتفاق یہ بات نہیں کہی، یہ صورت ”اجماع صریح“ کے درجہ میں ہے۔

۲۔ سکوت کے ساتھ مذکورہ قرینہ موجود نہ ہو۔ (۲)

(۱) اسی لیے ہر ایک کی دو دو اقسام ذکر کی جاتی ہیں: اجماع صریح قولی جو بالاتفاق سب کے بیان سے ثابت ہو۔ اجماع صریح عملی جو بالاتفاق سب کے عمل سے ثابت ہو۔ اجماع سکوتی قولی وہ جو بعض کے بیان اور بعض کے علم کے باوجود سکوت کے ساتھ ہو۔ اجماع سکوتی عملی جو بعض کے عمل اور بعض کے علم و مشاہدہ پر سکوت کے ساتھ ہو۔ (المدخل ۵۱، ۳۴۱، کشف ج ۳، ص ۳۲۶-۳۲۸۔ (۲) فوائج ج ۲، ص ۲۴۳۔)

(ج) سکوتی کے ثبوت و اعتبار کی شروط:

چار ہیں:

- ۱- سکوت کرنے والوں میں سے کسی کی جانب سے موافقت یا مخالفت کسی پہلو میں کوئی چیز منقول نہ ہو، نہ صراحتاً اور نہ اشارتاً و دلالتاً۔
- ۲- علم و مشاہدہ کے بعد غور و فکر و بحث کے لیے مناسب و کافی موقع ملنے کے باوجود سکوت پایا جائے۔

۳- مسئلہ مجتہد فیہ یعنی اجتہاد کی گنجائش رکھنے والا ہو۔

۴- سکوت کرنے والے علماء مجتہدین ہوں۔ (۱)

(ب) تقسیم دوم باعتبار اہل اجماع و حال اجماع:

اہل اجماع اور اجماع کے حال کے اعتبار سے اجماع کی دو اقسام ہیں:

۱- اجماع صحابہ۔ ۲- اجماع علماء مابعد۔

۱- اجماع صحابہ:

اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) صحابہ کا اجماع صریح۔ (ب) صحابہ کا اجماع سکوتی۔

اور اجماع سکوتی کے تحت وہ دونوں صورتیں ہو سکتی ہیں جو ”سکوتی“ کے

تحت ذکر کی گئی ہیں، یعنی سکوت مع قرینہ اور سکوت بغیر قرینہ۔

۲- اجماع علماء مابعد:

یعنی صحابہ کے بعد کے علماء کا اجماع۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

(الف) بعد کے علماء کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق جس کی بابت صحابہ کے

درمیان کوئی اختلاف منقول نہ ہو۔

(ب) بعد کے علماء کا صحابہ کے درمیان مختلف فیہ کسی مسئلہ کی بابت کسی ایک رائے پر اتفاق۔ (۱)

(ج) تقسیم سوم باعتبار نقل اور مراتب واحکام اجماع:

نقل کے اعتبار سے اجماع کی تین اقسام ہیں:

۱- متواتر۔ ۲- مشہور۔ ۳- آحادی۔

۱- اجماع متواتر:

(الف) تعریف:

وہ اجماع جو عہد صحابہ سے کسی اختلاف کے بغیر تواتر کے ساتھ منقول

چلا آ رہا ہو۔

(ب) مصداق:

صحابہ کا اجماع صریح، اور ان کا اجماع سکوتی، جس کے ساتھ موافقت کا

قرینہ موجود ہو۔

(ج) امثلہ:

اجماع صریح کی مثال صحابہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق

ہے اور سکوتی مع قرینہ جیسے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد پر سکوت۔

(د) حکم:

بمزلہ نص قرآنی اور حدیث متواتر کے دلیل قطعی ہے، اس کا یقین اور اس پر

عمل دونوں ضروری ہیں، انکار کفر ہے۔

۲- اجماع مشہور:

(الف) تعریف:

وہ اجماع جو قرن اول کے بعد کا ہو، اور تو اتر کے ساتھ منقول ہو۔

(ب) مصداق:

قرن اول یعنی عہد صحابہ کے بعد کے علماء کا کسی ایسے مسئلہ پر اتفاق جس کی بابت قرن اول میں کوئی اختلاف منقول نہ ہو۔

(د) حکم:

بمزلہ حدیث مشہور، قطعی اور اس پر اطمینان و عمل ضروری ہے۔

۳- اجماع آحادی:

(الف) تعریف:

وہ اجماع جو بذریعہ اخبار آحاد منقول ہو، یعنی کسی عہد و زمانے میں تو اتر کے ساتھ اس کی نقل نہ ہو۔

(ب) مصداق:

۱- وہ اجماع جو خبر واحد کے طور پر منقول ہو۔

۲- قرن اول کے کسی مختلف فیہ مسئلہ کی بابت بعد کا اجماع۔

۳- صحابہ کا وہ اجماع سکوتی جو قرینہ سے خالی ہو۔

(ج) امثلہ:

۱- ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنتوں کے لیے صحابہ کا بالاتفاق اہتمام و

پابندی۔

۲- ام ولد یعنی وہ باندی جس کے پیٹ سے اس کے آقا کے نطفہ سے بچہ پیدا ہو، عہد صحابہ میں اس کے بیچنے کے حق میں اختلاف تھا، بعد میں عدم جواز پر اتفاق ہو گیا۔

(د) حکم: (☆)

بمزلہ صحیح و معتبر خبر واحد، گمان غالب کے ساتھ عمل ضروری ہے۔ (۱)
☆ اقسام مذکورہ کے احکام سے اجماع کے مراتب ظاہر ہیں، اور یہ بھی کہ وہ کم از کم ”صحیح خبر واحد“ کے درجہ میں ہوتا ہے، اس لیے کسی حال میں قیاس کو اس پر مقدم نہیں کیا جاسکتا۔ (۲)

(۶۷) ضابطہ تکفیر بوجہ انکار بر حکم شرعی: کسی حکم شرعی کے انکار پر کفر کے سلسلہ میں علامہ شامی بطور ضابطہ تحریر فرماتے ہیں: اگر حکم پر مشتمل آیت یا خبر متواتر قطعی الدلالہ (یعنی متعین المراد) نہ ہو یا متعین المراد ہو، مگر کسی وجہ سے مشتبہ ہو یا ساری امت کے اجماع سے نہ ثابت ہو یا یہ کہ سب کا اجماع ہو مگر صحابہ کا نہ ہو یا ان میں سب کا نہ ہو یا ان میں بھی سب کا ہو مگر تواتر کے ساتھ منقول نہ ہو یا تواتر کے ساتھ منقول ہو مگر سکوتی ہو تو انکار پر کفر کا حکم نہیں گئے گا (شامی ج/۳، ص/۲۸۴) اور اس سلسلہ میں مزید یہ بھی قید ہے کہ اگر ثبوت قطعی ہو اور انکار کرنے والا عام آدمی ہو جسے ہم نہ ہوتو بھی انکار کفر نہیں البتہ صاحب علم اگر ایسی کسی چیز کا انکار کرے یا عوام و خواص میں سے کوئی ایسے حکم کا انکار کرے جسے ”ضروریات دین“ کے عنوان کے تحت شامل کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دین کے ازلی احکام میں سے ہونا معروف و مشہور ہو تو اس کا انکار بھی کفر ہے۔ (جوابہ اشفتہ ج. ۱، ص. ۲۷-۲۸)۔
(۱) فتاویٰ ج/۲، ص/۲۳۲-۲۳۶، نور ص/۲۲۲-۲۲۳، حسامی ص/۹۵-۹۶۔ (۲) فتاویٰ ج/۲، ص/۲۳۶۔

اصل چہارم اجتہاد عقلی

۱- تعریف:

جس صورت حال کا کتاب و سنت اور اجماعیات میں حکم منقول نہ ہو، شریعت کے متعین کردہ اصول و ضوابط کی مدد سے غور و فکر کر کے اس کے حکم کو بیان کرنا۔ (۱)

۲- اقسام:

معروف و معتمد چار ہیں:

(الف) قیاس۔ (ب) استحسان۔ (ج) استصلاح۔ (د) استصحاب۔ (۲)
ان میں سے اہم ترین و مفید ترین اور امت کے بہت تھوڑے افراد کو چھوڑ کر ساری امت کے نزدیک متفق علیہ و معتمد قسم ”قیاس“ ہے، جس سے ہر عہد میں سب سے زیادہ کام لیا گیا ہے، حتیٰ کہ یہ قسم اتنی معروف و رائج رہی ہے کہ ”اصل چہارم“ کی حیثیت و عنوان سے عموماً اسی کو ذکر کیا جاتا رہا ہے، اور یہ اقسام دراصل ”اجتہاد عقلی“ سے کام لینے کے وسائل و ذرائع ہیں۔

۳- تعبیر دیگر:

”اجتہاد عقلی“ کو ہی ”اجتہاد بالرائے“ اور صرف ”رائے و قیاس“ بھی کہہ دیا کرتے ہیں، اگرچہ جیسا کہ ذکر کیا گیا ”قیاس“ اس کی ایک ذیلی مگر کشادہ دامن قسم ہے۔ (۳)

(۱) المصادر ص/ ۸۱۷-۸۱۹۔ (۲) المصادر ص/ ۱۵۵۔ (۳) المدخل ص/ ۵۲-۵۳-۵۴، ۲۳۵۔

باب اول

قیاس

۱- تعریف:

(الف) لغوی: ناپنا، پیمائش کرنا، اندازہ لگانا، برابر کرنا۔ (۱)
 (ب) اصطلاحی: علت کے اشتراک و اتحاد کی بناء پر غیر منصوص کے لیے
 منصوص کا حکم بیان کرنا۔ (۲)

حقیقت:

قیاس کی حقیقت یہ نہیں کہ محض اپنی فکر و رائے سے کوئی حکم بیان کر دیا جائے بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس درپیش صورت حال کا حکم منصوص نہ ہو، یعنی کتاب و سنت اور اقوال صحابہ و اجماعیات میں منقول نہ ہو تو کسی منصوص صورت حال کو مناسبت کی بنا پر اس کے حکم کے لیے مدار و بنیاد قرار دیا جائے (۳) اور مناسبت سے مراد یہ ہے کہ حکم منصوص کی کوئی ایسی علت ہو جو غیر منصوص صورت حال میں بھی موجود ہو، اور قیاس کی صحت کے تمام شرائط موجود ہوں۔

۳- حجیت:

اس کی حقیقت سے ظاہر ہے کہ یہ بھی کتاب و سنت پر ہی عمل کی ایک صورت ہے، مزید یہ کہ اس کی حجیت کے مستقل نقلی و عقلی دلائل موجود ہیں۔

(۱) فوائج ج/۲، ص/۲۳۶، المصادر ص/۱۹۔ (۲) نظامی ص/۹۷، توحیح ص/۵۳۵، المدخل ص/۲۸۸۔

(۳) المدخل ص/۱۵۵، ۲۸۷۔

(الف) ارشادِ بانی ہے: "فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ" (۱) (اے دانشمندو! عبرت حاصل کرو)۔ اور عبرت کی حقیقت ہے: کسی شے کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا، اور قیاس یہی ہوتا ہے۔

نیز ارشاد ہے: "فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ" (۲) (پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ کیا کرو)۔

(ب) حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں جس اجتہاد کا ذکر ہے، اس سے یہی قیاس ہی مراد ہے۔

(ج) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عملاً منقول ہے۔

(د) اور صحابہ کے اقوال و افعال تو اس کے حق میں تواتر کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں، یہ نقلی دلائل ہیں اور.....

(ہ) عقلاً یہ کہ ساری دنیا کے نزدیک قیاس ایک معتبر و معتمد ذریعہ علم ہے، اسی لیے شریعت میں بھی اس کا اعتبار ضروری ہے کہ شریعت ایسے فطری امور کی مخالفت نہیں کیا کرتی، البتہ اس کے اصول و ضوابط ضرور متعین کرتی ہے اور یہ قیاس کے حق میں بھی کیا ہے۔ (۳)

اور جیسے جس قیاس کی علت منصوص ہو یعنی خود شارع سے منقول ہو یا اجتماعی ہو وہ حجت ہے، اسی طرح جس کی علت مستنبط ہو، جیسا کہ علت کے بیان میں آپ کی علت کی دو اقسام پڑھیں گے، عام علماء اس کو بھی حجت مانتے ہیں۔ (۴)

۴۔ ارکان قیاس: چار ہیں:

(الف) مقیس علیہ۔ (ب) مقیس۔ (ج) علت جامعہ۔ (د) حکم جامع۔

(۱) الحشر/۲۔ (۲) النساء/۵۹۔ (۳) فوارح ج/۲، ص/۳۱۲-۳۱۳، الصادر ص/۳۱-۳۵، اصول الخلاف ۵۳-۵۸۔

(۴) المدخل ص/۲۸۸، الصادر ص/۸۔

(الف) مقیاس علیہ:

وہ صورت جس کا حکم منصوص یعنی کتاب و سنت یا اجماعیات میں منقول ہو، جس کو ”اصل“ بھی کہتے ہیں۔

(ب) مقیاس:

وہ صورت جس کا حکم منصوص نہ ہو، اس کو فرع بھی کہتے ہیں۔

(ج) علت جامعہ:

وہ وصف جو مقیاس علیہ کے حکم کی بنیاد ہو اور مقیاس میں بھی موجود ہو۔

(د) حکم جامع:

وہ حکم جو علت جامعہ کی وجہ سے مقیاس علیہ کے لیے ثابت ہو، اور مقیاس کے

لیے ثابت کیا جائے۔ (۱)

۵- شرائط قیاس:

چاروں ارکان میں سے ہر ایک کے لیے مستقل شرائط ہیں:

(الف) برائے مقیاس علیہ:

۱- ثبوت مقیاس پر مقدم ہو۔ ۲- ثبوت سمعی و شرعی ہو، یعنی کسی شرعی دلیل

(کتاب و سنت و اجماع) سے ثابت ہو اور سن کر۔ ۳- اصل ہی ہو، فرع نہ ہو، یعنی

مقیاس علیہ ہی ہو، خود مقیاس نہ ہو، اور اگر ”مقیاس“ ہو تو علت وہی ہو جس کا اعتبار اس کو

مقیاس بنانے میں کیا گیا ہو۔ ۴- خلاف قیاس نہ ہو۔ ۵- اس کا حکم فرع کو شامل نہ ہو،

یعنی بصورت کلیات نہ ہو۔

(ب) برائے مقیاس:

۱- مقیاس علیہ کی علت پورے طور پر اس میں پائی جاتی ہو۔

۲- اس کا ثبوت مقیاس علیہ سے مقدم نہ ہو۔

۳- اثبات یا نفی کسی صورت میں پہلے سے کوئی حکم ثابت نہ ہو۔ (۱)

(ج) برائے حکم:

۱- علت مد رک بالعقل ہو، یعنی عقلاً سمجھ میں آتی ہو۔

۲- مرکب نہ ہو، کہ دو مجتہدین نے کسی حکم کی دو الگ الگ علتیں تجویز کی

ہوں اور ان کو ایک قرار دے کر مدارقیات بتایا جائے۔

۳- مقیاس علیہ اور مقیاس دونوں میں اس کا وجود بالاتفاق ہو۔

۴- علت ہونے کی صلاحیت یعنی علت کے خواص موجود ہوں جن کا تذکرہ

آگے آرہا ہے۔

(د) برائے حکم:

۱- شرعی ہو۔ ۲- اصل کے ساتھ خاص نہ ہو۔ ۳- غیر منسوخ نہ ہو۔

۴- مقیاس علیہ، مقیاس دونوں میں یکساں حال میں پایا جائے یعنی مقیاس علیہ کی نسبت

سے مقیاس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہ ہو۔ (۲)

۶- مواقع:

فروعی یعنی عملی احکام ہیں۔ اصولی یعنی کلامی مسائل نہیں، نیز فروعیات میں

بھی حدود و کفارات یعنی وہ شرعی سزائیں جن کی تعداد و شکل متعین ہو اور احکام وضعیہ

یعنی اسباب اور ملل و شروط کے متعلق اختلاف ہے۔ (۳)

(۱) اگر دونوں کی تائید نہ ہو تو قیاس و قیاس مع اشراق کہتے ہیں جیسے تیسری شرط مستند و در قیاس کہا جائے

تو اس و قیاس فی حد الاقرب کہتے ہیں (مذہب و بحث قیاس)۔ (۲) نوائج ج ۲، ص ۲۵۱-۲۶۰، و بعد، مجموع

ص ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۶، ۱۷۰۷، ۱۷۰۸، ۱۷۰۹، ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۳، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۱۷۱۶، ۱۷۱۷، ۱۷۱۸، ۱۷۱۹، ۱۷۲۰، ۱۷۲۱، ۱۷۲۲، ۱۷۲۳، ۱۷۲۴، ۱۷۲۵، ۱۷۲۶، ۱۷۲۷، ۱۷۲۸، ۱۷۲۹، ۱۷۳۰، ۱۷۳۱، ۱۷۳۲، ۱۷۳۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۵، ۱۷۳۶، ۱۷۳۷، ۱۷۳۸، ۱۷۳۹، ۱۷۴۰، ۱۷۴۱، ۱۷۴۲، ۱۷۴۳، ۱۷۴۴، ۱۷۴۵، ۱۷۴۶، ۱۷۴۷، ۱۷۴۸، ۱۷۴۹، ۱۷۵۰، ۱۷۵۱، ۱۷۵۲، ۱۷۵۳، ۱۷۵۴، ۱۷۵۵، ۱۷۵۶، ۱۷۵۷، ۱۷۵۸،

۷۔ حکم:

مقیس کو مقیس علیہ کا حکم دینا صحت کے گمان غالب اور خطا کے احتمال کے ساتھ اس لیے کہ حق ایک ہے اور دلیل ظنی ہے، لہذا قطعیت کے ساتھ صحت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ (۱)

۸۔ مثال:

نشہ آور کسی شے کا شراب پر قیاس کرتے ہوئے نشہ میں اتحاد کی وجہ سے حرام ہونا۔

اس مثال میں شراب مقیس علیہ، دوسری نشہ آور شے مقیس، نشہ علت جامعہ اور حرمت حکم جامع ہے۔ (۲)

۹۔ قیاس و دلالت النص:

ان کے درمیان فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ”قیاس“ کی بنیاد عقل و فکر ہے اور ”دلالة النص“ کی بنیاد لغت۔ اسی لیے قیاس کا اہل مجتہد ہوتا ہے، اور دلالت النص کا علم ہر صاحب لغت کو ہوتا ہے، اور قیاس ظنی چیز ہے، اور دلالت النص قطعی، قیاس عمومی طور پر مختلف فیہ امر ہے اور دلالت النص کا اعتبار متفق علیہ ہے۔ (۳)

۱۰۔ اقسام:

دو ہیں: (الف) قیاس جلی۔ (ب) قیاس خفی۔

(الف) قیاس جلی:

وہ قیاس جس کی طرف ذہن فکر کے اول وہلہ میں منتقل ہو۔

(۱) نواع ج/۲، ص/۲۳۹، ۳۸۰، حسامی ص/۱۰۷۔ (۲) اصول الخلاف ص/۶۰، نواع ج/۲، ص/۲۳۸۔

(۳) المصادر ص/۲۷-۲۸۔ نیز کتاب میں دلالت النص کی بحث ملاحظہ ہو۔

(ب) قیاس خفی:

وہ قیاس جس کی طرف ذہن جلدی منتقل نہ ہو۔

اول کو "قیاس" کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں اور دوم کو "استحسان" کے عنوان سے، اگرچہ قیاس خفی عین استحسان اصطلاحی نہیں بلکہ اس کی ایک قسم ہے، اور اس کی اقسام میں زیادہ استعمال ہونے والی۔ استحسان اصطلاحی کا حقیقی مصداق ہر وہ دلیل ہے جس سے قیاس کے بالمقابل استدلال کیا جائے (۱) جیسا کہ تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے۔

علت

۱- تعریف:

(الف) باعتبار حکم وضعی:

وہ وصف خارجی جو کسی حکم کے وجود میں مؤثر ہو۔ (۲)

(ب) باعتبار رکن قیاس:

مقیس اور مقیس علیہ دونوں میں پایا جانے والا وہ وصف مشترک جو مقیس

عالیہ کے حکم کی بنیاد ہو اور مقیس کے حکم کی بنیاد بنایا جائے۔ (۳)

۲- دیگر تعبیرات:

ملت کے لیے دوسری بہت سی تعبیرات استعمال ہوتی ہیں، باعث، مناط،

(۱) فروع ج ۲، ص ۳۲۰، توضیح ص ۵۶۷۔ (۲) فروع ج ۱، ص ۳۰۴۔ (۳) اصول الخلاف ص ۹۰۔

مات کی تین تعریف تو اس نے جو اوپر گزری، مسابقت سے بطور توضیح ملت قیاس کے لیے یہ تعریف کر دی جاتی ہے۔ الاحدی۔

دلیل، موجب، مؤثر، سبب، حامل، مستدعی، مقتضی وغیرہ۔ (۱)

۳۔ شرائط علت:

پانچ ہیں: (الف) تاثیر۔ (ب) ظہور۔ (ج) انضباط۔ (د) مناسبت۔
(ه) عدم مخالفت۔

(الف) تاثیر:

وصف مذکور کے پائے جانے پر حکم مذکور کا پایا جانا۔ (۲)

(ب) ظہور:

وصف مذکورہ کا حسی ہونا، یعنی ایسا کرنا کہ کوئی حاسہ اس کا ادراک کر سکے،
جیسے نشہ اور قتل وغیرہ کہ ان کا ادراک حواس ظاہرہ سے ہوتا ہے۔

(ج) انضباط:

وصف مذکور کا افراد و حالات کے اختلاف کی وجہ سے مختلف نہ ہونا، مثلاً
مشقت سفر رخصت کی علت ہے، اگرچہ نہ تو ہر مسافر کے حق میں مشقت کا پایا جانا
ضروری ہے اور نہ ہی سمجھا سکتا ہے اور مشقت ہی اصلاً رخصت کا مدار ہے، لیکن سفر
ایک متعین وصف ہے، اس لیے اس کو علت قرار دیا گیا ہو۔

(۱) ارشاد ص/۲۰۷۔ (۲) تاثیر کی چار صورتیں ذکر کی جاتی ہیں: ۱۔ ایک قسم کے وصف کا کسی خاص حکم کے حق میں مؤثر ہونا جیسے بے ہوشی کی وجہ سے زائد نمازوں کا اسقاط، اس لیے کہ اتنی نمازوں کو قضا کے طور پر ادا کرنا بے انتہا مشقت کو مستلزم ہے، اس لیے حائض پر نمازوں کی قضا نہیں ہے، دونوں جگہ وصف مؤثر کی جنس ایک ہے اور حکم خاص ہے۔ ۲۔ ایک قسم کے وصف کا کسی خاص قسم کے حق میں مؤثر ہونا جیسے حیض کی وجہ سے ایام حیض میں نمازوں کی قضا مشقت کی بنا پر ساقط ہے اور مشقت ہی کی وجہ سے مسافر کی چار رکعت کے بجائے دو رکعت قرار دی گئی ہے۔ ۳۔ کسی خاص وصف کا حکم کے حق میں مؤثر ہونا جیسے بلی کے جھونے کے حق میں اس کی کثرت آمد و رفت کا اثر۔ ۴۔ خاص وصف کا کسی خاص قسم کے حکم میں مؤثر ہونا جیسے بچپن ایک خاص وصف ہے، اس کی وجہ سے باپ کو بچے کے مال کے حق میں ولایت حاصل ہوتی ہے اور نکاح بھی مالی معاملات کے درجہ میں ہے، لہذا نکاح کے حق میں بھی ولایت حاصل ہوگی۔ (نوائج ج/۲، ص/۲۶۸، نظامی ص/۱۰۲)۔

(د) مناسبت: (جس کو ”ملائمت“ (☆) بھی کہتے ہیں)

گمان غالب کی حد تک حکم مذکور کی مشروعیت کی حکمت و مصلحت کے پورا کرنے کا ذریعہ ہونا۔

(ه) عدم مخالفت:

کسی شرعی دلیل کے مخالف نہ ہونا۔ (۱) (شرعی دلیل خواہ کتاب و سنت کی ہو یا قول صحابی و اجماع ہو)۔

۴۔ علت اور مصلحت و حکمت میں فرق:

علت وہ وصف کہلاتا ہے جو کسی حکم کا مدار و بنیاد ہو۔

مصلحت و حکمت کسی حکم سے وابستہ یعنی کسی حکم پر عمل کے ذریعہ حاصل ہونے

(☆) مناسبت کی پانچ اقسام ذکر کی جاتی ہیں: ۱۔ مناسبت مؤثرہ۔ ۲۔ مناسبت ملائمہ۔ ۳۔ مناسبت غریبہ۔ ۴۔ مناسبت ملغاة۔ ۵۔ مناسبت مرسلہ۔ ۱۔ مناسبت مؤثرہ: جس کا اعتبار کسی حکم کے حق میں نقل سے ثابت ہو، مثلاً تاثیر کے تحت ذکر کردہ حاشیہ میں مذکور تیسری قسم کہ طواف (کثرت آمد و رفت) کا علت ہونا، نص میں منقول ہے۔ ۲۔ مناسبت ملائمہ: جس کا تذکرہ حکم مذکور کے حق میں خاص اسی نص و عبارت میں نہ ہو، جس میں کہ حکم مذکور ہے لیکن دوسری نصوص سے اعتبار ثابت ہو جیسے سابق حاشیہ کی پہلی و دوسری صورت کہ جن نصوص میں یہ احکام مذکور ہیں یعنی بے ہوش و حائض کی قضا نمازوں کا سقوط وغیرہ، ان میں ان کی علت مذکور نہیں ہے، مگر علت مذکورہ کا معتبر ہونا دوسری نصوص سے ثابت ہے۔ ۳۔ مناسبت غریبہ: وہ علت ہے جس کا کسی نص سے استنباط کیا جائے اور اس کے متعلق مؤثرہ یا ملائمہ نہ ہونا ظاہر نہ ہو، مگر حکم مذکور سے مناسبت رکھتی ہو، مثلاً کسی وارث کا اپنے مورث کو قتل کرنے کی وجہ سے میراث سے محروم رہنا، اس کی علت یہ قرار دی گئی ہے کہ اس نے عجلت کر کے ایک حق کو وقت سے پہلے حاصل کرنے کی کوشش کی ہے، لہذا محروم قرار دیا جائے گا، یہ علت سمجھ میں تو آتی ہے مگر اس کا پہلی دونوں قسموں میں سے کسی کے تحت آنا ثابت نہیں۔ ۴۔ مناسبت ملغاة: جس کا لغو ہونا کسی دلیل سے ثابت ہو، جیسے روزہ توڑ دینے کے کفارہ میں بادشاہ کو روزوں کا ہی حکم دینا تاکہ اسے مشقت کی وجہ سے تنبیہ ہو، حالانکہ شرعاً اس پر یہ لازم نہیں، یہ شریعت کے دلائل کی بنا پر لغو و مردود ہے، اس لیے کہ شرعاً کسی فرد کے لیے کوئی صورت لازم نہیں۔ ۵۔ مناسبت مرسلہ: جس کے حق میں نہ تو اعتبار کا ثبوت ہو اور نہ الغاء کا، ایسی مناسبت پر مشتمل علیٰ ”مصالح مرسلہ“ کہلاتی ہیں، جو استصلاح کی بنیاد قرار دی جاتی ہیں۔ (نوائج ج/۲، ص/۲۶۵-۲۶۶، المدخل ص/۳۳۹-۳۴۱، المصادر ص/۵۳-۵۶)۔

(۱) اصول الخلاف ص/۶۸-۷۰، نوائج ج/۲، ص/۲۷۳-۲۸۰، ۲۸۹۔

والی غایت اور پوری ہونے والی غرض کو کہتے ہیں، خواہ وہ غرض کسی منفعت کا حصول ہو یا کسی مفسدہ و تنگی کا ازالہ ہو۔ (۱)

یعنی حکمت و مصلحت سے کسی فعل پر مرتب ہونے والا نتیجہ مراد ہوتا ہے، علت پہلے پائی جاتی ہے کہ اس کے پائے جانے پر کوئی حکم دیا جاتا ہے، اور مصلحت و حکمت کا وجود بعد میں ہوتا ہے کہ وہ حکم پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

۵- مآخذ علت:

یعنی علت کے مواقع اور اس کے جاننے کے ذرائع اصولاً تین ہیں:

(الف) نص۔ (ب) اجماع۔ (ج) استنباط۔

(الف) نص:

کتاب و سنت کے الفاظ میں کسی صورت میں علت مذکور ہو، اس کی اصولی دو صورتیں ذکر کی جاتی ہیں: ۱- صریح۔ ۲- ایما و تنبیہ۔

۱- صریح:

(الف) تعریف:

وہ الفاظ جو از روئے لغت و وضع علت ہونے پر دلالت کریں۔

(ب) امثلہ:

لاجل، کبی، اذن، لام تعلیلیہ، لام عاقبت، یاء مسببہ، إن مثقلہ و مخففہ،

فاء تعقیبیہ۔

یہ تمام الفاظ ایک ہی درجہ میں اس مفہوم کو نہیں ادا کرتے بلکہ فرق مراتب ہے، درمیان میں اعداد کو ذکر کر کے ان کے باہمی مراتب کو واضح کیا گیا ہے، نیز اس اعتبار سے بھی فرق مراتب ہوتا ہے، کہ یہ کلمات اگر کسی آیت یا حدیث نبوی

(۱) اصول الخلاف ص/ ۵۶، فواع ج/ ۲، ص/ ۲۶۰، المدخل ص/ ۴۳۷۔

میں ہوں تو ان ارشادات صحابہ سے جو ان کلمات پر مشتمل ہوں، ان سے فائق سمجھے جاتے ہیں۔ (۱)

۲- ایما و تنبیہ:

(الف) تعریف:

وہ الفاظ جو قرآن کی بناء پر علت ہونے پر دلالت کریں۔

(ب) امثلہ:

قرآن مختلف ہوتے ہیں مثلاً: ۱- کسی سوال کے جواب میں واقع ہونا۔
۲- کسی حکم کے ساتھ کسی وصف کا ذکر کرنا۔ ۳- دو حکموں کے درمیان فرق کرنا، خواہ دونوں کے لیے الگ الگ صفات ذکر کی جائیں یا یہ کہ دونوں کے درمیان حرف استثناء یا ”حتی“ واس کے ہم معنی، ”لکن“ اور اس کے ہم معنی الفاظ یا کلمات شرط استعمال کیے جائیں۔ (۲)

(۱) امثلہ: ”إنما جعل الاستبذان لأجل البصر“ (اجازت کا طلب کرنا دیکھنے کی وجہ سے ہے۔ ابن ابی شیبہ)۔ ”کسی تفرعینہا“ (تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ القصص/۱۳)۔ ”إذن تكفي همك“ (تب تو غموں کے حق میں تمہاری کفایت کی جائے گی۔ مسد احمد)۔ ”كتاب أنزلناه إليك لتخرج الناس“ (یہ کتاب ہے اس کو ہم نے تم پر اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کو نکالو۔ ابراہیم)۔ ”فبما رحمة من الله لنت لهم“ (خدا کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لیے نرم واقع ہوئی ہے۔ آل عمران/۱۵۹)۔ ”وما أبرئ نفسي إن النفس لأمارة بالسوء“ (اور میں اپنے کو پاک صاف نہیں کہتا کیونکہ نفس امارہ تو برائی پراکساتا ہی ہے۔ یوسف/۵۳)۔ ”السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما“ (جو چوری کرے مرد ہو یا عورت، ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ المائدہ/۳۸)۔ (۲) امثلہ: ۱- رمضان کے روزے کی حالت میں جماع کے صدور کا ذکر کرنے والے کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ”ایک غلام آزاد کرو“۔ ۲- ”لا يقضى القاضى وهو غضبان“ (کوئی قاضی غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کیا کرے۔ بخاری)۔ ۳- فرق کے لیے صفات کا ذکر ”للسرجل سهم ولل فارس سهمان“ (پیادہ کے لیے ایک حصہ ہے اور سوار کے لیے دو حصے ہیں)۔ درمیان میں دوسرے کلمات کا ذکر ”لا تقربوهن حتى يطهرن“ (جب تک وہ پاک نہ ہوں ان سے مقاربت نہ کرو۔ البقرہ/۲۲۲)۔ ”نصف ما فرضتم إلا أن يعفون“ (تو آدھا مہر دینا ہوگا ہاں اگر عورتیں معاف کر دیں۔ البقرہ/۲۳۷)۔ ”لا يؤاخذكم الله باللغو في أيمانكم ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان“ (خدا تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا۔ المائدہ/۸۹)۔ توضیح و افادہ کی زیادتی کے پیش نظر یہ کچھ مثالیں ذکر کی گئی ہیں۔

(ب) اجماع:

کسی وصف کی علیت پر مجتہدین کا اتفاق جیسے نابالغ بچے کے مال کی ولایت کے حق میں اس کا نابالغ ہونا، اس حکم کی اتفاقی علت ہے۔

(ج) استنباط:

(الف) تعریف:

عقل سے غور و فکر کے ذریعہ کسی وصف کو کسی حکم کے لیے علت قرار دینا۔

(ب) صورتیں:

اس کی دو ہیں: ۱- سبر و تقسیم۔ ۲- اظہار مناسبت۔

۱- سبر و تقسیم:

غور و فکر کے ذریعہ جو جو امور حکم مذکور کی علت بننے کی صلاحیت رکھتے ہو، ان کو نکالنا اور پھر ایک ایک پر غور کر کے جو نامناسب ہو، اس کو چھانٹنا اور جو مناسب ہو، اس کو متعین کرنا۔

۲- اظہار مناسبت:

کسی حکم کے لیے علیت کا احتمال رکھنے والے وصف کے متعلق شریعت کے اعتبار کی صورت و کیفیت کو بیان کرنا۔ (۱)

ان دونوں صورتوں کے علاوہ دوسری بھی صورتیں ذکر کی جاتی ہیں، جن کا

اعتبار نہیں ہے۔ (۲)

۶- اقسام:

دو ہیں: (الف) منصوصہ۔ (ب) مستنبطہ۔

(۱) نواع ج/۲، ص/۲۹۵-۳۰۰، توضیح ص/۵۵۳-۵۵۵، المدخل ص/۴۳۹، اصول الخلاف ص/۷۵-۷۷۔

(۲) نواع ج/۲، ص/۳۰۰، اور اس کے بعد۔

(الف) منصوصہ:

۱- تعریف:

وہ علت جو کسی صورت میں کسی نص میں منقول ہو۔ (اس کو موضوعہ اور وضعیہ

بھی کہتے ہیں)۔

۲- مثال:

حالت حیض میں صحبت کی ممانعت کی علت جسے قرآن میں اس حکم کے ساتھ ساتھ آیت ذیل میں ذکر کیا گیا ہے: "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَىٌّ فَاعْتَرِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ" (۱) (وہ لوگ آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ تو نجاست ہے، سو حالت حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو)۔

(ب) مستنبطہ:

۱- تعریف:

وہ علت جس کو اصول و ضوابط کے مطابق بذریعہ استنباط کسی نص سے

نکالا جائے۔

۲- امثلہ:

احکام شرع کے لیے ذکر کی جانے والی علتیں عموماً اسی قبیل کی ہیں۔ (۲)

علت کو کام میں لانے کے مراحل:

”مقیس“ کو ”مقیس علیہ“ کا حکم دینے کے لیے علت کو ترتیب وار تین مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، یا یوں کہیے کہ اس کے لیے تین قسم کے عمل کرنے پڑتے ہیں: ۱- تخریج۔ ۲- نتیجہ۔ ۳- تحقیق۔ اور چونکہ علت کو ”مناط“ بھی کہتے ہیں، اس لیے ان مراحل کے ساتھ ”مناط“ کی قید لگاتے ہیں۔

۱- تخریج مناسط:

کتاب وسنت میں مذکور معاملہ کے حکم کی علت کو تلاش کرنا کہ اس کے اندر پائے جانے والے کون کون سے اوصاف علت بن سکتے ہیں۔

مثلاً ایک اعرابی نے روزے کی حالت میں صحبت کر لی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزہ ٹوٹ گیا، قضاء و کفارہ دونوں واجب ہیں، اس میں غور کیا گیا کہ کیا کیا اوصاف ہیں، معلوم ہوا کہ بہت سے اوصاف ہیں، جیسے جماع کرنے والے کا اعرابی ہونا، اپنی بیوی سے صحبت کرنا، روزہ کی حالت میں جن چیزوں کی ممانعت ہوتی ہے، ان میں سے ایک کا پایا جانا۔

۲- تنقیح مناسط:

مقیس علیہ کے جو اوصاف علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے، ان کی کاٹ چھانٹ کر کے، جو وصف علت ہو سکتا ہے، اس کو متعین کرنا، جیسے مثال مذکور میں تین ممنوع امور یعنی کھانے پینے و صحبت کے علاوہ باقی کو چھانٹنا اور ممنوع تین امور میں سے کسی ایک کے ارتکاب کو علت قرار دینا۔

۳- تحقیق مناسط:

متعین کردہ علت کو ”مقیس“ میں تلاش کرنا اور پائے جانے پر ”مقیس علیہ“ کا حکم اس پر جاری کرنا، جیسے روزہ کی حالت میں کھانا کھالینے و پانی پی لینے کی صورت کا حکم جاننے کے لیے مذکورہ بالا واقعہ کی علت یعنی مفطرات ثلاثہ (روزہ کو توڑنے والی تین چیزوں) میں سے کسی کے ترک کی ان صورتوں میں تحقیق کے بعد قضاء و کفارہ کا حکم دینا۔ (۱)

(۱) المصادر ص/ ۶۵-۶۶، فواع ج/ ۲، ص/ ۲۹۸۔ بعض حضرات نے ان تینوں عنادین کی دوسری توضیحات کی ہیں، جن میں ان کا وہ باہمی ربط جو مذکورہ توضیحات سے ظاہر ہے باقی نہیں رہتا۔ (المصادر ص/ ۶۵-۶۶، فواع ج/ ۲، ص/ ۲۹۸)۔

باب دوم

استحسان

۱- تعریف:

(الف) لغوی: اچھا سمجھنا۔ (۱)
 (ب) اصطلاحی: کسی صورت کے لیے اس کے نظائر کے حکم کے بجائے کوئی
 دوسرا حکم تجویز کرنا، کسی ایسی دلیل کی بناء پر جو قوت کے ساتھ اس کا تقاضا کرتی ہو۔ (۲)

۲- قیاس و استحسان میں فرق:

یہ ہے کہ ”قیاس“ میں غیر مذکور صورت کو اس کے نظائر یعنی اتحاد علت کی رو سے اس کی جیسی صورتوں پر محمول کرتے ہیں، اور ”استحسان“ میں نظائر سے صرف نظر کر کے ان کے حکم کے بجائے دوسرا حکم اختیار کرتے ہیں۔ (۳)

۳- حجیت:

قرآن و حدیث اور امت کے تعامل و شریعت کے احکام نیز عقل سب سے

ثابت ہے۔

(الف) ارشادِ بانی ہے: ”اتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ“ (۴)

(اور تم اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے چھے حکموں پر چلو)۔

(۱) المصادر ص/ ۶۷، المدخل ص/ ۲۹۵۔ (۲) کشف ج/ ۴، ص/ ۳، توضیح ص/ ۵۶۵، المصادر ص/ ۷۰-۷۱،
 المدخل ص/ ۲۹۵-۲۹۶۔ یہ تعریف احناف میں ابو الحسن کرخی سے منقول ہے اور استحسان کی اقسام و تفصیلات کے
 مناسب قرار دی گئی ہے۔ (۳) المدخل ص/ ۳۰۴-۳۰۵۔ (۴) الزمر/ ۳۵۔

(ب) ارشاد نبوی ہے: ”ما راہ المسلمون حسناً فهو عند اللہ حسن“ (۱)
(جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے)۔

(ج) مختلف معاملات میں قیاس اور عام اصول کے خلاف مسلمہ احکام موجود ہیں، مثلاً مضطر کے لیے مردار کی اباحت۔ ”بیع سلم“ جس میں خریدا جانے والا سامان معاملہ کے وقت بیچنے والے کے قبضے میں نہیں ہوتا اور ضابطہ یہ ہے کہ جو سامان کسی کے قبضے میں نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں، مگر شریعت نے یہ صورت جائز قرار دی ہے۔

(د) عقلی دلیل (۲) یہ ہے کہ بسا اوقات عام حکم یا متعین اصول و قاعدے پر عمل یا قیاس ظاہر کو اپنانا شرعی مصلحت کے ضیاع بلکہ کسی فساد و بگاڑ کا باعث ہوتا ہے، تو شریعت کے ہی حدود میں رہ کر دوسرے حکم کو اختیار کیا جاتا ہے۔ (۳)

۴- اقسام:

استحسان کی بنیاد متعدد امور بنتے ہیں، ان کے پیش نظر ”استحسان“ کی چار

اقسام ہیں: (۴)

(۱) احمد و بیہقی۔ (۲) جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے کہ استحسان کی متعدد بنیادیں ہوتی ہیں، اور وہ صرف عقل و رائے پر ہی نہیں مبنی ہوتا، مگر بالخصوص اس کی تعریف کے سلسلہ میں اسی پہلو کو زیادہ نمایاں کیا گیا ہے، اور عموماً اسی انداز پر تعریف کی گئی ہے، اور حتیٰ کہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ اگر لفظ ”استحسان“ بغیر کسی قید کے ذکر کیا جائے تو اس سے ”استحسان بالعقل“ ہی مراد ہوتا ہے (قمر، ص/۲۳۳، توضیح ص/۵۶۷)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ استحسان کی چار معروف اقسام میں سے یہ قسم ہی زیادہ مفید و اہم ہے، اس لیے کہ بقیہ اقسام متعدی نہیں ہوتیں، یعنی ان پر دوسری صورتوں کو قیاس نہیں کر سکتے اور ”استحسان بالعقل“ پر دوسری صورتیں قیاس کی جاسکتی ہیں اور اسے قیاس کی ایک قسم ہونے کی حیثیت حاصل ہے، جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ (۳) المصادر ص/۷۷-۷۸، توضیح ص/۵۶۷۔

(۴) یہ اقسام جیسا کہ ذکر کیا گیا استحسان کی بنیاد و سند کے اعتبار سے ہیں، اور جس قسم کے حکم کو چھوڑ کر دوسری قسم کے حکم کو اپنایا جاتا ہے، اس کے اعتبار سے تین اقسام و صورتیں ہیں: ۱- قیاس ظاہر کے بجائے ظنی کو اپنانا جسے زمین کے وقف میں راستے کا شامل ہونا قیاس ظاہر تقاضا نہیں کرتا مگر استحسانا مانا گیا ہے کہ در نہ زمین سے کیونکر فائدہ اٹھایا جائے گا۔ ۲- حکم عام کا ترک جیسے قحط کے دنوں میں چوری کرنے والے کا ہاتھ نہ کاٹنا۔ ۳- حکم کلی کا ترک مثلاً شریعت کا ضابطہ ہے کہ جو چیز کسی انسان کے ہاتھ و قبضہ میں موجود نہیں اس کے بیچنے کا معاملہ نہیں کر سکتا، مگر اس ضابطہ کے خلاف بیع کی ایک خاص قسم جس کو ”سلم“ کہتے ہیں وہ جائز ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ =

(الف) امتحان بالاثار۔ (ب) امتحان بالا جماع۔ (ج) امتحان بالعقل۔

(د) امتحان بالضرورة۔ (۱)

(الف) امتحان بالاثار: (جس کو ”امتحان بالنص“ بھی کہتے ہیں)

۱- تعریف:

کسی آیت و حدیث کی وجہ سے نظائر کے حکم کے بجائے دوسرے حکم کو

اختیار کرنا۔

۲- مثال:

”معدوم“ یعنی جو چیز فی الحال بیچنے والے کے پاس موجود نہیں ہے، اس کا بیچنا نقلاً بھی منع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، اور عقلاً بھی کہ جو چیز موجود نہیں وہ اس لائق نہیں کہ اس کا کوئی معاملہ کیا جائے، لیکن بیع سلم جو معدوم (غیر موجود) کی بیع کی ہی ایک صورت ہے، اس لیے کہ بوقت معاملہ خریداری والا سامان بیچنے والے کے پاس موجود نہیں ہوتا، یہ ان احادیث کی بناء پر جائز ہے، جن میں ”بیع سلم“ کا جواز منقول ہے۔

(ب) امتحان بالا جماع: (جس کو ”امتحان بالعرف یا بالتعال“ بھی کہتے ہیں)

۱- تعریف:

کسی متفق علیہ معاملہ و برتاؤ کی وجہ سے نظائر کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو

اختیار کرنا۔

۲- مصداق اجماع:

اس موقع پر اجماع سے ”اجماع اصطلاحی“ مراد نہیں، بلکہ اجماع لغوی یعنی

= بوقت معاملہ بیچنے والے کے پاس مال نہیں موجود ہوتا بلکہ معاملہ میں مقرر کیے ہوئے وقت پر فراہم کر کے خریدنے والے کو پیش کرتا ہے۔ (المصادر، ص/۴۲-۴۳، اصول الخلاف ص/۸۰-۸۱)۔
(۱) تو فیح ص/۵۶۷، نور ص/۲۳۳، المصادر ص/۴۷۔

کسی امر پر اتفاق مراد ہے، خواہ یہ مجتہدین کا اتفاق ہو، جسے اصطلاح میں ”اجماع“ کہتے ہیں یا عوام و خواص سب کا جسے ”عرف“ و ”عادت“ اور ”تعامل“ سے تعبیر کرتے ہیں (۱)، اس تفصیل سے دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہے کہ ”اجماع“ نام ہے علماء مجتہدین کے اتفاق کا اور عرف و عادت کا ثبوت کسی علاقے کے عوام و خواص سب کے اتفاق پر موقوف ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ”اجماع“ میں وقت کے ہر مجتہد کا اتفاق ضروری ہے، اور عرف و عادت کے ثبوت میں دو ایک یا چند کا اختلاف اثر انداز نہیں ہوتا، اس کا ثبوت اکثریت سے بھی ہوتا ہے۔ (۲)

۳- مثال:

”استصناع“ یعنی آڈردے کر کسی چیز کا بنوانا، مثلاً جوتا بنانے والوں سے جوتا بنوانا، یہ بھی معدوم یعنی غیر موجود کی بیع کی ایک صورت ہے، اس لیے کہ اس

(۱) استحسان کی اس قسم کے حق میں یہ تفصیل احقر نے نور و قمر کی بعض عبارات اور الاشباہ و رسم المثنیٰ میں عرف و عادت سے متعلق تصریحات کی بنا پر ذکر کی ہے اور اس قسم کے لیے مذکورہ عناوین سے بھی یہ بات ظاہر ہے:

۱- عرف و عادت: وہ امر جس پر کسی علاقہ کے عام لوگوں کا عمل ہو، اور شاذ و نادر بنی افراد اس کے خلاف کرتے ہوں (اس لیے کہ عام معمول ہونے کی وجہ سے اس سے بچنا دشوار ہوتا ہے)۔ ۲- عرف و عادت کی حیثیت: دراصل مصالح کی ہے، اس لیے کہ عرف و عادت نظام زندگی کی ایک اہم ضرورت کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور شریعت مصالح کی رعایت کرتی ہے، اس لیے اس کی رعایت ایک شرعی ضرورت ہے۔ ۳- تقسیمات و اقسام: (الف) عرف کی باعتبار ذات دو اقسام ہیں: ۱- عرف قوی۔ ۲- عرف عملی۔ عرف قوی: لفظ کا وہ مفہیم جس کسی قوم میں رائج ہو اور عرف عملی: وہ عمل جس کے کسی علاقہ کے لوگ عادی ہوں۔ (ب) باعتبار وصف عرف کی دو اقسام ہیں: عام اور خاص۔ ۱- عام: جو کسی علاقے کے ساتھ خاص نہ ہو، اس سے عام حکم ثابت ہوتا ہے حتیٰ کہ اس سے تخصیص بھی صحیح ہے جیسا کہ آپ تخصیص کی بحث میں پڑھ چکے ہیں، قیاس کی بھی اور کتاب و سنت کی بھی۔ ۲- خاص: جو کسی ایک علاقہ کے ساتھ خاص ہو، اس سے خاص حکم ثابت ہوتا ہے، اور اس سے تخصیص جائز نہیں ہے۔ (ج) باعتبار حکم عرف کی دو اقسام ہیں: حسن اور فاسد۔ ۱- حسن: وہ عرف جو نہ کسی نص کے مخالف ہو اور نہ کسی مفہم کو مستلزم ہو۔ ۲- فاسد: وہ عرف جو کسی نص کے مخالف ہو یا کسی مصلحت کے ضیاع اور مفہم کو مستلزم ہو، ان دونوں اقسام میں سے صرف عرف حسن و صحیح کا شریعت اعتبار کرتی ہے، فاسد کا نہیں۔ ۳- عرف پر مبنی احکام: زمانہ و علاقہ کے بدلنے کی وجہ سے بدلتے رہتے ہیں۔ (نور و قمر ص/ ۲۴۳، ۸، رسم المثنیٰ ص/ ۹۲-۹۹، المصادر ص/ ۲۳۵-۲۳۶، تاریخ المذاہب ج/ ۲، ص/ ۱۶۳، الاشباہ ص/ ۱۰۳، ۹۳)۔ (۲) المصادر ص/ ۱۳۵۔

صورت میں مطلوبہ چیز کے بننے اور وجود میں آنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت اور قیمت کا معاملہ ہوتا ہے، مگر ہر زمانے میں بغیر کسی تکلیف کے سب کا اس معاملہ کو جاری رکھنا خلاف قیاس اس کے جواز کی دلیل ہے۔

(ج) استحسان بالعقل: (جس کو ”استحسان بالقیاس“ بھی کہتے ہیں)

۱- تعریف:

کسی غیر ظاہر عقلی دلیل کی وجہ سے نظائر کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اختیار کرنا۔

۲- دیگر تعبیر:

اس کی تعبیر ”قیاس خفی“ ہے، اسی کے اعتبار سے قیاس کی دو اقسام ذکر کی جاتی ہیں:

۱- قیاس جلی:

جس سے ”قیاس معروف“ مراد لیتے ہیں۔

۲- قیاس خفی:

جس کا مصداق یہ قسم ہے اور عموماً کتب اصول میں ”استحسان“ سے یہی قسم

مراد لی جاتی ہے۔ (۱)

۳- مثال:

زمین کو وقف کرنے کی صورت میں سینچائی کے لیے پانی کے آنے اور کھیتی کی ضرورت کو انجام دینے والوں کے لیے آنے جانے کا راستہ قیاساً وقف میں نہیں داخل ہوتا۔

(۱) بلکہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی قید نہ لگی ہو تو یہی قسم مراد ہوگی۔ (قرص/۲۳۳، توضیح

اس لیے کہ وقف کرنے والا تو صرف زمین وقف کرتا ہے، مگر چونکہ زمین تک پہنچے بغیر اور پانی کے بغیر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا، اس لیے استحساناً یہ دونوں راستے بھی وقف میں داخل مانے جاتے ہیں۔

۳۔ حکم:

اس قسم کا خصوصی حکم یہ ہے کہ چونکہ اس کی بنیاد عقل و قیاس ہوتی ہے، اس لیے یہ قسم متعدی ہوتی ہے، یعنی اس قسم کے احکام کو دوسرے کے لیے مقیاس علیہ بنا سکتے ہیں۔ (۱)

اسی لیے اس کو ”قیاس خفی“ کا عنوان دے کر ”قیاس مطلق“ کی دوسری قسم قرار دیتے ہیں، اور پہلی جس سے ”قیاس معروف“ کو مراد لیتے ہیں، اس کو ”قیاس جلی“ کہتے ہیں اور چونکہ یہ قسم قیاس معروف کی معارض ہوتی ہے، اس لیے اگر قوت یا اصول کی رو سے ”قیاس جلی“ پر راجح قرار پائے، تو اس پر عمل ہوتا ہے، ورنہ ”قیاس جلی“ پر عمل ہوتا ہے۔ (۲)

(۱) نواہج ج ۲/ص ۳۲۱، حسامی ص ۱۰۳، نور ص ۲۳۵۔ (۲) قیاس و استحسان کے باہمی تقابل اور ایک دوسرے پر رجحان کے سلسلہ کی تفصیلات کے تحت مذکور ہے، اگر دونوں قوی یا ضعیف ہوں تو اصول ترجیح کے مطابق کسی ایک کو راجح قرار دیا جائے گا اور اگر ایک قوی اور ایک ضعیف ہے تو قوی ضعیف پر راجح ہوگا اور قوت و ضعف کی نسبت سے ان دونوں کی دو دو اقسام قرار دی گئی ہیں: (الف) استحسان قوی الاثر اور ظاہر الصحیح خفی الفساد۔ (ب) قیاس ضعیف الاثر اور ظاہر الفساد خفی الصحیح۔ استحسان کی قسم اول قیاس کی قسم اول پر راجح ہوتی ہے اور قیاس کی قسم دوم استحسان کی قسم دوم پر۔ پہلی صورت کی مثال مردہ خور پرندوں کا جھوٹا قیاساً نجس ہونا چاہیے کہ ان کا گوشت حرام ہے، مگر استحساناً ان کا جھوٹا پاک ہے، اس لیے کہ پانی پینے میں برتن وغیرہ کے اندر ان کا لعاب نہیں گرتا، وہ چونچ کے ذریعہ پانی پیتے ہیں اور ورنہ منہ ڈال کر پیتے ہیں تو لعاب برتن میں چلا جاتا ہے۔ دوسری صورت کی مثال جگہ تلاوت کو اگر رکوع کے ذریعہ ادا کیا جائے تو استحسان کا تقاضا ہے کہ درست نہیں جیسے کہ نماز کے جگہ کی جگہ رکوع درست نہیں ہے، مگر قیاس کا تقاضا ہے کہ رکوع وجود دونوں اعمال تعظیم کے لیے کیے جاتے ہیں، اس لیے یہ درست ہے اور نماز میں ایسا اس لیے درست نہیں کہ نماز میں رکوع وجود دونوں عمل مستقلاً مطلوب و مقصود ہیں اور جگہ تلاوت میں غرض صرف اظہار تعظیم ہے، جس کا حصول دونوں سے ہو جاتا ہے، اس لیے جگہ کی جگہ رکوع بھی کافی ہے۔ (نواہج ج ۲/ص ۳۲۲-۳۲۳، نور ص ۲۳۳-۲۳۵، حسامی ص ۱۰۳-۱۰۴)۔

(د) استحسان بالضرورة:

۱- تعریف:

ضرورت یعنی مجبوری کے حالات کی وجہ سے نظائر کے حکم کو چھوڑ کر دوسرے حکم کو اختیار کرنا۔

۲- تعریف ضرورت:

وہ حالت جس میں عام حالات کے احکام پر عمل کی صورت میں ضیاع جان کا یقین ہو، یا جلد اس کی نوبت آنے کا گمان غالب ہو۔ (۱)

۳- امثلہ:

مجبور کے لیے مردار کا کھانا، علاج کی غرض سے ستر کا دیکھنا و دکھانا۔ (۲)

(۱) فقہاء نے اس قسم کے حالات کے دو مراحل تجویز کیے ہیں: ایک کو "ضرورت" اور دوسرے کو "حاجت" کا عنوان دیتے ہیں، ضروریات کا معنی موجودہ حالات ہوتے ہیں اور حاجت کا موجودہ حالات کے پیش نظر متوقع حالات جبکہ موجودہ حالات کے حق میں یہ گمان غالب ہو کہ یہ مستقبل میں ضرورت کے مرحلہ میں داخل کر دیں گے، شریعت جیسے ضرورت کے مرحلہ میں رخصت دیتی ہے ویسے ہی حاجت کے مرحلہ میں بھی۔ (تفصیل کے لیے الاشاہ کا قاعدہ "الضرر یزال" ملاحظہ کیا جائے، احقر نے ضرورت کی تعریف میں ان دونوں مراحل رخصت کو جمع کر لیا ہے اور پہلی مثال ضرورت پر اور دوسری حاجت پر مبنی ذکر کی ہے)۔ (۲) فوائج ج/۲، ص/۳۲۰-۳۲۱، حسامی ونظامی ص/۱۰۴، نور ص/۲۳۳-۲۳۵۔

باب سوم استصلاح

۱- تعریف:

(الف) لغوی: کسی چیز کو صلاح والا یعنی مصلحت پر مبنی سمجھنا۔
(ب) اصطلاحی: مصالح مرسلہ کی بنیاد پر کسی چیز کا حکم بیان کرنا۔ (۱)

۲- حجیت:

کی سب سے بڑی دلیل حضرات خلفاء راشدین و صحابہ کا عمل ہے، ان حضرات کے فیصلوں و فتاویٰ کی بنیاد زیادہ تر انھیں مصالح پر ہوتی تھی۔ (۲)

۳- اہمیت:

یہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کی بنیاد مصالح پر ہے، اور حالات و ضروریات کی ایک ہی صورت نہیں ہوتی، بلکہ بدلتی رہتی ہے، اور اس کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں، مصلحت ہی حکم و مطالبہ کا مدار ہے، جس کام میں مصلحت ہے وہ مطلوب اور جو مصلحت سے خالی ہو، وہ مذموم ہوتا ہے، خواہ مصلحت دنیا کی ہو یا آخرت

(۱) المدخل ص/۳۰۷، المصادر ص/۸۶، اصول الخلاف ص/۸۲۔ (۲) البتہ صحابہ کے بعد اس کا ذرہ نقل محدود ہوتا گیا اور اس کے بجائے قیاس کو زیادہ پسند کیا گیا اور رواج دیا گیا، اس لیے کہ قیاس کی بنیاد کسی نہ کسی اصل شرعی پر ہوتی ہے، لہذا اس میں احتیاط کا پہلو غالب ہوتا ہے، بمقابلہ استصلاح کے کہ اس کی بنیاد محض مصلحت ہوتی ہے، جس کی طرف عقل رہنمائی کرتی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ قرآن و سنت میں اس کا رد منقول نہیں ہوتا، اس لیے محض مصلحت کی رعایت میں بہت سی احادیث صریحہ و صحیحہ کے ترک کی نوبت آسکتی ہے اور صحابہ کے بعد یہ خوف و خطرہ برابر بڑھتا ہی رہا ہے۔ (تاریخ التشریح الاسلامی ص/۲۳)۔

کی اور خواہ بندے اسے سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔ (۱)

۴۔ مصلحت کی تعریف:

کسی منفعت کی تحصیل یا تکمیل یا کسی مضرت و تنگی کے ازالہ یا تخفیف کی وہ صورت جو شارع کے مقصود کی رعایت و حفاظت پر مبنی ہو۔ (۲)

۵۔ اقسام مصلحت:

تین ہیں: (الف) ضرورات۔ (ب) حاجات۔ (ج) تحسینات۔

(الف) ضرورات:

۱۔ تعریف: وہ امور کہ جن سے انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کے بقاء کی خاطر کسی طرح صرف نظر ممکن نہ ہو۔

۲۔ اصولاً اس کے تحت پانچ چیزوں کی حفاظت آتی ہے:

۱۔ دین۔ ۲۔ جان۔ ۳۔ نسل۔ ۴۔ عقل۔ ۵۔ مال۔

۳۔ مثلاً: ۱۔ جہاد ”دین“ کی حفاظت کے لیے۔ ۲۔ قصاص ”جان“ کی حفاظت کے لیے۔ ۳۔ زنا کی سزا ”نسل“ کی حفاظت کے لیے۔ ۴۔ شراب کی حد ”عقل“ کی حفاظت کے لیے۔ ۵۔ چوری کی حد ”مال“ کی حفاظت کے لیے ہے۔

(ب) حاجات:

۱۔ تعریف: وہ امور جن سے ایک درجہ مشقت کے ساتھ صرف نظر ممکن ہو۔

۲۔ اس کے تحت وہ امور آتے ہیں کہ جن سے مالی تنگی دور ہوتی ہے، فرائض کی ادائیگی میں مشقت کی کمی اور معاملات میں سہولت و آسانی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ مثلاً خرید و فروخت و نکاح و طلاق اور اس جیسے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں و ضروریات سے متعلق معاملات۔

(۱) نوایح ج/۲/ص/۲۶۰، توضیح ص/۵۴۸، المدخل ص/۳۰۸-۳۰۹، المصادر ص/۹۰-۹۱۔ (۲) السعفی ج/۱، ص/۲۸۶، المدخل ص/۳۰۹۔

(ج) تحسینات:

۱- تعریف: وہ امور جو انسانی زندگی میں ظاہر و باطن دونوں کے اعتبار سے حسن و خوبصورتی کا ذریعہ بنیں۔

۲- اصولاً اس کے تحت وہ چیزیں آتی ہیں جو عمدہ اخلاق اور اچھی عادات و فضائل کے قبیل سے ہوں۔

۳- مثلاً طہارت، ستر کا ڈھانکنا، نماز کے لیے مناسب لباس کا پہننا۔

(د) تتمات:

ان تینوں اقسام کے تتمات بھی ہیں، یعنی ایسے امور جن سے ان کو تقویت ہوتی ہے، مثلاً:

”ضرورات“ کا تتمہ دو ایک قطرے شراب پینا ہے، جس سے نشہ نہیں آتا۔
 ”حاجات“ کا تتمہ نکاح میں مہر مثل اور کفو کا اعتبار ہے۔ ”تحسینات“ کا تتمہ طہارت کے مستحبات و آداب۔

۶- مراتب و باہمی ربط:

ان اقسام کے مراتب اسی ترتیب کے اعتبار سے ہیں، جس ترتیب سے ان کو ذکر کیا گیا ہے، یعنی اعلیٰ ضرورات اس سے کمتر حاجات اور ادنیٰ تحسینات اور ان کے تتمات کی بھی یہی ترتیب ہے، اگر ادنیٰ کی رعایت میں اعلیٰ کا نقصان ہو تو ادنیٰ کو چھوڑ دیں گے، جیسے علاج کے لیے کشف ستر، کہ علاج کے قبیل سے ہے، اور ستر کا چھپانا تحسینات کے باب سے، علاج کے لیے اس کے ترک کو گوارا کر لیا گیا ہے، ایسے ہی ضروریات کے تحت مذکور پانچوں امور میں جو پہلے مذکور ہے، اس کی خاطر بعد والے کے نقصان و ضرر کو گوارا کیا جائے گا، اور یہ باہم یوں مرتبط ہیں کہ حاجات، ضرورات کے لیے بہ منزلہ تتمہ ہیں کہ ”حاجات“ سے ضرورات کی پیش بندی ہوتی

ہے، اور ”تحسینات“ ”حاجات“ کے لیے یہی حیثیت رکھتی ہیں کہ ”تحسینات“ سے حاجات کا انتظام و سدباب ہوتا ہے۔ (۱)

۷۔ بنیاد مصلحت:

مصلحت خواہ جس قسم کی ہو، اس کی بنیاد و امر میں سے کوئی ایک ہوتا ہے:

(الف) جلب منفعت، یعنی کسی فائدہ و نفع کا حصول۔

(ب) دفع مضرت و حرج، یعنی کسی نقصان و تنگی کا ازالہ و دوری۔ (۲)

۸۔ مصلحت مرسلہ:

کسی چیز کا وہ حال جس کی رعایت کرنے میں مجتہد کو عامۃ الناس کا نفع سمجھ میں آئے اور کسی خاص نص میں نہ اس کا اعتبار منقول ہو اور نہ رد۔ (۳)

۹۔ بشرائط اعتبار:

مصلحت مرسلہ کی بنیاد پر کسی حکم کو اختیار کرنے کے حسب ذیل شرائط ہیں:

(الف) اس کی بابت کوئی نص منقول نہ ہو۔

(ب) شریعت میں اس کی کوئی نظیر منقول نہ ہو کہ جس پر اس کو قیاس

کر لیا جائے۔

(ج) کسی نص و اجماع کے معارض نہ ہو۔

(د) مصلحت شخص نہ ہو، بلکہ اجتماعی ہو، خواہ عالمی یا ملکی و علاقائی، بعض

استصلاحی مسائل سے جزئی مصالح کی رعایت کی بھی گنجائش نکلتی ہے۔

(۱) فوائح ج ۲/ص ۲۶۲-۲۶۳، المدخل ص ۳۱۳۔ (۲) فوائح ج ۲/ص ۲۶۳، الصادر ص ۱۸۸۔ ہر مصلحت

کا بنی ان میں سے کوئی ایک امر ہوتا ہے، نیز یہ کہ جلب منفعت کی صورت میں کبھی کسی منفعت کی تکمیل ہوتی ہے اور کبھی شروع سے اس کا حصول جیسے کہ دفع مضرت کی صورت میں کبھی ضرر کی تکمیل و تخفیف ہوتی ہے اور کبھی اس کا مکمل ازالہ جیسا کہ مصلحت کی تعریف میں واضح بھی کر دیا گیا ہے۔ (۳) فوائح ج ۲/ص ۲۶۶، الصادر

ص ۸۸، المدخل ص ۳۱۱۔

(ہ) شرعی دلائل سے اس کا مصلحت ہونا ثابت ہو، یعنی اگرچہ کسی نص سے اثبات یا نفی کے ساتھ اس مصلحت کا ثبوت نہ ہو، مگر شرعی اصول و قواعد سے یہ سمجھا جاتا ہو کہ شریعت اس کو گوارا کرتی ہے اور مصلحت کے درجہ میں رکھتی ہے۔ (۱)

۱۰- امثلہ:

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا قرآن مجید کو کتابی صورت میں جمع کرانا، حضرت عثمان کا اسی مجموعہ کی نقول کو تمام عالم اسلام میں بھیجنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ پانے والوں کے لیے رجسٹر کو جاری کرنا، اسلامی سکے ڈھلوانا اور اس طرح کے بہت سے انتظامی امور جن کو مصالح کے پیش نظر اپنایا گیا، حالانکہ ان مصالح کا تذکرہ کسی نص میں نہیں ہے۔ (۲)

۱۱- قواعد استصلاح:

سابقہ تفصیلات سے ظاہر ہے کہ ”استصلاح“ کی بنیاد ”مصلحت“ ہوتی ہے، جیسے کہ قیاس کی بنیاد ”علت“ ہوتی ہے۔ (۳)

اور وہ مصلحت بھی ایسی کہ شریعت کے کسی جزئیہ سے اس کا رد یا قبول ثابت نہ ہو، ظاہر ہے کہ کسی ایسی ”مصلحت“ کی تجویز کہ جس کا شریعت کی رو سے قبول ثابت نہ ہو تو رد بھی ثابت نہ ہو، اور اس تجویز کردہ مصلحت کو کسی حکم شرعی کی بنیاد بنانا نہایت ذمہ داری کا کام ہے، اور دین کی گہری واقفیت و بصیرت کا محتاج ہے، اس لیے عہد صحابہ و تابعین میں تو اس سے بہت کام لیا گیا، بلکہ زیادہ تر اسی سے کام لیا گیا، مگر بعد میں ”قیاس“ وغیرہ کی طرح اس کے اصول و ضوابط کے نہ ہونے کی وجہ سے اس کے حق میں احتیاط برتی گئی۔

اور ملت کی بنیاد پر احکام کے بیان کو زیادہ پسند کیا گیا اور ترویج دی گئی اور

(۱) المدخل ص ۳۰۱-۳۰۲، المصادر ص ۹۹-۱۰۰، (۲) المصادر ص ۹۸، (۳) مسند و ملت سے درمیان

فرق ملت کے بیان کے تحت واضح لیا جاتا ہے۔

بہت سے ایسے قواعد بھی اپنائے گئے، جو ”اصحاح“ کے باب میں رہنمائی کا کام کر سکیں اور اس کی بنیاد بن سکیں، چنانچہ ”مصالح“ سے متعلق جو تفصیلات ذکر کی گئی ہیں، ان کی تجدید کا منشا یہی ہے، نیز وہ قواعد جن کے ظاہر الفاظ ہی مصالح کی رعایت کو بناتے ہیں، اسی قبیل سے ہیں، مثلاً ”الضرر یزال“ (ضرر کو دور کیا جاتا ہے)، ”دفع المضرة أولى من جلب المنفعة“ (منفعت کی تحصیل کے مقابلہ میں دفع مضرت اولیٰ ہے)، ”الضرورات تبیح المحظورات“ (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)، ”المشقة تجلب التیسیر“ (مشقت سہولت پیدا کر دیتی ہے)، اس قسم کے بہت سے قواعد (۱) جن کا خصوصی مخزن علامہ ابن نجیم مصری کی کتاب ”الأشبہ والنظائر“ اور مفتی عمیم الاحسان صاحب کی کتاب ”قواعد الفقہ“ ہے۔

(۱) المصادر ص/ ۸۶-۸۷، تاریخ التشریح الاسلامی ص/ ۳۰۰، المدخل ص/ ۳۳۲-۳۳۹۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اصحاح قواعد مصلحت سے استدلال کا نام ہے، اور قیاس طل احکام سے استدلال کو کہتے ہیں، یعنی اگر کسی غیر منصوص صورت کا حکم بیان کرنے میں قواعد مصلحت کو بنیاد بنایا جائے تو اسے اصحاح کہیں گے اور اگر طل کو بنیاد بنایا جائے تو قیاس کہیں گے، مگر جیسا کہ شرائط کے ذیل میں ذکر کیا گیا اصحاح کے لیے شرط ہے کہ کوئی مناسب مقیاس ملے جو جو نہ ہو، ورنہ محض مصلحت کی بنیاد پر فیصلہ ہائز نہ ہوگا۔ الاسعدی۔

باب چہارم

استصحاب

۱- تعریف:

(الف) لغوی: ساتھ میں لینا اور رکھنا۔

(ب) اصطلاحی: کسی چیز کے سابق حال و حکم کو حجت بنانا۔ (۱)
یعنی کسی شے کو اس کے سابق حال و حکم پر باقی رکھنا، کسی ایسی مستقل دلیل کے بغیر جس سے اس حال و حکم کا بقاء ثابت ہو۔

۲- حجیت و اہمیت:

”استصحاب“ فطری دلیل ہے، دستور چلا آرہا ہے کہ اگر کسی چیز کے وجود و ثبوت کا کسی ذریعہ سے علم ہو تو جب تک کوئی دلیل اس کے خلاف نہ پائی جائے، اس کو موجود ہی مانا جاتا ہے، ایسے ہی اگر کسی چیز کا عدم وجود طے ہو تو جب تک اس کے وجود پر دلالت کرنے والی کوئی دلیل سامنے نہ آئے، اسے معدوم قرار دیا جاتا ہے، اس کی اسی حیثیت کی بناء پر فقہاء بھی اسے استعمال کرتے ہیں، جبکہ انھیں کسی چیز کا حکم کسی دوسری دلیل سے معلوم نہ ہو سکے، اسی لیے اصولیین نے اسے افتاء کا آخری مدار و سہارا قرار دیا ہے، جیسا کہ آپ تعارض دلائل کے تحت ملاحظہ فرمائیں گے۔

اور فقہ کے بعض کلی قواعد کی بنیاد اسی ”استصحاب“ پر ہے، مثلاً:

- (الف) ”الأصل بقاء ما كان على ما كان.“
- (ب) ”الأصل براءة الذمة“ (اصل یہ ہے کہ ہر انسان دوسروں کے حقوق و مطالبات سے بری الذمہ و خالی ہو)۔
- (ج) ”الأصل فى الأشياء الإباحة.“
- (د) ”اليقين لا يزول بالشك“ وغیره۔

۳- اقسام:

دو ہیں: (الف) استصحاب عدم اصلی۔ (ب) استصحاب حکم شرعی۔

(الف) استصحاب عدم اصلی:

۱- تعریف:

کسی چیز کے حق میں اصلاً نہ ہونے کو حجت بنانا۔

۲- مثال:

کسی انسان پر دوسرے کے حقوق کا نہ ہونا، اس لیے کہ اصل یہی ہے کہ ہر آدمی بری الذمہ ہو، اور اس پر کسی کا کچھ نہ ہو، اسی لیے اگر کوئی شخص کسی پر کوئی دعویٰ کرتا ہے، تو اسے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے گواہ پیش کرنے پڑتے ہیں۔

(ب) استصحاب حکم شرعی:

۱- تعریف:

شریعت کے سابق حکم کو حجت بنانا، خواہ حکم اثبات کا ہو یا نفی کا۔

۲- مثال:

نکاح کے بعد زوجیت کا باقی رہنا۔

۳- حکم:

اس کے ذریعہ دوسرے کے دعویٰ کو رد کیا جاسکتا ہے، مگر اس کی بنیاد پر کوئی حق نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ (۱)

۳- مثال برائے توضیح:

ایک چیز مدتوں سے بکر کے پاس ہے، زید دعویٰ کرے کہ یہ چیز میری ہے تو اس کا دعویٰ مقبول نہ ہوگا، جب تک کہ گواہ نہ پیش کرے اور وہ چیز بکر کی ہی قرار دی جائے گی۔ اور اگر یہی چیز کسی طرح بکر کے پاس سے زید کے پاس چلی آئے اور بکر دعویٰ کرے کہ یہ میری ہے، اس لیے کہ مدتوں سے میرے پاس تھی، تو بکر کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، پہلی صورت میں استصحاب کو زید کا دعویٰ رد کرنے کے لیے حجت بنایا گیا اور دوسری صورت میں بکر کا حق ثابت کرنے کے لیے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

”مفقود“ یعنی وہ شخص جو لاپتہ ہو جائے اور اس کی زندگی و موت کی خبر معلوم نہ ہو، تو ایک خاص عرصہ تک اس کو زندہ ہی قرار دیا جاتا ہے، اس لیے کہ موت کا کسی دلیل سے علم نہیں ہوتا، اور یہی استصحاب ہے، ایسے شخص کے احکام میں سے یہ ہے کہ نہ تو اس کی بیوی دوسرا نکاح کر سکتی ہے (۲) اور نہ ہی اس کا مال تقسیم کیا جاسکتا ہے، استصحاب کی بناء پر دوسروں کے دعویٰ و مطالبوں کو رد کیا جاتا ہے، اور اگر اس کا کوئی قریبی عزیز مر جائے تو میراث میں اس کا حصہ نہیں لگایا جاتا، یعنی استصحاب کو اس کے لیے استحقاق میراث کے حق میں دلیل نہیں بنایا جاتا۔ (۳)

(۱) ذرائع ج/۲/ص/۳۵۹، توضیح ص/۵۸۷، نور ص/۲۳۸، المصادر ص/۱۵۱-۱۵۳، اصول الخلاف ص/۹۱-۹۲، استصحاب کا حکم مذکور بعض اکابر متقدمین احناف کا مذہب ہے مثلاً ابو منصور، ابو زید دیوبند، شمس الائمہ سرخسی، فخر الدین بزدوی، متأخرین اس کی جویت کے قطعاً منکر ہیں۔ (۲) یہ بہت سے علماء شرعی پنجابیت کے ذریعہ طلاق حاصل کر کے نکاح کی اجازت دیتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الحیلة الناجزہ۔ الاسعدی)۔

(۳) الاشاہ ص/۷۲، اصول و مہدہ ص/۱۰۷۔

خاتمه

- باب اول : تعارض دلائل۔
- باب دوم : اجتهاد و تقلید۔

باب اول

تعارض دلائل

کبھی ایک ہی معاملہ و مسئلہ سے متعلق دلائل ہمارے علم کی نسبت سے باہم متعارض ہوتے ہیں، اس صورت میں کیا طریق کار اپنایا جائے، یہ بحث طویل بھی ہے اور دقیق بھی، مختصراً چند اہم اصولی باتیں ذکر کی جا رہی ہیں، جو اس باب کے حق میں تعارف و رہنمائی کا کام کر سکیں۔

۱- تعریف:

(الف) لغوی: باہم ٹکرانا۔

(ب) اصطلاحی: دلائل سے حاصل ہونے والے احکام کا ایک دوسرے

کے خلاف اس طور پر ہونا کہ ایک پر عمل سے دوسرے کا چھوڑنا لازمی ہو۔

۲- شرائط تعارض:

تعارض کے تحقق کے لیے چار چیزوں میں اختلاف اور چار میں اتحاد

ضروری ہے۔

(الف) اختلافی امور:

ایجاب و نفی میں کہ ایک ایجاب و اثبات کا تقاضا کرے اور دوسری نفی و

انکار کا۔

حلت و حرمت میں کہ ایک حلت کا اور دوسری حرمت کا تقاضا کرے۔

(ب) اتفاقی امور:

۱- وقت۔ ۲- محل۔ ۳- شخص۔ ۴- جنس۔

جب کسی معاملہ سے متعلق دو دلیلیں چار امور کے حق میں مختلف ہوں اور آخری چار میں متحد ہوں تو اس وقت ان میں تعارض ثابت ہوتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں، ایک ہی چیز کی بابت، ایک ہی شخص کے لیے، ایک ہی قسم کے دلائل کا حلت و حرمت یا اثبات و نفی کے حق میں اس طور پر اختلاف ہو کہ کسی ایک پہلو کو اختیار کرنے پر دوسرے پہلو کا چھوٹنا ضروری ہو۔

تنبیہ:

قرآن و حدیث کے دلائل میں اس انداز کا باہمی اختلاف ہمارے علم کی نسبت سے ہوتا ہے، حقیقت کے اعتبار سے نہیں، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت کا بخوبی علم ہوتا ہے کہ کیا حکم کس موقع محل و حال کے لیے ہے اور کیا کس کے لیے، ہم بندے چونکہ اپنے علم کے مطابق اس کے سمجھنے سے عاجز ہوتے ہیں، اس لیے ہمیں تعارض و اختلاف سمجھ میں آتا ہے۔

۳- تعارض کو دور کرنے کا طریقہ:

اگر کسی ایسے مسئلہ کی بابت اجماع مل جائے تو وہی مدار و معتبر ہوگا، ورنہ چونکہ دلائل مختلف قسم کے ہوتے ہیں، اس لیے دفع تعارض کے لیے مختلف صورتیں و طریقے اختیار کیے جاتے ہیں۔ (۱)

(الف) قرآنی دلائل:

یعنی اگر دونوں دلیلیں قرآن کی آیات ہوں تو:

۱- اگر کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ کون سی آیت پہلے اور کون سی بعد

میں نازل ہوئی تو ”نسخ“ کے قول کو اختیار کیا جائے گا، بعد والی کو نسخ اور پہلے والی کو منسوخ قرار دیا جائے گا۔

۲- اگر یہ ممکن نہ ہو ترجیح کو اپنایا جائے گا اور اصول ترجیح کی مدد سے ایک کو دوسرے پر راجح و مقدم قرار دیا جائے گا۔

ترجیح کی بنیاد دلیل کی قوت و ضعف ہوتی ہے، جس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ ”اصل اول“ کے تحت بعض مواقع پر اس سلسلہ کی توضیحات و مثالیں مذکور ہیں، ترجیح کی بنیاد دلائل کی کثرت نہیں ہوتی کہ اگر ایک پہلو سے متعلق یا ایک قسم کے دلائل زیادہ ہوں تو انھیں دلائل کا اعتبار ہو اور قلت کا نہ ہو، البتہ اگر کثرت تو اتر و شہرت کی حد کو پہنچ جائے تو کثرت ہی ترجیح کا مدار ہوگی، اگرچہ یہ قاعدہ سنت کے ہی دلائل میں نچلے گا، دوسری جگہ نہیں کہ تو اتر و شہرت کی بحث اسی کے تحت آتی ہے۔

ترجیح کے بہت سے اصول ہیں، اور کتاب و سنت اور قیاس ہر ایک کے لیے، بعض مشترک ہیں، اور بعض ممتاز یعنی کسی ایک کے لیے۔

۳- اگر ترجیح ممکن نہ ہو تو بقدر امکان دونوں کو جمع کرنے کی کوئی صورت

اختیار کی جائے گی۔

جمع کے بھی مستقل اصول ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(الف) اگر دونوں خاص ہوں تو ایک سے حقیقت اور دوسرے سے مجاز یا

ایک سے ایک حال اور دوسرے سے دوسرا حال مراد لیا جائے گا۔

(ب) اگر دونوں مطلق ہوں تو ایک میں قید لگا دی جائے گی۔

(ج) اگر دونوں عام ہوں تو ہر ایک کو الگ الگ انواع پر محمول کریں گے،

یعنی ایک سے ایک نوع اور دوسری سے دوسری نوع مراد لیں گے۔

(د) اگر ایک عام اور ایک خاص ہو تو عام کو مخصوص قرار دیں گے۔

(ہ) ایک کا تعلق قرآن سے اور ایک کا سنت سے ہو اور سنت متواترہ یا مشہور ہو تو قرآن کے حکم پر سنت کے حکم کا اضافہ کر دیں گے، ورنہ فرق مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے دونوں پر عمل کریں گے، قرآنی حکم کو فرض اور سنت سے ثابت حکم کو واجب و مستنون قرار دیں گے۔

۴۔ جمع بھی ممکن نہ ہو تو احادیث کی طرف اور وہ نہ ہوں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کریں گے، اور ان سے حل نہ ہو سکے تو قیاس کا سہارا لیں گے۔ (۱)

(ب) سنت کے دلائل:

ان کے تعارض میں بھی سابق تفصیل ہوگی۔
اولاً نسخ وہ ممکن نہ ہو تو ترجیح سنت کے اصول ترجیح کے مطابق وہ ممکن نہ ہو تو سنت کے اصول جمع کے مطابق جمع، اور جمع بھی ممکن نہ ہو تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

(ج) اقوال صحابہ:

ان میں اگر تعارض ہو اور ترجیح و جمع ممکن نہ ہو تو سب کو چھوڑ دیں، ایسا نہیں کیا جائے گا بلکہ دل کے رجحان و انشراح کے مطابق کسی ایک صحابی کے قول کو اختیار کر لیا جائے گا۔ (۲)

(د) قیاس:

اگر اقوال صحابہ نہ مل سکیں تو قیاس کی طرف رجوع کریں گے اور اگر خود قیاسی دلائل میں تعارض ہو کہ ایک حکم کی جو علتیں بذریعہ قیاس نکالی جائیں وہ متعارض ہوں تو ترجیح کو اختیار کریں گے اور ترجیح ممکن نہ ہو تو دل کے انشراح و رجحان کے مطابق ایک پر عمل کریں گے۔ (۳)

(۱) فوائج ج ۲، ص ۱۲۹، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۰۴، ۲۱۱، ۲۲۳، ۳۲۳، ۳۸۱۔ (۲) فوائج ج ۲، ص ۱۹۳۔

(۳) فوائج ج ۲، ص ۱۹۳۔ قیاس نے حق میں ترجیح کے مستقل ضوابط و قواعد ہیں۔

(د) استحسان:

استحسان و قیاس میں تعارض ہو تو حسب ضابطہ کبھی قیاس کو اور کبھی استحسان کو ترجیح ہوتی ہے۔ (۱)

(د) اصحاب:

اگر قیاس سے حل نہ نکلے تو اصل و سابق حال و حکم کو اختیار کیا جائے گا۔ (۲)

۴۔ امثلہ:

(الف) جس عورت کا شوہر مر جائے، اس کی عدت کے متعلق ایک آیت ہے:

”وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ

بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا“ (۳)

(اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو

وہ عورتیں چار مہینے دس دن اپنے گوروں کے رکھیں)۔

اور دوسری میں اس کی عدت کے لیے سال بھر کی مدت (۴) مذکور ہے۔

پہلی کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ پہلی بعد میں

نازل ہوئی ہے۔

(ب) پہلی آیت میں مذکور ہے کہ جس عورت کا شوہر مر جائے تو اس کی

عدت چار مہینے دس دن ہے، اور کسی حال کی قید نہیں ہے، جیسے کہ مطلقہ عورت کے لیے

فرمایا گیا ہے ”وَالْمُطَلَّقاتُ يَرْجُونَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ“ (۵) (اور مطلقہ

عورتیں اپنے آپ کو تین مہینے روکے رکھیں) کہ بغیر کسی تید کے اس کے لیے تین حیض

عدت متعین کی گئی ہے، اور اس کے برخلاف ایک آیت میں ایک خاص حالت کی

(۱) نواہج ج ۲/ ص ۳۲۰-۳۲۱، توضیح ص ۵۸۹۔ قیاس و استحسان کے درمیان ترجیح کا نہایت مختصراً استحسان

کی بحث کے تحت حاشیہ میں مذکور ہے۔ (۲) نواہج ج ۲، ص ۱۹۲، رسالہ ص ۷۹۔ (۳) البقرہ ۲۳۳۔

(۴) البقرہ ۲۳۰۔ (۵) البقرہ ۲۲۸۔

قید لگا کر دوسری عدت مذکور ہے، یعنی حاملہ عورت کے لیے ارشاد ہے ”وَأُولَاتِ
الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ“ (۱) (اور حمل والی عورتوں کی عدت بچہ جننے
تک ہے)۔

اوپر والی دونوں آیات عام ہیں، اور یہ خاص ہے، اس لیے ان دونوں سے
اس خاص حالت والی عورت کو خارج قرار دیا گیا ہے، اور اس عام کو مخصوص مان لیا گیا
ہے، جیسے کہ وہ مطلقہ عورتیں جن کو حیض آنا بند ہو گیا ہو یا آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، ان کی
عدت تین مہینے بیان کی گئی ہے (۲)، وہ بھی تین حیض والی آیت و حکم سے خارج ہیں۔

باب دوم

اجتہاد

۱- تعریف:

(الف) لغوی: کسی کام کے لیے بھرپور کوشش کرنا، اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنے کی حد تک کام کرنا۔ (۱)

(ب) اصطلاحی: شرعی دلائل کی روشنی میں احکام شرع کو جاننے کے لیے اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کو پورے طور پر صرف کرنا۔ (۲)

۲- جواز:

کتاب و سنت سے ثابت ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم و آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے عملاً منقول ہے، ارشاد بانی:

”إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ“ (۳)

(ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ خدا کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کریں)۔

”وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَ مِنْهُمْ“ (۴)

(۱) المدخل ص/۵۲، ارشاد ص/۲۵۰۔ (۲) شرح التشریح ص/۱۱۳، شرح المذاهب ج ۲، ص ۱۰۰،

المصادر ص/۷۔ (۳) التماہ/۱۰۵۔ (۴) التماہ/۸۳۔

(اور اگر اس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے)۔

ان دونوں آیات کے تحت علماء نے جواز اجتہاد کا ذکر کیا ہے بلکہ ”مشورہ“ جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا گیا تھا ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ (۱) (اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو)، اور جس کا تذکرہ اہل ایمان کی مدح کرتے ہوئے، وجوہ مدح و تعریف کے ضمن میں آیا ہے ”وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ“ (۲) (اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں)، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو اس کا بڑا اہتمام تھا، اس کا حاصل اجتہاد اور آراء کا اظہار ہی ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث شروع کتاب میں گذر چکی ہے، اور عملی ثبوت کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ (۳)

۳۔ ضرورت و اہمیت:

شریعت محمدیہ قیامت تک کے لیے ہے، اور اس کی کتاب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی، اور دونوں میں انسانوں کو درپیش ہونے والے ایک ایک مسئلہ کا وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے، اور نہ یہ ممکن تھا، اس لیے بھی کہ سارے حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیش نہیں آئے، بلکہ آج تک پیش آرہے ہیں، اور قیامت تک آتے رہیں گے، اور اس لیے بھی کہ اگر ایک ایک حال کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے تو قرآن جیسی مختصر کتاب اور احادیث کا وسیع ترین ذخیرہ بھی محدود ہونے کی وجہ سے اس تفصیل کا حامل کیونکر ہوتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر ان دونوں سے استفادہ آسان کہاں رہ جاتا۔

اس لیے کتاب و سنت دونوں کو احکام شرع کے بیان کے لیے اصل الاصول

قرار دے کر ایک خاص حکیمانہ انداز میں ان دونوں میں احکام کا تذکرہ کیا گیا ہے اور وہ یوں کہ کچھ احکام تو نہایت صاف و واضح الفاظ میں مذکور ہیں کہ ہر پڑھنے والا، سننے والا ان الفاظ کی مراد کو سمجھتا ہے اور ان سے ان احکام کو جان لیتا ہے اور کچھ احکام اس انداز میں مذکور ہیں کہ الفاظ قرآن سے ان کو سمجھنے و جاننے کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے، خواہ اس کی کوئی صورت ہو اور خواہ یہ غور و فکر جتنے مراحل سے گذرے۔

انہیں دوسری قسم کے احکام کے پیش نظر خاص طور سے کلام نبوی کے ذریعہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح کی ضرورت پڑی، اگرچہ کلام نبوی میں بھی دونوں انداز اپنائے گئے ہیں، مگر قرآن کے مقابلہ میں زیادہ وسعت کے ساتھ ذخیرہ سنت میں احکام کا وضاحت کے ساتھ تذکرہ و بیان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد توضیح و تشریح کا یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا اور ضرورت برابر باقی ہے، اسی ضرورت کے پیش نظر کلام اللہ سے اور احادیث نبویہ سے دوسری قسم کے احکام کو جاننے و سمجھنے کے لیے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین نے شرعی وسائل سے کام لیا ہے، اور نئے نئے پیش آنے والے حالات و مسائل کے احکام کو بیان کیا ہے۔

یہ کام اگر اجتماعی طور پر ہوا تو ”اجماع“ کہلایا، جس کی تفصیلات گزر چکی ہیں، اور جو انفرادی طور پر ہوایا ہوتا رہتا ہے وہ ”اجتہاد“ کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو ”رائے“، ”مقتل و قیاس“ کے ذریعہ احکام کے استنباط و استخراج کے عنوان سے بھی ذکر کرتے ہیں، اگرچہ جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے ”اجتہاد و قیاس“ دونوں ہر اعتبار سے ایک ہی چیز نہیں ہیں، بلکہ دونوں میں فرق ہے۔ (۱)

۴- اجتہاد کی حقیقت و حیثیت:

یہ نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ احکام ثابت کیے جاتے ہیں، بلکہ اجتہاد کی تمام

(۱) المدخل ص ۵۰، ۵۴، ۵۵، ۵۸، المصادر ص ۷۰، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱

صورتوں کے ذریعہ بایں معنی احکام کا علم ہوتا ہے کہ ان کی آمدہ صورتوں کے احکام کا ظہور ہوتا ہے، اسی لیے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ”قیاس“ احکام کے لیے ”مُثَبِّت“ یعنی ثابت کرنے والا نہیں ہوتا، بلکہ احکام کا ”مُظْهِر“ یعنی ان کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے، اور یہی معاملہ ”اجماع“ کا بھی ہے، اس لیے کہ واضح کیا جا چکا ہے کہ ”اجماع“ بھی رائے ہی ہے، فرق یہ ہے کہ وہ اجتماعیت و اتفاق کے ساتھ متصف ہوتی ہے۔ (۱)

۵- اہل اجتہاد:

وہ عاقل و بالغ مومن جس کے اندر شرائط اجتہاد موجود ہوں۔

☆ مذکورہ تصریح سے ظاہر ہے کہ اجتہاد کے لیے ایمان اور شرائط اجتہاد کا وجود ضروری ہے، اسی لیے نبی بھی اجتہاد کر سکتا ہے، اور افراد امت بھی اور افراد امت کو یہ حق نبی کی زندگی میں بھی ہوتا ہے، جیسے کہ وفات کے بعد ہوتا ہے، البتہ نبی کی زندگی میں انھیں افراد کو حق ہوتا ہے کہ جو نبی سے اتنی دور ہوں کہ درپیش معاملہ میں نبی سے رجوع اور جواب کا حصول آسان نہ ہو، یا نبی کے ساتھ ہوں اور انھیں خصوصی اجازت حاصل ہو، اس لیے کہ اس اجازت کے بعد پھر غلطی کا احتمال نہیں رہ جاتا، اور اگر ہو تو اصلاح ہو جاتی ہے۔

نبی وغیر نبی کے اجتہاد میں فرق:

اگرچہ اجتہاد کا حق نبی وغیر نبی دونوں کے لیے رکھا گیا ہے مگر دونوں میں یہ اصولی فرق ہے کہ نبی چونکہ صاحب وحی اور شریعت کا مدار ہوتا ہے، اس لیے اس کا اجتہاد حق کے عین مطابق ہوتا ہے، اور اگر کسی قسم کی کوئی کمی ہو تو بذریعہ وحی اس کی تکمیل و نشاندہی کر دی جاتی ہے۔

اور غیر نبی کے اجتہاد میں صحت و خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اگرچہ حکم یہ

ہے کہ ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے حق میں اور اسی طرح اس کی پیروی کرنے والے اس کے اجتہاد کے حق میں صحت کا گمان غالب رکھ کر اس اجتہاد پر عمل کریں اور دوسرا مجتہد اس اجتہاد کی بابت خطا کا گمان رکھ کر اپنے اجتہاد پر عمل کرے، اس لیے کہ اس کے حق میں اس کے اجتہاد کی صحت گمان غالب کے درجہ میں ہوتی ہے۔ (۱)

۶- شرائط اجتہاد:

حسب ذیل ہیں: (۲)

(الف) عربی زبان سے متعلق علوم سے اس درجہ واقف ہونا کہ کسی بھی عربی کلام و عبارت کے معنی و مفہوم کو بخوبی سمجھا جاسکے۔

(ب) قرآن و حدیث سے متعلق و ماخوذ ان علوم سے واقف ہونا کہ جن سے واقفیت کے بغیر ان کے معنی و مفہوم کو نہیں سمجھا جاسکتا۔

(ج) ان آیات و روایات کا علم جن میں احکام کا بیان ہے۔

(د) امت کے اجماعی و اجتہادی مسائل جو پہلے سے طے کیے جا چکے

(۱) نوایح ج/۲، ص/۳۶۳-۳۶۶، ۳۷۰، ۳۷۲، ۳۷۶۔

(۲) شرائط اجتہاد بحث و تحقیق کا اہم و وسیع موضوع ہے، جس پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، یہاں شرائط کے طور پر جو امور ذکر کیے گئے ہیں، یہ ایک اجمالی آئینہ ہیں، ان میں سے ابتدائی پانچ کسی ہیں، جو جدوجہد سے حاصل کیے جاسکتے ہیں اور آخری حقیقتاً وہی و عطائے خداوندی، جو ترقی کرتے ہوئے اس مرحلہ میں پہنچ جاتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کی بنیاد پر کیا گیا فیصلہ شارع کے بیان کردہ حکم و فیصلہ کے عین مطابق ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے متعلق منقول ہے کہ ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے کچھ مہر طے کیے بغیر نکاح کیا اور صحبت سے پہلے مر گیا تو کیا حکم ہوگا؟ فرمایا: اس پر عدت ہوگی اور مہر مثل اور میراث میں حصہ ہوگا، ان کے یہ فرمانے کے بعد حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر فرمایا کہ ہمارے خاندان کی ایک عورت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ یہی فیصلہ فرمایا تھا (ابوداؤد و الترمذی و النسائی، مشکوٰۃ ص/۲۷۷)۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ اس صلاحیت کو بروئے کار لانے اور ترقی دینے میں ان کسی و اختیاری امور کا بڑا دخل ہے، بلکہ اس کے ظہور کی بنیاد یہی امور بنتے ہیں، اسی لیے ذکر کرنے والوں نے اس شرط کو اس عنوان سے ذکر کیا ہے کہ ان امور سے اس درجہ میں ہو جائیں جیسا کہ عموماً ہر علم و فن کے کسی شرط کا التزام و اہتمام کرنے کے نتیجے میں ماہر علم و فن ہوتا ہے۔ (اعلام عن الخطیب قول الشافعی ج/۱، ص/۴۶، مقدمہ عمدۃ الرعاۃ ص/۹)۔

۹- اقسام اجتہاد

اجتہاد میں دو تقسیمات جاری ہوتی ہیں:

(الف) تقسیم اول باعتبار طریق عمل۔ (ب) تقسیم دوم باعتبار دائرہ عمل۔

(الف) تقسیم اول باعتبار طریق عمل:

طریق عمل، یعنی اجتہاد کے لیے اپنائی جانے والی کوششوں کی صورتوں کے

اعتبار سے اجتہاد کی دو اصولی اقسام ہیں: ۱- اجتہاد بیانی اور ۲- اجتہاد عقلمی۔

۱- اجتہاد بیانی:

(الف) تعریف:

کسی نص پر غور و فکر کے بعد اس کے حکم کو بیان کرنا۔

(ب) صورتیں:

اصولی صورتیں کئی نکلتی ہیں:

۱- جس نص کا ثبوت قطعی نہ ہو، غور و فکر کے ذریعہ اس نص کے ثبوت کی

حیثیت کو واضح کرنا کہ باعتبار ثبوت معتبر ہے یا نہیں اور اگر معتبر ہے تو اعتبار کے کس

درجہ پر ہے، مثلاً کسی غیر متواتر حدیث کے ثبوت کی تحقیق۔

۲- جس نص کی مراد قطعی و متعین نہ ہو (خواہ ثبوت قطعی ہو یعنی قرآن کی

آیت ہو یا متواتر حدیث، یا ثبوت بھی قطعی نہ ہو، یعنی غیر متواتر حدیث ہو) لغوی و

شرعی اصول و قواعد اور احکام سے مدد لے کر اس کی مراد کو سمجھنا و متعین کرنا۔

۳- کسی نص کی مراد کو سمجھنے کے لیے اصول و قواعد کا وضع کرنا۔

اصل اول کے تحت الفاظ سے متعلق تقسیمات و اقسام کے عنوان سے جو

کچھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا تعلق انھیں دونوں صورتوں سے ہے مثلاً لفظ ”قرء“ کی

مراد کی تعیین۔

اور سر کے مسح میں مقدار فرض کی تعیین، امر سے کب کس قسم کا مطالبہ ثابت ہوتا ہے اور نہی ممانعت کے کس درجہ کو بتاتی ہے۔

۴۔ کسی قطعی ثبوت و مراد والی نص سے ثابت حکم کا عملی درجہ متعین کرنا کہ فرض و واجب ہے یا مستحب و مباح یا حرام و مکروہ تحریمی ہے یا مکروہ تنزیہی۔

۵۔ فقہی قواعد و کلیات کو جزئیات پر تطبیق دینا یعنی جزئیات کے ان سے تعلق اور قواعد کا جزئیات کے شمول کو واضح کرنا۔ (۱)
فقہی قواعد و کلیات دو قسم کے ہیں:

اول وہ قواعد و کلیات جو خود شارع کے کلام میں منقول ہیں، خواہ قرآن مجید میں جیسے ”إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ“ (۲) (بیشک اللہ انصاف اور احسان یعنی ہر کام کو اچھے طریقہ پر کرنے کا حکم دیتا ہے)، یا حدیث نبوی میں جیسے: ”إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ“ (۳) (یعنی اعمال کے اللہ کے یہاں معتبر و غیر معتبر ہونے کا مدار نیتوں پر ہے)۔

دوم وہ قواعد و کلیات جن کا کسی نص یا شریعت کے اصول و فروع سے استنباط کیا گیا ہو مثلاً:

”إذا اجتمع الحلال والحرام أو المحرم والمباح غلب

الحرام والمحرم“

(جب حلال و حرام دونوں جمع ہو جائیں یا دلیل حرمت و دلیل

اباحت تو حرام اور دلیل حرمت کو ترجیح ہوتی ہے)۔

”إذا اجتمع الحقان قدم العبد“ (۴) (جب کسی موقع پر اللہ کا حق اور

بندے کا حق دونوں جمع ہوں تو بندے کا حق مقدم ہوتا ہے)۔

(۱) اجتہاد بیانی پر کلام کرنے والوں نے اس کی اتنی صورتیں نہیں ذکر کی ہیں، لیکن ان کی ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں اصولی طور پر چونکہ یہ صورتیں سامنے آئیں، اس لیے ذکر کر دی گئیں۔ (۲) النحل ۹۰۔ (۳) شفق طیبہ۔

(۴) قواعد الفقہ ص/۵۵۔

(ج) اجتہاد بیانی کی حقیقت

شارع کی مراد کی تحدید و تعیین ہے، اسی لیے ساری امت کے نزدیک متفق

علیہ ہے۔ (۱)

۲- اجتہاد عقلی:

تعریف:

جس صورت حال کا کتاب و سنت و اجماعیات میں حکم منقول نہ ہو، شریعت کے متعین کردہ اصول و ضوابط کی مدد سے غور و فکر کر کے اس کے حکم کو بیان کرنا۔ (۲)

(ب) تقسیم دوم باعتبار دائرہ عمل:

اجتہاد کا دائرہ کار، یعنی ان امور کے اعتبار سے جن میں مجتہد اپنی صلاحیتوں

سے کام لیتا ہے۔

اجتہاد کی دو اقسام ہیں: ۱- اجتہاد مطلق۔ ۲- اجتہاد مقید۔

۱- اجتہاد مطلق:

جس کو ”اجتہاد مستقل“ اور ”اجتہاد فی الشرع“ بھی کہتے ہیں:

(الف) تعریف:

اصول و فروع کسی چیز میں کسی مجتہد کا پابند ہوئے بغیر اولہ اربعہ سے احکام

شرع کو جاننے کی کوشش کرنا۔

(ب) اشخاص:

حضرات ائمہ اربعہ وغیرہ۔

(۱) المدخل ص/ ۳۳۳-۳۳۵۔ (۲) اجتہاد عقلی کی تفصیلات اصل چہارم کے تحت گزر چکی ہیں۔

۲- اجتہاد مقید:

(الف) تعریف:

کسی مجتہد کا پابند بن کر احکام کی تحقیق و تفتیش کا کام کرنا۔

(ب) اقسام:

چار ہیں: ۱- اجتہاد در مذہب۔ ۲- اجتہاد در مسائل۔ ۳- اجتہاد در تخریج۔

۴- اجتہاد در ترجیح۔

۱- اجتہاد در مذہب:

(الف) تعریف:

تمام یا اکثر اصول و فروع میں کسی امام کا پابند بن کر اصول و فروع کا استنباط

و بیان۔

(ب) اشخاص:

تلامذہ ائمہ اربعہ، جیسے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ وغیرہ۔ (۱)

۲- اجتہاد در مسائل:

(الف) تعریف:

کسی مجتہد کے تمام اصول و فروع کا پابند بن کر نئے پیش آمدہ مسائل کے

احکام کا استنباط۔

(ب) اشخاص:

شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، قاضی خاں وغیرہ۔

(۱) اس کے لیے اجتہاد انتسابی کا عنوان بھی ذکر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ اس کے حاملین، اجتہاد مستقل کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں، مگر اساتذہ کی تعظیم اور اپنی تواضع کے پیش نظر کسی امام مجتہد کی طرف خود کو منسوب کرتے ہیں اور اس کے مذہب کی تائید و تقویت کرتے ہیں۔

۳- اجتہاد در ترجیح:

(الف) تعریف:

علماء مذہب یعنی امام مذہب اور اس کے تلامذہ سے منقول مجمل و محتمل اقوال کی تفصیل کرنا۔

(ب) اشخاص:

ابوبکر بھصا، رازی، ابوالحسین کرخی وغیرہ۔

۴- اجتہاد در ترجیح: (☆)

(الف) تعریف:

کسی مسئلہ کی بابت علماء مذہب سے منقول ایک سے زائد روایات کے درمیان ترجیح دینا۔

(ب) اشخاص:

صاحب قدوری، ابوالحسین احمد، صاحب ہدایہ، برہان الدین مرغینانی وغیرہ۔

۱۰- تقلید:

(الف) تعریف:

۱- لغوی: گلے میں کسی چیز کا ڈالنا۔

۲- اصطلاحی: کسی کی بات کو بے دلیل مان لینا۔ (۱)

(☆) آخری اقسام اجتہاد کے تحت اس لیے داخل قرار دی گئی ہیں کہ ان امور کے لیے بھی ذمہ علم اور انتہائی غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے اور اجتہاد کا مصداق جیسے ابتداء کسی صورت کا حکم معلوم کرنے کے لیے کوشش کرنا، ویسے یہ بھی ہے کہ کسی صورت کے لیے بیان کردہ حکم کو تحقیق کے ساتھ جانا جائے اور اس کے سلسلہ میں غور طلب امور کی تحقیق و تفتیش کے بعد وضاحت کی جائے، جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے ”عقد الجید“ کی ابتدائی سطور میں نہایت وضاحت کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ الاسعدی۔ (۱) فوائج ج/۲، ص/۳۰۱۔

☆ تقلید کی اصل حقیقت یہی ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک اس کا مفہوم ہے: ”کسی مجتہد کے تمام یا اکثر اصول و قواعد یا تمام یا اکثر جزئیات کا اپنے آپ کو پابند بنالینا۔“

خواہ یہ پابندی تفصیلی و تحقیقی علم کے بغیر ہو جیسا کہ عام مقلدین کا حال ہوتا ہے یا تفصیلی و تحقیقی علم کے ساتھ، جیسا کہ اکابر اہل علم و تحقیق مقلدین کا حال رہا ہے اور ہوتا ہے، اسی لیے کہا جاسکتا ہے کہ:

(ب) مراحل تقلید:

دو ہیں: ۱- تقلید با تحقیق - ۲- تقلید محض۔

۱- تقلید با تحقیق:

کسی مجتہد کی، اس سے منقول مسائل کی بابت تحقیق علم کے ساتھ تقلید کرنا خواہ تمام اصول و فروع میں یا اکثر میں۔

☆ اسی مرحلہ کے پیش نظر اجتہاد و مقید کی چاروں اقسام کو ”تقلید“ کے تحت ذکر کیا جاتا ہے، ایک قسم کے اضافہ کے ساتھ جس کو ”تمیز“ کہتے ہیں۔

یعنی علماء مذہب کے اقوال کی قوت و ضعف سے واقف ہونا کہ کون سا قول معتمد و راجح ہے اور کون مرجوح و مردود جیسے صاحب کنز ابوالبرکات احمد نسفی اور صاحب وقایہ تاج الشریعہ محمود بخاری وغیرہ یعنی مقلدین با تحقیق کے پانچ طبقات ہیں: ۱- مجتہد در مذہب - ۲- مجتہد در مسائل - ۳- اصحاب تخریج - ۴- اصحاب ترجیح - ۵- اصحاب تمیز۔

۲- تقلید محض:

کسی مجتہد سے منقول مسائل کی بابت تحقیق کے بغیر ان کو نقل کرنا اور ان پر عمل کرنا۔

عام مقلدین مذاہب حتی کہ عام علماء بھی تقلید کے اس مرحلہ میں ہوتے ہیں، البتہ عوام و علماء کے درمیان علم و جہل کا فرق ہوتا ہے کہ علماء کو براہ راست کتابوں سے مذہب کے اقوال کا علم ہوتا ہے اور عوام کو علماء سے سن کر۔ (۱)

۱۱- اجتہاد اور اصول فقہ:

اجتہاد سے متعلق تفصیلات سے ظاہر ہے کہ اجتہاد اصول فقہ کی تمام اباحت کو شامل ہے، اس لیے کہ اصول چہارگانہ سے احکام کا علم حاصل کرنا "اجتہاد" پر مبنی ہے، "اجتہاد" کے ذریعہ ہی کسی دلیل سے کسی حکم کا استنباط ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اصولیین اجتہاد کے مباحث کو اخیر میں ذکر کیا کرتے ہیں۔

نیز یہ کہ اصول فقہ کا علم بھی شرائط اجتہاد میں سے ہے۔ (۲)

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین،

و الصلاة والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ و صحبہ أجمعین.

العبد

محمد عبید اللہ الاسعدی غفرلہ

(۱) اجتہاد و تقلید اور ان کے مراحل کی بابت مذکورہ تفصیلات رسم المفتی ص/ ۲۸-۳۳، مقدمہ عمدۃ الرغایہ ص/ ۸-۹، تاریخ المذہب الاسلامیہ ج/ ۲، ص/ ۱۱۱ و ما بعد، عقد الجید فی احکام الاجتہاد و تقلید سے مستفاد ہیں، اجتہاد کے مراحل کی مذکورہ ترتیب تاریخ المذہب سے ہی ماخوذ ہے، ورنہ عام طور سے یہ طبقات فقہاء یا طبقات مقلدین کے عنوان کے ساتھ مذکور ہیں۔ (۲) تلویح ص/ ۶۰۳، فوائج ج/ ۲، ص/ ۳۶۳۔

اہل حق مذاہب فقہیہ کے

اہم مراجع اصول

(الف) فقہ حنفی:

- ۱- مؤلفات امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ۔
- ۲- کتاب اثبات القیاس، الاجتہاد، خبر الواحد، مؤلفات علی بن موسیٰ قمی (م-۳۰۵ھ)۔
- ۳- خبر الواحد، اثبات القیاس، اجتہاد الرائے، یہ تینوں عیسیٰ بن ابان (م-۲۲۰ھ) کی مؤلفات ہیں۔
- ۴- اصول الشاشی، مؤلفہ اسحاق بن ابراہیم خراسانی شاشی (م-۳۲۵ھ)۔
- ۵- مآخذ الشرائع، مؤلفہ امام ابو منصور بن محمد ماتریدی (م-۳۳۳ھ)۔
- ۶- اصول الکرخی، مؤلفہ ابو الحسن عبید اللہ کرخی (م-۳۴۰ھ)۔
- ۷- الاصول، مؤلفہ ابی بکر احمد جصاص رازی (م-۳۷۰ھ)۔
- ۸- تقویم الادلہ، و تاسیس النظر، یہ دونوں ابو زید عبید اللہ دہوی (م-۳۳۰ھ) کی مؤلفات ہیں۔
- ۹- کنز الوصول الی معرفۃ الاصول، و شرح تقویم الادلہ، یہ دونوں علی بن محمد بزدوی (م-۳۸۲ھ) کی مؤلفات ہیں۔
- ۱۰- الاصول، مؤلفہ ابو بکر محمد سرخسی (م-۳۹۰ھ)۔

- ۱۱- اصول الفقہ، مؤلفہ عمر بن برہان، صدر شہید (م-۵۳۶ھ)۔
- ۱۲- اصول السمرقندی، مؤلفہ علاء الدین احمد سمرقندی (م-۵۴۰ھ)۔
- ۱۳- اصول الفقہ، مؤلفہ عبدالغفار کردری (م-۵۶۲ھ)۔
- ۱۴- تنقیح الاصول، اور اس کی شرح ”التوضیح“ یہ دونوں صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود (م-۷۷۷ھ) کی مؤلفات ہیں۔
- ۱۵- التحریر، مؤلفہ کمال الدین بن ہمام (م-۸۶۱ھ)۔
- ۱۶- منتخب الحسامی، مؤلفہ حسام الدین انجلیشی (م-۶۳۴ھ)۔
- ۱۷- منار الاصول، مؤلفہ ابو برکات عبداللہ بن احمد نسفی (م-۷۱۰ھ)۔
- ۱۸- مسلم الثبوت، مؤلفہ ملا محبت اللہ محمد بن عبدالشکور بہاری (م-۱۱۱۹ھ)۔
- یہ فقہ حنفی کے اصول سے متعلق اہم و معتمد متون ہیں، ان میں سے متعدد کی نہایت اہم شروح بھی ہیں، جن کو مستقلاً اہمیت حاصل ہے، بالخصوص اصول بزدوی کی شرح بنام کشف الاسرار جو عبدالعزیز بخاری کی تالیف ہے، التحریر کی شرح التقریر و التحریر، جو ابن امیر الحاج محمد بن محمد (م-۸۷۹ھ) کی تصنیف ہے، منار الاصول کی شرح کشف الاسرار مؤلفہ مصنف المنار، اور نور الانوار مؤلفہ ملا جیون احمد بن ابی سعید (م-۱۱۳۰ھ) و شرح ابن ملک عبداللطیف (م-۸۰۱ھ)، مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت مؤلفہ بحر العلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی (م-۱۱۸۰ھ) وغیرہ۔

(ب) فقہ شافعی:

- ۱- الرسالة، مصنفہ امام شافعی رحمہ اللہ (م-۲۰۴ھ)۔
- ۲- الامروالنبی علی مذہب الشافعی، مصنفہ مزنی اسماعیل بن یحییٰ (م-۲۶۴ھ)۔
- ۳- کتاب اصول الفقہ، مؤلفہ حسن بن قاسم طبری (م-۳۰۵ھ)۔
- ۴- شرح رسالۃ الشافعی، و کتاب البیان فی دلائل الاعلام علی اصول الاحکام،

یہ دونوں ابوبکر صیرفی (م-۳۳۰ھ) کی تالیفات ہیں۔

۵- کتاب الخصوص والعموم والفصول فی معرفۃ الاصول، مؤلفہ ابراہیم بن احمد بن ائحق مروزی (م-۳۳۰ھ)۔

۶- شرح رسالۃ الشافعی، مؤلفہ ابوالوحید حسان نیشاپوری (م-۳۳۹ھ)۔
۷- کتاب الفقہ وشرح الرسالہ، یہ دونوں قفال شاشی (م-۳۶۵ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۸- کتاب الاسرار، مؤلفہ ابو حامد احمد بن بشر بصری (م-۳۶۲ھ)۔
۹- شرح رسالۃ الشافعی، مؤلفہ ابوبکر جوزقی (م-۳۸۸ھ)۔
۱۰- کفایۃ القیاس، مؤلفہ عبد الواحد بن حسین (م-۳۸۶ھ)۔
۱۱- تہذیب النظر، مؤلفہ ابی سعید جرجانی (م-۳۹۶ھ)۔
۱۲- شرح رسالۃ الشافعی، مؤلفہ ابو محمد جوینی (م-۴۳۸ھ)۔
۱۳- کتاب اللمع اور اس کی شرح جو ابوائحق ابراہیم شیرازی (م-۴۷۶ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۱۴- عمدۃ العالم والطریق السالم، مؤلفہ ابن الصباغ ابی نصیر (م-۴۷۷ھ)۔
۱۵- البرہان فی الاصول، الورقات، التلخیص، یہ تینوں ابوالعالی امام الحرمین استاذ امام غزالی (م-۴۷۸ھ) کی مؤلفات ہیں۔

۱۶- کتاب الفقیہ، مؤلفہ عبدالرحمن متولی نیشاپوری (م-۴۷۸ھ)۔
۱۷- شفاء المسترشدین فی مباحث المجتہدین، مؤلفہ علی بن محمد کیاہراسی

(م-۵۰۴ھ)۔
۱۸- المستصلى، المنحول، شفاء الغلیل، یہ تینوں امام غزالی (م-۵۰۵ھ) کی

۱۹- الوسیط، الوجیز، الوصول الی علم الاصول، مؤلفات ابن برہان احمد بن علی (م-۵۲۰ھ)۔

۲۰- کتاب اصول الفقہ، مؤلفہ علی بن زید بہیمی (م-۵۶۵ھ)۔

۲۱- المحصول، مؤلفہ امام فخر الدین رازی (م-۶۰۶ھ)۔

۲۲- الاحکام فی اصول الاحکام، مؤلفہ سیف الدین آمدی (م-۶۳۱ھ)

یہ دونوں سابقہ کتب کی تحقیقات بالخصوص البرہان اور المستصفی کے مسائل کی جامع اور مفصّل ہیں۔

۲۳- ابن حاجب جمال الدین عثمان (م-۶۳۶ھ) کی منتہی الوصول

والاہل فی علمی الاصول والجدل۔

۲۴- قاضی بیضاوی عبداللہ بن عمر (م-۶۹۱ھ) کی المنہاج اور اس کی شرح

بھی فقہ شافعی کے اصول کے اہم ماخذ میں شامل ہیں۔

(ج) فقہ مالکی:

۱- کتاب اللمع، مؤلفہ ابو الفرج عمر بن احمد (م-۳۳۱ھ)۔

۲- کتاب الاصول، الابہری محمد بن عبداللہ (م-۳۷۵ھ)۔

۳- التقریب والارشاد، اس کا مختصر، الارشاد التوسط اور مختصر کا مختصر، الارشاد

الصغیر، مؤلفات ابی بکر باقلانی محمد بن طیب (م-۴۰۳ھ)۔

۴- کتاب الفصول، مؤلفہ علی بن فضال قیروانی (م-۴۷۹ھ)۔

۵- کتاب الاصول، مؤلفہ عبداللہ بن محمد باری اندلس (م-۵۲۳ھ)۔

۶- تنقیح الفصول فی علم الاصول، شرح تنقیح الفصول، العقد المنظوم فی

الخصوص والعموم، الفروق، یہ سب قرانی ابوالعباس احمد بن ادریس (م-۶۸۴ھ) کی

مؤلفات ہیں۔

(د) فقہ حنبلی:

- ۱- کتاب النسخ والمنسوخ والمقدم والمؤخر من القرآن، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (م-۲۳۱ھ)۔
- ۲- کتاب العدة، اور الکفایہ، مؤلفہ ابو یعلیٰ محمد بن حسن (م-۲۵۸ھ)۔
- ۳- کتاب التمهید، مؤلفہ ابو الخطاب محفوظ بن احمد (م-۵۱۰ھ)۔
- ۴- الواضح، اور الاشارة، مؤلفہ علی بن عقیل (م-۵۱۳ھ)۔
- ۵- غرر البیان، مؤلفہ ابن الزاغونی عبداللہ بن نصر۔
- ۶- الحجر، اور المفردات، مؤلفہ فراء محمد بن محمد (م-۵۲۶ھ)۔
- ۷- منہاج الوصول الی علم الاصول، مؤلفہ ابن جوزی ابوالحسن عبدالرحمن (م-۵۹۷ھ)۔
- ۸- روضة الناظر وجنة المناظر، مؤلفہ ابن قدامہ عبداللہ بن احمد مقدسی (م-۶۲۰ھ)۔
- ۹- القواعد فی الفقہ الاسلامی، مؤلفہ ابن رجب ابوالفرج عبدالرحمن (م-۷۹۵ھ)۔
- ۱۰- القیاس فی الشرع الاسلامی، مؤلفہ امام ابن تیمیہ (م-۷۲۸ھ)۔

(ه) فقہ ظاہری:

- ۱- کتاب الاجماع، کتاب الخیر الواحد، ابطال التقليد، ابطال القیاس، کتاب الخیر الموجب العلم، کتاب الخصوص والعموم، کتاب المفسر والمجمل، سب فقہ ظاہری کے بانی داؤد بن علی اصہبانی (م-۲۷۰ھ) کی مؤلفات ہیں۔
- ۲- کتاب ابطال القیاس، مؤلفہ یشکری حسن بن حسین (م-۲۷۶ھ)۔
- ۳- کتاب الوصول الی معرفۃ الاصول، مؤلفہ صاحبزادہ امام داؤد محمد بن داؤد۔

- ۴- کتاب الاعتبار فی ابطال القیاس، مؤلفہ ابراہیم بن احمد (م-۳۷۰ھ)۔
 ۵- الاحکام فی اصول الاحکام، المنبذ فی اصول الفقہ الظاہری، مؤلفہ ابن حزم
 علی بن احمد (م-۴۵۶ھ)۔
 ۶- ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مؤلفہ شوکانی محمد بن علی بن محمد
 (م-۱۲۵۵ھ)۔

حنفی اصول فقہ سے متعلق ہندوستانی علماء کی مؤلفات (معروف و متداول کتب کی شروح و حواشی)

(الف) اصول بزدوی کی شروح:

- مؤلفات: ۱- علامہ شہاب الدین دولت آبادی (م-۸۴۹ھ)۔ ۲- شیخ الہ
 داد جونپوری (م-۹۲۳ھ)۔ ۳- شیخ سعد الدین خیر آبادی (م-۸۸۲ھ)۔ ۴- شیخ
 وجیہ الدین علوی گجراتی (۹۹۸ھ)۔ ۵- ابو بکر قریشی اکبر آبادی۔

(ب) شروح منار الاصول:

- ۱- سعد الدین محمود دہلوی (م-۸۹۱ھ)۔ ۲- سید یوسف بن جمال ملتانی
 (م-۷۹۰ھ)۔ ۳- مفتی عبدالسلام اعظمی دیوبند (م-۱۰۳۹ھ)۔ ۴- احمد بن ابی
 سعید ایٹھوی معروف بہ ملا جیون (م-۱۱۳۰ھ) بنام ”نور الانوار“۔ ۵- شیخ نظام
 الدین محمد سہالوی (م-۱۱۶۱ھ) بنام ”صبح صادق“۔ ۶- شیخ عبدالعلی بحر العلوم
 (م-۱۲۲۵ھ) بنام ”تنویر المنار“ بزبان فارسی۔ ۷- مولانا عبدالحلیم لکھنوی والد مولانا
 عبدالحی (م-۱۲۸۵ھ) بنام ”قمر القمار“۔ ۸- شیخ رستم علی قنوجی (م-۱۱۷۸ھ) نے
 بنام ”مختصر نور الانوار“ نور الانوار کا خلاصہ لکھا ہے۔

(ج) التلویح والتوضیح:

- ۱- شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م-۹۹۸ھ)۔ ۲- شیخ یعقوب بن حسن

صوفی کشمیری (م-۱۰۰۳ھ)۔ ۳۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی (م-۱۰۶۷ھ) ان تینوں حضرات کی شروح ہیں اور متعدد حضرات کے حواشی ہیں۔ ۴۔ عبداللہ بن عبدالحکیم سیالکوٹی (م-۱۰۹۳ھ)۔ ۵۔ نورالدین محمد صالح گجراتی (م-۱۱۵۵ھ)۔ ۶۔ جمال الدین بن رکن الدین گجراتی۔ ۷۔ شیخ امان اللہ بن نور اللہ بناری (م-۱۱۳۳ھ)۔ ۸۔ احمد بن سلیمان گجراتی (م-۱۰۹۲ھ)۔ ۹۔ حاشیہ بر حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی۔ ۱۰۔ قاضی عبدالحق بن محمد اعظم کابلی (م-۱۳۲۱ھ)۔ ۱۱۔ سید امیر علی بن معظم علی بلخ آبادی (م-۱۳۳۷ھ)۔ ۱۲۔ مولوی ایوب بن یعقوب اسرائیلی علی گڑھی۔ ۱۳۔ مولانا قطب الدین شہید سہالوی (۱۱۰۳ھ)۔

(د) الحسامی:

۱۔ شیخ معین الدین عمران دہلوی۔ ۲۔ شیخ سعد الدین خیر آبادی (م-۸۸۲ھ)۔ ۳۔ شیخ یعقوب بن یوسف ملتانی لاہوری (م-۱۰۹۸ھ)۔ ۴۔ قاضی عبدالنبی احمد نگری۔ ۵۔ مولوی عبدالحق بن محمد دہلوی (م-۱۳۳۵ھ)۔ ۶۔ مفتی برکت اللہ لکھنوی۔ ۷۔ مفتی نظام الدین کیرانوی۔ ۸۔ مولانا فیض الحسن گنگوہی۔

(ه) دائر الاصول:

۱۔ شیخ محمد اعلم بن محمد شاہ سندیلوی (م-۱۱۹۸ھ)۔ ۲۔ قاضی خلیل الرحمن رامپوری۔ ۳۔ مولانا عبدالحکیم بن عبدالرب لکھنوی (م-۱۲۸۲ھ)۔

(و) شرح تحریر الاصول لابن ہمام:

مؤلفہ شیخ نظام الدین سہالوی (م-۱۱۶۱ھ) جس کا تکرار ان کے صاحبزادہ مولانا عبدالعلی بحر العلوم نے لکھا ہے۔

(ز) اصول الشاشی:

اس کے بھی متعدد حواشی ہیں، مثلاً: ۱۔ حاشیہ مولانا فیض الحسن گنگوہی۔

۲- حاشیہ مولانا برکت اللہ لکھنوی۔ ۳- مولانا محمد حسن سنہلی۔ ۴- مولانا عبدالرشید لکھنوی۔ ۵- حکیم نجم الغنی رامپوری۔ ۶- مولانا محمد حسن سنہلی۔

(ح) مؤلفہ متون اور ان کی شرح:

بہت سے حضرات نے اصول فقہ میں مستقل متون و کتب کی تالیف کا بھی کام کیا ہے، اس سلسلہ کی کتابوں میں: ۱- مولانا امان اللہ بناری کی کتاب ”المفسر“ جس کی خود انھوں نے شرح بھی کی ہے۔ ۲- راجہ مبارز خاں حسن پوری کی کتاب ”مبارزیہ“ ہے جس کی شیخ نظام الدین سہالوی نے شرح لکھی ہے۔ ۳- مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید اشرف سمنانی کی کتاب ”الفصول“ ہے۔ ۴- مولانا اسماعیل شہید دہلوی (م- ۱۱۴۳ھ) کی کتاب ”مختصر الاصول“ ہے، جس کی شرح مولانا عبدالکریم ٹونگی نے لکھی ہے۔ ۵- مولانا عبدالدائم بن عبدالحی گوالیری کی ”اساس الاصول“ ہے اور اہم کتابوں میں سے ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب ”اصول ابراہیم شاہی“ ہے جو کہ فارسی میں ہے اور اس کی شرح شیخ عبدالنبی گجراتی نے بنام ”الموہب الالہی“ لکھی ہے۔

اور اہل علم کے حلقہ میں معروف و متداول نیز عالمگیر شہرت کی حامل ملامحت اللہ بہاری کی کتاب ”مسلم الثبوت“ ہے، جس کی متعدد اہم شرح ہیں، جن میں سے ملاح بحر العلوم کی ”فوائح الرحموت“ ہے، ان کے والد شیخ نظام الدین سہالوی نے بھی اس کی دو شرح لکھی ہیں: ایک ”الاطول“ اور دوسری ”الطویل“۔

(ط) دیگر اہم کتب:

اس سلسلہ کی کتابوں میں اجتہاد و تقلید کے موضوع پر لکھی جانے والی بہت سی چھوٹی بڑی کتابیں ہیں، ان میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی ”عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید“ نہایت اہم ہے، ایسے ہی ”تنبیہ الضالین و ہدایۃ الصالحین“ جو کہ اثبات تقلید

سے متعلق بعض علماء حرمین و علماء ہند (جن میں سید احمد شہیدؒ کے بعض رفقاء بھی شامل ہیں) کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ ایک اہم کتاب قاضی صبغۃ اللہ بن محمد غوث شافعی مدراسی کی ”ازالۃ الغمۃ فی اختلافات الامۃ“ ہے۔

فقہ شافعی سے متعلق شیخ عبدالوہاب بن محمد غوث مدراسی کی ”کاشف الرموزات الی الورقات“ ہے، ایسے ہی اصول فقہ سے متعلق نواب صدیق حسن صاحب بھوپالی کی ”حصول المأمول“ ہے۔

(ی) اردو:

دھیرے دھیرے اردو میں بھی بہت سی چیزیں ہو گئی ہیں، جو زیادہ تر نصاب میں شامل کتب کے تراجم و شروح کی صورت میں بعض مستقل رسائل و کتب بھی ہیں، نیز سید عبدالرحیم کلکتہ کی انگریزی زبان میں ایک مبسوط کتاب ہے۔ (۱)

مراجع و ماخذ

مراجع کے سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ:

۱- عموماً ان سے براہ راست ہی استفادہ کیا گیا ہے، البتہ چند کتابیں ایسی ہیں کہ جن کی معلومات بالواسطہ لی گئی ہیں، ان کے ماخذ کو بتانے کی غرض سے، یا معلومات کے اعتماد و استناد کو ظاہر کرنے کی غرض سے، چنانچہ کشف الاسرار، اصول سرخسی، تقویم الادلہ، التحریر کے حوالے اسی وجہ سے ذکر کیے گئے ہیں، اور بالخصوص کشف الاسرار کے حوالے اسی لیے بکثرت مذکور ہیں۔

۲- بعض کتب جن کا باہمی تعلق متن اور شرح و حاشیہ کا ہے، عموماً ان کے حوالہ جات ایک ہی نام سے ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت، کشف الاسرار اور اس کا متن اصول الہمز دوی، التوضیح والتلویح اور ان کا حاشیہ توشیح۔

۳- ابتدائی مواقع کے بعد حوالہ جات کے سلسلہ میں کتابوں کے پورے پورے نام نہیں ذکر کیے گئے ہیں، بلکہ اختصار سے کام لیا گیا ہے، مثلاً مسلم مع فواتح کو فواتح، کشف الاسرار کو کشف، نور الانوار کو نور، قمر الاقمار کو قمر، اصول الشاشی کو اصول، عمدۃ الحواشی کو عمدہ، مصادر التشریح الاسلامی کو المصادر، تفسیر النصوص کو تفسیر، تیسیر مصطلح الحدیث کو تیسیر اور تدریب الراوی کو تدریب کے عناوین سے ذکر کیا گیا ہے۔

۴- آیات کا ترجمہ حسب موقع بیان القرآن اور فتح المجید ترجمہ مولانا فتح محمد

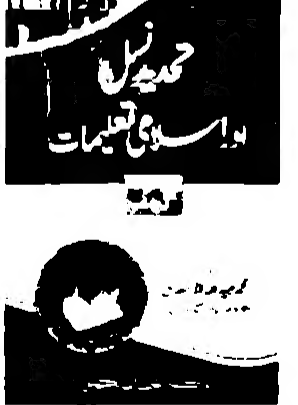
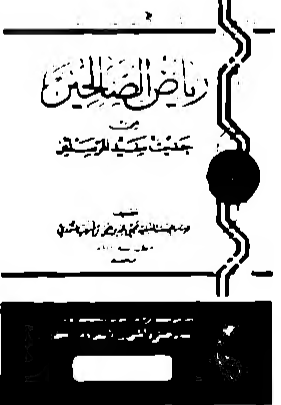
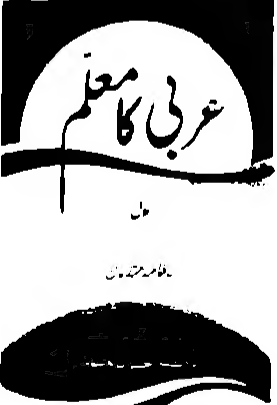
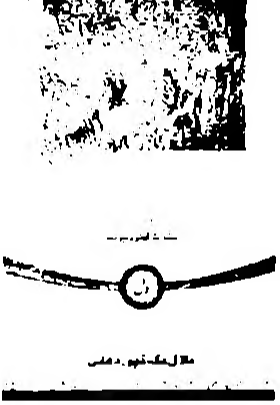
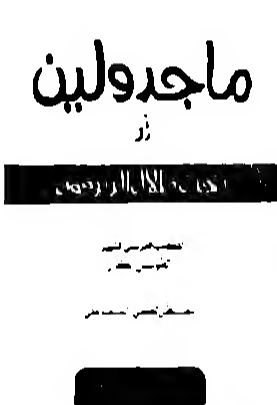
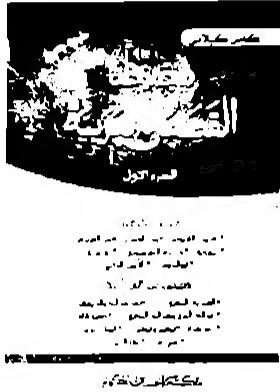
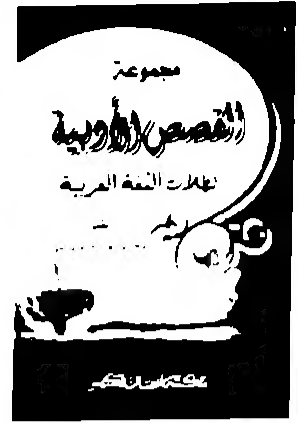
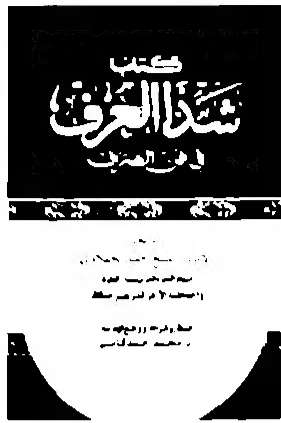
جالندھری سے لیا گیا ہے۔

۵- حوالہ جات کے اندراج میں یہ اہتمام نہیں کہ ایک پہلو کی تمام معلومات

کے حوالے یکجا ذکر کر دیئے جائیں، یا ہر شق و جزئیہ کے الگ الگ کہیں کہیں تمام معلومات کے حوالے یکجا ہیں اور اکثر ایک ایک دودو شقوں کے حوالے مذکور ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ کسی قاعدے کے تحت جو حوالے درج ہیں اور وہ قاعدہ من و عن میرے لفظوں میں ان سب میں مسطور نہیں ہے، بلکہ باہم اجزاء کا اختلاف ہے، لیکن حوالہ مجموعی صورت کا جو ذکر کی گئی ہے، اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

- ۱- تفسیر ابن کثیر۔ اسماعیل بن کثیر دمشقی۔ مکتبہ عیسیٰ البابی حلبی مصر۔
- ۲- تفسیر نسفی۔ عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی۔ دارالکتاب العربی بیروت۔
- ۳- روح المعانی۔ سید محمود آلوسی بغدادی۔ مکتبہ مصطفائی دیوبند۔
- ۴- احکام القرآن۔ ابوبکر احمد بھاص رازی۔ دارالکتاب العربی بیروت۔
- ۵- الاتقان فی علوم القرآن۔ جلال الدین سیوطی۔ مکتبہ ثقافیہ بیروت۔
- ۶- الفوز الکبیر۔ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ مکتبہ نعمانیہ دیوبند۔
- ۷- مناہل العرفان فی علوم القرآن۔ محمد عظیم زرقانی۔ دارالفکر العربی قاہرہ۔
- ۸- مشکوٰۃ المصابیح۔ خطیب بغدادی۔ مکتبہ رشیدیہ دہلی۔
- ۹- نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر۔ ابن حجر عسقلانی۔ مکتبہ علمیہ مدینہ (طبع سوم)۔
- ۱۰- تدریب الراوی۔ سیوطی۔ دارالکتب الحدیثہ (طبع دوم)۔
- ۱۱- تیسیر مصطلح الحدیث۔ ڈاکٹر محمود الطحان۔ دارالقرآن بیروت (طبع دوم)۔
- ۱۲- السنۃ ومکانہا فی التشریح الاسلامی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی۔ المکتب الاسلامی (طبع دوم)۔
- ۱۳- فتح القدر۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام۔ داراحیاء التراث العربی بیروت۔
- ۱۴- در مختار و رد المختار۔ علامہ ابن عابدین شامی۔ داراحیاء التراث العربی بیروت۔
- ۱۵- بدائع الصنائع۔ ابوبکر بن مسعود کاسانی۔ مصر ۲۸-۱۳۲۷ھ۔
- ۱۶- حسامی۔ حسام الدین۔ مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔
- ۱۷- نظامی شرح حسامی۔ نظام الدین کیرانوی۔ مکتبہ رحیمیہ دیوبند۔

- ۳۰- مرآة الاصول شرح مرآة الوصول - ملا خرد - مکتبه العامره ۱۳۰۹ھ -
- ۳۱- مذکره جامعہ دمشق - نائپ شدہ -
- ۳۲- تاریخ التشریح الاسلامی - محمد خضری بک - مکتبه تجاریہ الکبیری مصر (طبع ہفتم) -
- ۳۳- تاریخ المذاهب الاسلامیہ - محمد ابو زہرہ - دار الفکر العربی قاہرہ -
- ۳۴- ابن قدامہ و آثار الاصولیہ - عبدالعزیز بن عبدالرحمن - جامعہ الامام محمد بن سعود -
- ۳۵- اصول الفقہ - زکریا البردوسی - دار التالیف قاہرہ (طبع دوم) -
- ۳۶- اعلام الموقعین - ابن قیم - مطبعہ السعادة قاہرہ (طبع اول) -
- ۳۷- کافیه سعیدیہ - مولانا حیات سنبھلی - مکتبه مجیدی کانیپور -
- ۳۸- طلحہ الشمس - محمد عبداللہ سالمی ابانخی - الموسوعات مصر -
- ۳۹- حاشیہ مختصر المعانی - شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی - مکتبه رشیدیہ دہلی -
- ۵۰- جواہر الفقہ - مفتی محمد شفیع دیوبندی - عارف کینی دیوبند -



مكتبة احسان الكهنو
MAKTABA AHSAN
 504/38-1, Tagore Marg, Daliganj, Lucknow-20 (U.P.)
 Ph. 0522-3206907 M. 9793118234, 9335982413
 E-mail maktabaahsan1@gmail.com